
اگر ہم معتبر ٹھہرے
ام مریم

پیش لفظ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے
بیشک تمام تر تعریفوں کے لائق ہے وہ پاک ذات جو تمام جہانوں کا خالق و مالک ہے۔
ڈیئر قارئین!
اگر ہم معتبر ٹھہرے..... آپ کیلئے ہرگز نیا نام نہیں تین سال پہلے یہ ناول ماہنامہ کرن ڈائجسٹ میں آپ پڑھ اور سراہ چکے۔ مگر ایک اتفاق جو آپ اور میرے بیچ طے پایا وہ تھا اس کہانی کا مختصر ہونا۔ اتنا خوبصورت ناول اتنی پیاری کہانی..... مگر اپنے مختصر صفحات کی بنا پہ تشنگی کا باعث بنتی رہی۔ یہ بات میرے اپنے دل میں تھی۔ آپ نے احساس دلایا تو میرے اندر بھی تحریک پیدا ہوئی۔ پھر سے اسے لکھنے کی.....اور آپ کا بڑھتا اصرار میرے قلم کو رواں کرنے کا باعث بن گیا۔ اسے خوبصورت اضافے کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کر رہی ہوں۔ اللہ پر اس امید دعا اور یقین کے ساتھ کہ آپ کی پسندیدگی آپ کے معیار پہ ہمیشہ کی طرح پورا اترے گی۔

خوش رہیں، وطن عزیز کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار پوری دیانت داری سے ادا کرتے رہیں۔

اُمِ مریم

''خفا ہو.....؟''

صلہ نے پلٹ کر جاتی علیزے سے اہم سوال کیا تو علیزے صم سی گئی۔ کچھ دیر اسے دیکھا پھر متاسفانہ رکونفی میں ہلانے لگی۔

''نہیں..... میں کیوں ہوں گی۔ تمہیں شانزے مبارک۔''

وہ تھوڑی سی تلخ ہوگئی تھی۔ پھر اس کے پکارنے کی پروا کیے بغیر گھر پہنچی تو راستے میں ڈرائیور پر بھی معمولی لیٹ ہونے کے جرم میں برستی رہی۔ وہ بیچارا غریب کیا کہتا۔ سوائے ندامت زدہ تاثرات کے سر جھکائے ملامت سہنے کے۔ میڈم کا موڈ خراب ہوتا تو یونہی سب کی شامت آیا کرتی تھی۔ اس گھر کے سب ملازم جانتے تھے یہ بات۔

''السلام علیکم!''

غصے اور خفگی کی حدتوں سے تپتا چہرہ لئے وہ اندر آئی تو اعصاب جھلس رہے تھے۔ اے سی کی کولنگ بھی دل و دماغ پر سکون کا احساس نہ اتار سکی۔ بیگ کاندھے سے اتار کر اس نے خود کو بستر پر گرایا ہی تھا کہ چھوٹی نے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا اور جھک کر اسکوئش کے جگ کو میز پہ رکھنے لگی۔ علیزے کی نگاہ اس پر گئی تو ماتھے پر لاتعداد تیوریاں چڑھ گئیں۔

''تم آج پھر کالج نہیں گئیں.....؟ اور یہ رجو کدھر ہے جو تم کام کرتی پھر رہی ہو.....؟''

''زارا کو پڑھائی کے اوقات میں کاموں میں الجھے دیکھ کر وہ ہمیشہ یونہی غصے میں بھر جایا کرتی تھی۔ جیسے اس وقت مزاج سوا نیزے پر جا پہنچا تھا۔

''آج مام نے کہہ کر چھٹی کروائی تھی آپی.....! رجو کچن میں ہے۔ بٹلر کی آج چھٹی تھی اسی لئے کھانا بھی بیچاری رجو کو بنانا پڑا۔ میں اس کی ہیلپ کر رہی تھی۔ آپ کو آتے دیکھا تو پہلے سے تیار کیا ہوا اسکوائش لے آئی۔ پسند ہے نا آپ کو.....''

زارا نے اپنے تئیں اسے خوش کرنا چاہا۔ مگر یہ کوشش اتنی سہل نہ تھی۔ اس کے ماتھے کے بل کھلنے کے بجائے مزید بڑھ گئے۔

''بٹلر کہاں دفع ہو گیا ہے.....؟ ہر تیسرے دن چھٹی کی سوجھی ہوتی ہے۔''

''جھک کر جوتے اتارتی وہ کچھ اور بھی برہم کچھ اور زیادہ مشتعل نظر آنے لگی۔ زارا کو ذرا سا ملال ہوا تھا اس کے الفاظ کے انتخاب پر جبھی نظروں سے تاسف چھلکنے لگے۔

''اس کا بیٹا بیمار ہے آپی! اتنی پریشانی میں گیا ہے۔ بچہ ہاسپلائزڈ کرنا پڑا۔''

Pakistanipoint.com Waqar Azeem

زارا آہستگی سے بتا رہی تھی۔ اس کے تند و تیز لہجے نے اسے کتنی ناگواری بخشی ہے۔ یہ اس کے صبیح چہرے پر موجود خفیف سی سرخی نے بتلا دیا تھا۔ مگر علیزے خاطر میں لانے والی کہاں تھی۔ وہ تو شاید زارا کی اس بات سے متفق نہیں تھی کہ ملازم بھی عزت کے قابل ہوتے ہیں۔ وہ ملازموں کو ہمیشہ کمتر درجے کی مخلوق سمجھتی تھی۔ جبھی ان کیلئے اس کا لہجہ و انداز کسی قدر ہتک آمیز ہوا کرتا۔

''میں نے پوچھا تھا کہ تم یہ کون سی افتاد ٹوٹ پڑی کر کہ کالج نہیں گئیں.....؟''

''جوتے یہاں وہاں پھینک کر اب وہ ایک کے بعد دوسرا اسکوائش کا گلاس خالی کر چکی تھی۔ مگر دماغ کی گرمی جیسے ہنوز سوا نیزے پر تھی' زارا نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''مام نے چھٹی کروائی تھی نا بجو.....! بھا مام کو ساتھ لے کر گئے ہیں۔ سیما بھابی کی طرف پروپوزل لے کر بھائی زارا کی فراہم کردہ اطلاع نے اس کا دماغ بالکل سن کر ڈالا۔ اعصاب یکلخت شل ہوئے تھے۔ کتنی دیر وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں ہو سکی۔ اس پروپوزل کا مطلب تھا ہار..... یقینی ہار..... وہ اس ہار کو کیسے تسلیم کر لیتی۔ اس کا دل ویران ہوا جاتا تھا۔

☆☆☆

''آخر اس میں حرج ہے ہی کیا ممی.....!''

بروسٹ کا پیس بہت نفاست سے چھری کی مدد سے کاٹ کر کانٹے میں پھنسا کر اس نے منہ میں منتقل کرتے ہوئے ٹھنک کر کہا۔ وہ ناز و نعم میں پلی تھی۔ اکلوتی اولاد ہونے کے باعث آج تلک ہر بات منوائی تھی۔ جائز ناجائز بھی۔ بہت اعلیٰ ذوق رکھتی تھی۔ کسی حد تک مغرور اور خود پسند بھی تھی۔ وہ خوبصورت تھی بلکہ بے حد خوبصورت تھی۔ جبھی ہر جگہ توصیف اور ستائش سے بھی نوازی جاتی۔ وہ سمجھتی تھی یہ تعریف وصول کرنا اس کی دلکشی و دلربائی کا حق تھا۔ یہ اس کا قطعاً ذاتی خیال تھا۔ مغرور اور بے نیاز تھی۔ جبھی اپنے آگے کسی کو نہ گردانتی..... اب بھی نہیں گردانا۔ یہاں تلک کہ علیزے کی بات کو بھی اہمیت نہیں دی۔ اس کی خفگی کی مطلق پروا نہ کی۔ معاملہ شانزے کا تھا۔ شانزے کا..... جو اس کے عشق میں مبتلا ہو گئی تھی اور کچھ اس طرح سے اس پر فدا ہوئی تھی کہ پھر اس کے عشق کا تھوڑا اثر سہی مگر اس کے اندر بھی منتقل ہو گیا تھا۔ شانزے پر یقین تھی۔ یہ اس کی دعا کا اثر تھا۔ جو قبولیت کی سند پا گئی تھی۔ ان کی ملاقات کالج میں ہوئی تھی۔ دو سال شانزے اکیلی اس پر جان دیتی رہی۔ شانزے کا تعلق ایک جاگیر دار گھرانے سے تھا۔ جبھی وہ روایتوں کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس کے برعکس صلہ مشہور و معروف صنعتکار کی بیٹی تھی۔ وہ صرف ایک ہی اولاد تھی اپنے والدین کی۔ ڈیڈی صلہ کو ہائر اسٹڈی کیلئے بیرون ملک بھیجنا چاہتے تھے مگر وہ عجیب ضد لگا کر بیٹھ گئی۔

ہاسٹل میں شانزے کے ساتھ رہنے کے ضد.....

جسے کم زکم مام نے بالکل پسند نہیں کیا تھا۔ ایک عام سی لڑکی شانزے کی خاطر اپنی مجاجوں والی بیٹی کا یوں دیوانہ ہو جانا انہیں بالکل اچھا نہیں لگ سکا۔ بالکل بھی ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ جبھی اس کی فرمائش کو سنتے ہی ان

کو بہت شدید غصہ آنے لگا۔

''حرج کیوں نہیں ہے.....؟ یہ ہمارا اسٹینڈرڈ نہیں ہے صلہ! کسی بھی لحاظ سے نہیں۔ یہ بات تمہیں بہرحال فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ تمہارے متعلق ہمارے خواب بہت اونچے ہیں۔ تم اپنا برائٹ فیوچر اگنور کر کے ایک معمولی لڑکی کی خاطر دو سال ہاسٹل میں سڑنا چاہتی ہو.....؟ نیور.....تمہارا اگر دماغ خراب ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہم بھی پاگل ہو جائیں۔''

ان کے لہجے میں واضح ناگواری تھی۔ یہ بات انہیں اس درجہ برہم کر چکی تھی کہ ہاتھ میں موجود اپنے پسندیدہ جوس کا گلاس انہوں نے زوردار آواز کے ساتھ میز پر دھر دیا تھا۔ مگر ان کے سامنے یہاں ان کی بیٹی تھی۔ جو ضد نخوت اور انا میں ان کے سے کئی گنا آگے رہا کرتی تھی۔ اس وقت بھی ان کے برہم انداز کے جواب میں اس کے چہرے سے تنفر اور تلخی کے ساتھ استغنیٰ چھلکنے لگا۔

''وہ معمولی لڑکی آپ کی بیٹی کی بیسٹ فرینڈ ہے ممی! اس کے اہم اور خاص ہونے کیلئے یہی ایک دلیل کافی نہیں ہے کیا.....؟''

اس نے سرد آواز میں اپنی بات مکمل کی۔ پھر نگاہ کا زاویہ بدل کر ڈیڈ کی جانب دیکھا اور اسی مضبوطی سے مزید گویا ہوئی تھی۔

''میں فی الحال ہاسٹل جاؤں گی۔ یہ طے ہے۔ ہاں بعد میں اگر ممی چاہیں تو یو کے بھی چلی جاؤں گی مگر فی الحال ہاسٹل.....''

اس کا انداز قطعی تھا۔ دوٹوک تھا۔ مہر زدہ قسم کا۔ س کے بعد قطعی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اپنی بات کہہ کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر چلی گئی۔ مما نے طیش زدہ انداز میں ڈیڈ کو دیکھا تو نگاہوں میں شکوہ و شکایت کے ساتھ نمی کا بھی احساس تھا۔ بے بسی کا بھی۔ گویا ان سے صلہ کے رویئے کا احتجاج کر رہی ہوں۔

''کر لینے دو شوق پورا' کہہ رہی ہے نا بعد میں چلی جائے گی یو کے.....''

ڈیڈ نے محض تسلی سے ہی نوازا تھا۔ ممی ہونٹ بھینچ گئیں۔ یعنی طے ہوا تھا کہ اس کے سامنے پھر وہی ہاری تھیں۔ جیسے ہمیشہ ہارتی آئی تھیں۔

☆☆☆

بھائی یعنی اسد احمد شیرازی ان دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ پانچ سال قبل ایم بی اے کی ڈگری لینے کے بعد اس نے والد مرحوم کا بزنس سنبھالا جسے چھ سال سے منیجر سنبھال رہا تھا۔ اکرم صاحب کی وفات چھ سال پہلے ہارٹ اٹیک میں ہوئی تھی۔ تب تینوں بچے زیر تعلیم تھے۔ اسد ایم بی اے کے آخری سال میں علیزے نائنتھ جبکہ زارا محض ساتویں جماعت میں تھی۔ علینہ بیگم بیوگی کی چادر اوڑھ کر بیٹھیں تو بچوں کے سر پر کسی بھی رشتہ دار نے دست شفقت نہیں رکھا کہ کہیں ان کی بیٹیوں کیلئے ان کے بیٹوں کے رشتے کا نہ کہہ دیا جائے۔ گو کہ علینہ بیگم حیثیت و مرتبے میں کم نہ تھیں۔ مگر رشتہ دار تو حیثیت میں ان سے بھی کہیں آگے تھے اور آج کل جیسے ہر کسی کی

خواہش ہوتی ہے اپنے سے اوپر دیکھنے کی تو وہ بھی اپنی اولاد کیلئے ایسے ہی خواب دیکھتے تھے۔ علینہ بیگم کو ناچار منیجر کے ہاتھ میں سارا کاروبار دینا پڑا۔ اسد تعلیم کے ساتھ کبھی کبھار آفس کا بھی چکر لگا لیتا تھا۔ کچھ منیجر بھی خدا خوف انسان تھا۔ یوں جیسے تیسے یہ کڑا وقت نکل گیا تھا۔ زندگی بہت زیادہ پرسکون نہ سہی مگر مطمئن ضرور تھی۔ مگر یہ اطمینان اس وقت جاتا رہا۔ جب اسد کو اپنے ہی آفس کی ایک ورکر پسند آ گئی۔ وہ کئی گزری سیما کی اداؤں کے جال میں ایسا پھنسا کہ شادی کیلئے اتاؤلا ہونے لگا۔ علینہ بیگم کو سیما کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی۔ تو وجہ اس کی شکل وصورت اور بیگ گراؤنڈ کا گیا گزرا ہونا ہی نہیں تھا۔ وہ انہیں اسد سے بہت بڑی بھی لگی تھی۔ اس کے علاوہ وہ سیما سے ایک بار ہی مل کر بھانپ گئی تھیں۔ سیما کس قماش کی عورت ہے۔ اپنی اداؤں سے بلاتفریق ہر مرد کو جال میں پھانس لینے والی ہلکے کردار کی لڑکی کو وہ بطور بہو قبول نہیں کر سکتی تھیں۔ مگر اسد کو سمجھانا بے سود جاتا رہا۔ وہ پوری طرح سیما کے جال میں پھنسا ہوا تھا۔ اسے سیما کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ علینہ بیگم جتنی بھی پریشان اور دل گرفتہ سہی مگر اس وقت بے بس ہو گئیں تھیں۔ جب اسد نے ان کے راضی نہ ہونے کی صورت میں خود سے شادی کرنے کی آخری بات سنائی۔

علینہ بیگم کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اولاد خاص کر بیٹوں پر کیسا مان اور زعم..... وہ بھی اس صورت جب ان کا شوہر بھی سلامت نہیں تھا اور گھر کے ساتھ سارا کاروبار بھی بیٹے کے ہاتھ میں تھا۔ اسے خفا کر کے وہ بھلا کہاں جاتیں۔ جبھی اس کی مان لی تھی اور علیزے کے علم میں لائے بغیر محض زارا کو بتلا کر اسد کے ہمراہ پروپوزل لے کر چلی گئی تھیں۔ وہاں انکار کس کو تھا۔ پہلے ہی مرحلے میں ہاں کر دی گئی۔ مگر اعصاب شکن مرحلہ تب شروع ہوا جب رشتہ طے کرنے کے بعد ان شاطر ماں بیٹی نے اپنی کڑی شرط ان کے سامنے رکھی۔ جسے سن کر علینہ بیگم صحیح معنوں میں دل تھام کر بیٹھ گئی تھیں۔ وہ ہرگز ہرگز وٹہ سٹہ نہیں چاہتی تھیں۔ ارے بدلے کی شادی تو وہ اپنے ہم پلہ لوگوں میں نہ کرتیں۔ چاہے کتنا اچھا رشتہ کیوں نہ ہوتا۔ یہاں تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ جبھی انہوں نے صاف صاف انکار کر ڈالا تھا۔ مگر ادھر اس صاف انکار کو سیما کے گھر والوں نے اپنی توہین سے تعبیر کیا اور خود بھی رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ ایسا یقیناً اپنا مضبوط کھونٹا دیکھ کر کسی زعم میں کیا گیا تھا اور یہ زعم ہرگز غلط نہیں تھا کہ اسد تو ہر صورت سیما کو اپنانے کا خواہش مند تھا اور یوں پاگل ہوا جاتا تھا۔ جیسے اس کے بغیر سچ مچ مر جائے گا۔ علینہ بیگم سے بھی اس موضوع پر اس کی متعدد بار تکرار ہو چکی تھی۔ صاف لگتا تھا اس کے منہ میں اپنی نہیں سیما کی زبان بول رہی ہے۔ ایک زبردست جھگڑے کے بعد جب اسد نے انہیں اپنے موقف پر ڈٹے پا کر خودکشی تک کی کوشش کر ڈالی تب علینہ بیگم کا حوصلہ اور ضبط پارہ پارہ ہو گیا۔ بیٹیوں کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے چکر میں وہ بیٹے کو کھونے جا رہی تھیں۔ یہی خوف انہیں اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر گیا تھا۔ اس میں کیا شک تھا کہ شوہر کے بعد اب ان کے خاندان میں ایک وہی مرد بچا تھا۔ بیٹے کی حیثیت سے تو وہ انہیں عزیز تھا ہی ایک نگران اور سرپرست کی حیثیت سے بھی وہ انہیں بے حد مطلوب تھا۔ ناچاہتے ہوئے ہی سہی انہیں بیٹے کو خوش کرنے کو دل پر پتھر رکھنا پڑا۔ تو اندر سے جیسے ڈھے رہی تھیں۔ اسد ان کے مان جانے پر بھی راضی نظر نہیں آتا تھا۔

''اچھا فیصلہ ہے آپ کا..... ورنہ میرا تو کچھ نہیں بگڑنا تھا۔ نقصان آپ کو اٹھانا پڑتا۔ دو دو جوان بیٹیوں کے ساتھ ایک بیوہ عورت کا اس سفاک معاشرے میں تنہا زندگی گزارنا۔ اتنا بھی آسان نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے اور آپ ایسا نہیں کر سکتیں..... ظاہر ہے آپ کو اکلوتے بیٹے سے بیٹیاں جو عزیز تر ہیں۔''

علینہ بیگم بس اسے دیکھتیں رہ گئیں۔ وہ اتنی آنکھیں پھیر چکا تھا کہ اسے ان کی قربانی ان کا ضبط نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ خود کو ابھی بھی حق بجانب سمجھتا تھا بلکہ مظلوم گردان رہا تھا۔ ایسا کیونکر ہوتا ہے۔ ایک انجان بیگانی عورت اتنی جلدی اپنے اتنے سگے اور قیمتی رشتوں سے کیسے بدگمان کر سکتی ہے۔ کیسے محبت نوچ سکتی ہے دلوں سے.....؟ وہ بس سوچتی رہیں اور آنسو پیتی رہیں۔

بھلا کس انداز سے لگتا تھا کہ ان کا یہ وہی کیئرنگ اور لونگ بیٹا ہے۔ جو ان کے آنسوؤں پر تڑپ اٹھا کرتا تھا۔ آج اپنی معمولی خواہش کی خاطر کتنی سفاکی سے نظریں پھیر لی تھیں۔

''دو دو بیٹیاں ہیں آپ کی..... دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اس کمپرومائز کیلئے آمادہ نہیں کر سکتیں تو میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ کو مجھ سے محبت بھی ہو گی۔''

وہ بے لحاظ تھا۔ بدگمان تھا؟ یہ بدگمانی و بے لحاظی کہاں سے اور کیسے اس کے اندر بھری تھی۔ جانتی تھیں۔ کتنی آسانی سے وہ لفظ قربانی کو جبر کو کمپرومائز کہہ رہا تھا۔ یہ کمپرومائز وہ آخر خود کیوں نہ کر سکا.....؟

ایسے لوگوں میں بیٹی دینا گویا اپنے ہاتھوں سے اسے کنویں میں دھکیلنا تھا۔ اتنے ہی کم ظرف منافق اور تھرڈ لے لوگ تھے وہ..... لیکن وہ سمجھتا تب تھا ناں۔

حالات ناموافق ہوں یا واقعات ناخوشگوار انسان کی جھولی میں جبر اور سمجھوتے ہی ڈالتے ہیں۔ بے بسی ہی نصیب کیا کرتے ہیں۔ وہ بھی بے بس ہو گئی تھیں جبکہ اسد ان کے آنسو کو دیکھ کر چڑ گیا تھا۔

''اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہے ان کا لڑکا! پڑھا لکھا ہے۔ گورنمنٹ کے ادارے میں اچھی پوسٹ پر ہے۔ شکل صورت بھی اچھی ہے اور کیا چاہئے۔ تصویر دکھائی تو ہے آپ کو.....''

وہ بدمزاجی سے کہہ رہا تھا۔ علینہ بیگم نے چادر کے پلو سے آنکھوں کی نمی پونچھی۔

''کچھ نہیں چاہئے بیٹے! بس آپ انہیں عندیہ دے دو۔''

انہوں نے بھیگی بھرائی آواز میں کہا تو اسد اور بھی برہم ہو گیا۔

''ایسے کیسے عندیہ دے دوں.....؟ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ سب کے سامنے اپنی مرضی دینی ہو گی۔ مگر ہنسی خوشی۔ ایسے ماتمی چہرے کے ساتھ نہیں۔ خوشی کے کام خوشی سے کرنا سیکھیں۔''

وہ نخوت سے کہتا باہر نکل گیا۔ علینہ بیگم باقاعدہ آنسو بہانے لگیں۔ ان کے دل پر بہت بوجھ تھا۔ وہ خود ہی گھلتی رہی تھیں۔ بیٹیوں کو اس معاملے کی ہوا نہیں لگنے دی۔ مگر کب تک.....؟ یہ پہاڑ تو گرانا تھا سر پہ ان کے..... آخر اسی پہاڑ کے نیچے تو دینا تھا کہ کسی ایک کو۔

☆☆☆

''آج ہم کالج سے واپسی پر سپر مارکیٹ چلیں گے۔''

کلاس بنک کئے دونوں کینٹین میں بیٹھی تھیں۔ صلہ کے ہاتھ میں چیز برگر تھا۔ ساتھ میں پیسی کا ٹن پیک' شانزے بھی یہی کھا رہی تھی۔ اسے ہمیشہ ہی صلہ کو فالو کرنا اچھا لگتا تھا۔

''مارکیٹ.....؟ اب کیا لینا ہے؟ ابھی کچھ دن پہلے تو بازار گئے تھے ناں یار.....!''

مارکیٹ کا سنتے ہی شانزے جز بز ہونے لگی۔ جبھی صلہ نے اسے گھورنا فرض سمجھا۔

''خبردار جو انکار کیا ہو جانے سے..... میرے کزن کی شادی ہے۔ مجھے اپنے لہنگے کے ساتھ میچنگ جوتے چاہئیں۔ جیولری بھی لے لوں گی اور تم کیوں ڈر رہی ہو.....؟ تمہارا وہ کھڑوس منگیتر ہر روز یہاں شہر کے وزٹ کو نہیں نکلا ہوتا جو باہر جانے کا سنتے ہی تمہاری جان نکلنے لگتی ہے۔''

وہ اسے بلا جھجک جھاڑنے لگی۔ شانزے کی کیا مجال تھی۔ برا مان جاتی۔ منمنا کر کہا تو بس اتنا۔

''یار..... وہ پچھلی بار بھی انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔''

''ہاں تو.....؟ کہا تو نہیں تھا ناں کچھ..... الٹا تمہیں چائے پلوانے اور آئس کریم کھلوانے کی آفرز دے رہا تھا۔ ویسے بڑی جھوٹی ہے تو شانزے قسم سے..... ہمیشہ تو تو اس کی بے حسی لاتعلقی اور بے نیازی کے رونے روتی رہی ہے اور تب تو وہ کہیں سے بھی.....''

بات ادھوری چھوڑ کر وہ اسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگی تو شانزے چھپی تھی۔

''رئیلی..... قسم سے یار.....! اس دن تو ان کے یکسر بدلے ہوئے انداز نے مجھے بھی کچھ کم حیران نہیں کیا۔ وہ تو وہاں حویلی میں بھی سامنا ہونے پر مجھ سے بات نہیں کرتے تھے کجا.....''

شانزے کے لہجے میں حیرت و غیر یقینی کا عنصر واضح نمایاں تھا۔ مگر صلہ نے بے اختیار پھر ڈانٹ دیا۔

''اچھا اچھا بس..... ہوتی ہے کچھ لوگوں کو عادت خوامخواہ بننے کی۔ اچھی بھلی خوبصورت ہو تم..... جبکہ وہ خود کیا ہے جو اتنی بے نیازی برتتا ہے.....؟ اونہہ اجڈ۔ دیہاتی۔ میں تو ابھی کہتی ہوں صاف انکار کر دو اس شادی سے۔''

صلہ کے پاس ایسے مفت کے مشورے وافر مقدار میں موجود ہوا کرتے تھے۔ جن سے وہ شانزے کو ہی مستفید کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس وقت شانزے ضرور تڑپ سی گئی تھی۔

''ایسے تو مت کہو نا صلہ.....! ہمارے ہی نہیں آس پاس کے گاؤں کی بھی سب لڑکیاں سکول کے زمانے سے ہی محترم پہ مرتی تھیں۔ وہ تو میں تھی جس نے انہیں دھمکا کر باز رکھا ہوا تھا کہ خبردار..... یہ صاحب تمہارے نہیں صرف میرے ہیں یا میں جس کے چاہوں ساتھ اس کے ہو سکتے ہیں۔''

شانزے شرارت نما سنجیدگی سے گویا تھی۔ صلہ نے تمسخرانہ انداز میں سر جھٹکا۔ اسے یاد تھا۔ شانزے سے دوستی کو زیادہ عرصہ نہیں بیتا تھا۔ تب اس کی پہلی بار بالکل اتفاقیہ منیب چودھری سے ملاقات ہو گئی تھی۔ وہ شانزے سے نوٹس لینے ہاسٹل آئی تھی۔ اس کیلئے نوٹس ہمیشہ شانزے ہی بنایا کرتی۔ اس دن شانزے کالج آتے

نوٹس کی فائل لانا بھول گئی تھی صلہ کو اس کے ہمراہ ہاسٹل آنا پڑا۔ کھڑے کھڑے نوٹس کی فائل لے کر وہ واپس آرہی تھی کہ اسے کچھ دیر بیٹھنے اور چائے پہ اصرار کرتی شانزے بھی بے خیالی میں سہی مگر اس کے ساتھ ساتھ گیٹ تلک آ گئی تھی۔ حالانکہ اسے گیٹ پر خوامخواہ آنے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر شانزے کو پہلے ٹھٹکتے پھر بوکھلاہٹ کا شکار ہوتے پا کر صلہ حیرانی میں گھر کر رہ گئی تھی۔

''کیا ہوا بھئی.....؟ جنگل میں شیر دیکھ لیا کیا.....؟''

اس نے اپنے تئیں مذاق اڑایا۔ شانزے کی فق رنگت اسے شرارت پر اکسا رہی تھی۔ اسے عادت تھی۔ معمولی باتوں پر بھی حد سے زیادہ گھبرا جانے کی جبکہ صلہ اس کی ان حرکتوں سے صرف عاجز نہیں نالاں بھی تھی۔

''یہی سمجھ لو..... شیر بھی خونخوار..... سامنے منیب کھڑے ہیں۔ اب یقیناً میری خیر نہیں ہے صلہ! انہیں یوں میرا بے مہار باہر آجانا آپے سے باہر کر سکتا ہے۔''

وہ واقعی گھبراہٹ و اضطراب کا شکار تھی۔ دوپٹے کو اضطرابی کیفیت کے زیر اثر کھینچ کر پیشانی تک لاتے وہ سرتاپا لرز رہی تھی۔ منیب کے دیکھ لئے جانے کے باعث وہ منظر سے غائب ہونے کی صلاحیت بھی کھو بیٹھی تھی۔ البتہ خوف سے رنگت ضرور فق تھی۔ وہ کہاں یقین کرے گا کہ یہ بے احتیاطی پہلی مرتبہ ہوئی اور قدرے غیر شعوری عمل ہے۔ صلہ کو اس کی یہی گھبراہٹ غصہ میں مبتلا کر گئی تھی۔ مردوں سے ایسے ڈرنے والی عورتوں سے اسے اس وجہ سے بھی طیش آیا کرتا تھا کہ انہیں ہٹلر بنانے میں اس کے خیال میں شانزے جیسی خواتین کا ہاتھ زیادہ تھا۔ امڈتے طیش کو دبائے بغیر اس نے گردن موڑ کر تند نظروں سے گیٹ کے پار دیکھا۔ ہاسٹل کے آگے سبزے کی باڑ تھی۔ کچھ فاصلے پہ بلیک پجارو کے کھلے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا کھڑاتے لباس میں ملبوس بڑی بڑی مونچھوں والا دراز قد نوجوان جتنا بھی بارعب سہی مگر اسے متاثر و خائف کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کی بڑی بڑی کشادہ آنکھوں سے چھلکتی یقیناً غصے کی ہی سرخی تھی۔ اونچا پورا مضبوط ڈیل ڈول دیہاتی سا..... وہ شانزے کے منگیتر کی حیثیت سے صلہ کو ایک آنکھ بھی نہیں بھا سکا۔

حالانکہ اس سے قبل وہ شانزے کے پاس منیب چودھری کی تصاویر بھی دیکھ چکی تھی۔ تب بھی اس نے ناک بھوں ہی چڑھائی تھی اور بلا جھجک اسے منگنی ختم کرنے کا بھی مشورہ دے چکی تھی۔

''ہمارے ہاں اس طرح نہیں ہوتا ہے صلہ! اگر بالفرض میں منیب کو پسند نہ آتی اور وہ مجھ سے شادی نہ کرتے تب بھی مجھے عمر بھر انہی کے نام پہ بیٹھنا تھا۔''

اس بات کے جواب میں صلہ کو شدید ذہنی دھچکا لگا تھا۔ ان کی روایات کی سفاکیت پر بے حد تنقید کرتے ہوئے اس نے شانزے کو بھی خاصا جھاڑا تھا کہ اس جیسی ڈرپوک اور بزدل لڑکیاں ہی ہوتی ہیں جو پڑھ لکھ کر بھی اپنے حقوق کے تحفظ کی بجائے ظلم سہے جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ صلہ کو خود بھی یہ سب باتیں یاد تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اتفاقی ٹکراؤ کو غنیمت جانتے وہ منیب سے الجھنے بلکہ اسے کھری کھری سنانے کو مچل گئی اور خوامخواہ اس سے پنگا لے بیٹھی تھی۔ شانزے کے منع کرنے روکنے کی پرواہ کئے بنا وہ تلملاتی ہوئی منیب کی جانب

بڑھ آئی تھی۔

''تو آپ ہیں شانزے کے منگیتر.....؟''

وہ اس کے روبرو ڈٹ کے کھڑی ہوئی تو تنفر سے سوال کر لیا تھا۔ انداز میں ناگواری و تمسخر کے ساتھ اپنی ذات کا زعم تکبر اور ازلی اعتماد بھی شامل تھا۔ یہ اعتماد ایسا قابل دید تھا کہ مقابل کے چھکے چھڑانے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا۔ مگر شاید وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا تھی۔ اس بار مقابل کوئی عام نہیں۔

خودغرض

انا پرست

متکبر

اکھڑ اور ضدی چوہدری تھا۔ اس متنفرانہ انداز پر منیب چوہدری نے چونک کر اسے دیکھا تو بھنویں از خود سکڑتی چلی گئیں۔ وہ اسے ہنوز سرتاپا تک رہا تھا۔ تو وجہ یہ مداخلت تھی۔ جس کی ہمت آج تلک کسی کو نہ ہوئی تھی۔ جس کی جرأت وہ کر چکی تھی۔

بے حد طرحدار لڑکی۔ جس کے بال بہت خوبصورت انداز میں کٹے ہوئے تھے۔ جس کا حسن ٹھٹکا دینے کی صلاحیت سے بھرپور تھا۔ بے تحاشا حسین اور سبک نقوش۔

پورے چہرے پر گویا حکمرانی کرتی ہوئی آنکھیں۔

اور اس کی نظریں..... ایک مرد کی نظریں تھیں۔ جن میں کوئی آڑ نہیں ہوتی، کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔

''ہاں..... آپ کو کوئی اعتراض ہے.....؟''

''وہ بولا تو اس کے دبنگ لہجے میں مخصوص قسم کی رعونت اور بے نیازی تھی۔ مگر صلہ کہاں خاطر میں لاتی تھی۔ نہ ایسے لہجے نہ ایسی نظریں۔ اس کا اعتماد ہی ایسا تھا۔ جبھی اس نے بے نیازی سے کاندھے جھٹک دیئے اور نخوت سے مسکرانے لگی۔

''اگر میں کہوں اعتراض ہے۔ تو کیا آپ شانزے سے اپنا تعلق ختم کر دیں گے.....؟''

وہ بنا سوچے سمجھے بولنے کی عادی تھی اور آج تلک اس نے کبھی اس عادت کی وجہ سے نقصان نہیں اٹھایا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں وقت ہمیشہ ایک جیسا ہی رہے۔ اس سوال نے مخالف کو صرف ٹھٹھکایا نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں بھی دہکا کر رکھ دیں۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔ عورت اگر اپنے دائرے سے باہر نکلے تو پھر ہر صورت نقصان اس کی جھولی میں آن کر گرتا ہے۔ منیب کے جواب نے یہی جتلایا تھا۔

''تو میں کہوں گا نہیں..... صرف یہی نہیں..... بلکہ میں اس گستاخی کے جواب میں آپ سے بھی شادی کروں گا اور آپ کو اعتراض کا بھی حق نہیں دوں گا۔''

جواب تھا کہ طمانچہ.....

صلہ تو جیسے ہل کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں اس عزت افزائی نے لہو سا بھر دیا۔ بھلا اس کی حیثیت

کے باعث کس کو ہمت ہوئی تھی۔ ایسی جرأت بھری گستاخی کی۔

''شٹ یور ماؤتھ..... مسٹر منیب! تم ہو کیا چیز.....؟ کبھی آئینے میں صورت دیکھی ہے اپنی.....؟''

وہ پھٹ پڑی تھی اور لڑنے مرنے کو تیار تھی۔ چہرہ جل رہا تھا اور مٹھیاں بھینچی ہوئی۔ اس کے برعکس شانزے جو کچھ دیر قبل ہی پہنچی تھی۔ دونوں کے خوفناک تاثرات کو دیکھ کر خطرہ محسوس کرتے منیب کی آخری بات اور صلہ کا جواب اور ردعمل ہی دیکھ سکی۔ جبھی وہ ہراساں بھی تھی اور متوحش بھی بڑی مشکل سے وہ صلہ کو کھینچ کھانچ کر وہاں سے بے جانے میں کامیاب ہوئی اور گھٹنوں کے حساب سے منت ترلوں میں وقت ضائع کر کے اسے منایا تھا۔

''جاہل

ال منیرڈ

گھٹیا انسان..... اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے آخر.....؟''

وہ سلگتی اور چیختی رہی تھی۔ شانزے نے ہونٹ کچلے۔ صلہ کی خفگی اس کی جان پہ بنا رہی تھی۔

''تمہیں انہیں کچھ کہنا ہی نہیں چاہئے تھا صلہ!''

شانزے کے چہرے پر بے بسی اور بے چارگی تھی۔ ابھی منیب سے اسے جانے کیا کچھ سننا اور سہنا تھا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو..... مجھے اس منحوس کے منہ نہیں لگنا چاہئے تھا۔ واہیات پینڈو۔''

غصے میں کہتی صلہ نے تو وہاں معاملہ ختم کر دیا مگر منیب چوہدری نہیں کر سکا۔ صلہ تو اس بات کو بھول بھی گئی۔ مگر منیب چوہدری نے نہیں بھلایا اور اس بات کا اندازہ صلہ کو بہت بعد میں جا کر ہو سکا تھا۔

☆☆☆

''آ گئیں ہیں آپ.....''

علینہ بیگم کے انتظار میں وہ لاؤنج میں بیٹھی تھی اور ان کے اقدام پہ شدید خفا تھی۔ زارا کے ذریعے اسد کے سسرالیوں کی شرط اس تک بھی پہنچ چکی تھی۔ جو صرف خوف میں مبتلا کرنے دینے والی نہیں تھی۔ ہتھے سے بھی اکھاڑ کر رکھ گئی تھی۔ وہ اس جرأت پہ انگشت بدنداں تھی۔ خائف تھی۔

''زارا.....! رجو سے کہو مجھے پانی پلائے بیٹے!''

چادر اتار کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتیں وہ شکل سے ہی تھکی ہوئی پژمردہ لگ رہی تھیں۔ زارا رجو کو بلانے کی بجائے خود پانی لینے بھاگ گئی۔

''آخر آپ کیوں گئی تھیں اب وہاں مام.....!''

ان کی خاموشی اسے خار بن کر چبھی۔ یہ مصالحت یہ شکست خوردہ انداز تو واضح گواہی دیتا تھا انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ خوف اسے جکڑنے سا لگا۔ وہ پھر چپ تھیں۔ یہاں تک کہ زارا پانی لے آئی۔ انہوں

نے گلاس پکڑ کر ایک ہی سانس میں پورا خالی کر دیا۔

''اور لاؤں ماما.....!''

زارا نے حیرانی سے ماں کو دیکھا جو معمول سے زیادہ بے کل اور مضطرب نظر آتی تھیں۔

''میں مجبور تھی بیٹے! ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں بچا..... اسد کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے ہم میں.....''

وہ نظریں چرا رہی تھیں۔ علیزے گنگ رہ گئی۔ اس نے بے ساختہ تڑپ کر ان کی شکل دیکھی۔ وہ اب بھی نظریں چار نہیں کر رہی تھیں۔ علیزے کے اندر بھونچال سا اٹھ کھڑا ہوا۔ غضب کی مزاحمت اور اضطراب کے ساتھ دکھ بھی اندر اترا تھا۔ وہ آنکھوں میں نمی لئے انہیں بھونچکی سی دیکھتی رہی۔

''مجھے معاف کرو میری بچیو.....! میں مجرم ہوں تمہاری کہ میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں بچا تھا۔ ہر کمزور ماں کی طرح میں نے بھی اولاد مین سے بیٹے کا انتخاب کیا ہے۔''

وہ بول رہی تھیں۔ وہ رو رہی تھیں۔ علیزے سناٹوں کی زد پر تھی۔ حق دق انہیں تکتی ہوئی۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں خوف بھی تھا۔ غیر یقینی بھی.....

سر کے اوپر آسمان نہیں تھا اور پاؤں کے نیچے زمین نہ رہی تھی۔ وہ بولنے حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں تھی جیسے۔

''آج میں لڑکے سے ملی ہوں۔ والدہ اور بہن سے یکسر مختلف لگا مجھے..... کچھ ذھارس ملی ہے۔''

وہ مزید کہہ رہی تھیں۔ علیزے نے سنسناتے ذہن کے ساتھ زارا کو دیکھا۔ وہ نارمل تھی۔

پتا نہیں اس کا ضبط کمال تھا یا وہ پہلے سے باخبر تھی اور اس قیامت سے گزر چکی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکی۔

''کس کیلئے تجویز کیا ہے یہ مقتل.....؟''

وہ بولی تو اس کی آواز بوجھل تھی۔ بے حد بھاری اور رقت آمیز۔ شدت ضبط اس کی گلابی رنگت کو دہکا کر سرخ کر رہی تھی۔

''وہ لوگ تمہارے لئے کہہ رہے ہیں۔''

انہوں نے نظریں اٹھائے بغیر مجرمانہ انداز میں جواب دیا اور اس کے اندر جیسے بھالا سا اتر گیا۔

''اور آپ مان گئیں.....؟ اس کے باوجود کہ ذیشان مجھ سے شادی کا خواہاں تھا.....؟''

اس نے سرسراتی آواز میں اپنے کزن کا حوالہ دیا۔ جو اسے پسند کرتا تھا۔

''فاروق بھائی کبھی نہیں مانیں گے۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو.....''

علینہ بیگم کا انداز ہارا ہوا تھا۔ وہ بے حد دکھی لگ رہی تھیں۔ علیزے کی آنکھوں میں ہزاروں شکوے مچل اٹھے۔

''تو اس کا مطلب آپ یہ کریں گی میرے ساتھ.....؟

وہ ششدر تھی۔ ہنوز غیر یقین یا پھر سراپا احتجاج۔

''مجھے اندازہ ہے بیٹے کہ آپ کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ مگر اسد.....''

''آپ کو صرف اسد بھائی کے جذبات و احساسات کی پرواہ ہے.....؟ میری نہیں.....؟ ممی کیا..... میں آپ کی اولاد نہیں ہوں.....؟''

اس کا ضبط چھلک گیا تھا بالآخر۔ جبھی بے ساختہ بلک پڑی اور یونہی روتے ہوئے کمرے میں بھاگ گئی۔ علینہ بیگم ساکت بیٹھی رہیں۔ وہ کمرے میں آئی تو فون تسلسل سے بج رہا تھا۔ اسے کہاں ہوش تھی سنتی۔ مگر تسلسل سے بجتی بیل نے جھنجھلا کر سہی اسے فون کی جانب متوجہ کر دیا تھا۔

''ہیلو.....''

کال صلہ کی تھی۔ وہ نظر انداز نہیں کر سکی۔ بولی تو آواز بھرائی ہوئی تھی۔ مگر دوسری جانب صلہ نے آواز کی تبدیلی پر دھیان نہیں دیا۔ الٹا اس پر حسب عادت برس پڑی

''اتنی دیر سے مسلسل ٹرائی کر رہی ہوں۔ کہاں مری ہوئی تھیں.....؟''

''وہ کوفت زدہ لگتی تھی۔''

''کاش مر ہی گئی ہوتی۔ آج معلوب نہ ہونا پڑتا۔''

جواباً ایسی مایوسی' ایسا رنج والم کا اظہار تھا کہ صلہ ٹھٹھک سی گئی تھی۔ اسے بھول گیا کال کیوں کی تھی۔

''لیزے.....!!! خریت ہے.....؟'' وہ بے قرار ہوتی استفسار کرنے لگی اور جواب میں علیزے جو گھر کی باتیں باہر نکالنے اور دوستوں سے بھی شیئر کرنے کی قائل نہیں تھی۔ ایسی جذباتی کیفیت کے زیر اثر تھی کہ اس پر سب کچھ عیاں کرتی چلی گئی۔ جسے سنتی صلہ کو سکتہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

''کون کہتا ہے صلہ ہم ترقی کر گئے ہیں.....؟ ہم تو آج بھی اسی پسماندہ طرز زندگی کو گزار رہے ہیں۔ جہاں عورت کو مرد کی خواہش پر قربان کیا جاتا ہے۔ جہاں قربانی صرف عورت کے حصے میں آتی ہے۔ کیا عورت آج بھی اتنی کمزور نہیں ہے؟''

وہ ایک کے بعد دوسرا سوال کر رہی تھی.....

''تم انکار کر دو۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا.....'' تمہارا بھائی تم لوگوں کو چھوڑ دے گا ناں..... چھوڑ دے.....''

صلہ کا فطری غصہ عود کر آیا تھا۔ وہ واقعی ایسا کوئی تصور نہیں رکھتی تھی۔ علیزے اور اس کی فیملی ہرگز عام طبقے کے افراد نہیں تھے' با حیثیت تھے' اپنے حقوق سے آگاہ' پھر یہ جبر کیوں؟ جو کمزور طبقے کمزور عورت کیلئے مخصوص ہے۔

''میرا انکار ممی کو اور بھی توڑ دے گا صلہ! وہ فیصلہ کر کے بیٹھی ہیں۔ بھائی تو انہیں چھوڑ دے گا۔ اسے فرق نہیں پڑے گا۔ مگر ممی نہیں چھوڑنا چاہتیں۔ وہ نہیں رہ سکیں گے بھائی کے بغیر.....''

کمزور آواز میں وہ حقیقت سے آگاہ کر رہی تھی۔ صلہ کا دماغ گھومنے لگا۔

''یعنی تم سیکری فائز کرو گی.....؟''

وہ حق دق تھی۔ علیزے خاموش رہی۔ بس اس کی سسکیاں گونجتی تھیں۔

''تم کہو تو میں آ کے تمہاری ممی سے بات کروں.....؟''

صلہ کی بات پر علیزے نے فی الفور منع کر ڈالا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کہا نا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ طے کر چکی ہیں۔''

''تم اتنی کمزور کب تھیں علیزے.....!!!''

صلہ کو بہت برا لگا تھا۔ علیزے دکھ بھرے انداز میں ہنس دی۔

''کمزور کوئی بھی نہیں ہوتا ہے صلہ! مگر زندگی میں کچھ مقام ایسے آتے ہیں ہر کسی کی زندگی میں کہ وہ مجبور ہو جاتا ہے۔ رشتے اسے مجبور کر دیتے ہیں۔ انہیں توڑنا بس کی بات نہیں رہتی۔ انہیں جوڑنے کو کچھ نہ کچھ کھونا لازم ٹھہرتا ہے۔ جیسے ممی نے بھائی کا رشتہ بچانے کو مجھے کھویا ہے جیسے میں نے ممی کا رشتہ بچانے کو خود اپنے آپ کو کھونا قبول کر لیا۔ زندگی کا کیا ہے صلہ! گزر ہی جانی ہے۔ اگر کسی کے کام آ جائے تو..... ملال کم ہو جاتے ہیں۔''

وہ جیسے کھوئی کھوئی تھی۔ ایک دم بہت بڑی بڑی ہو گئی۔ صلہ کو ہرگز ہضم نہیں ہو سکی اس کی بات نہ اس کا ہارنا۔

''میں نہیں مانتی..... یہ فلسفہ ہرگز متاثر کن نہیں ہے۔ معذرت کے ساتھ میں تمہیں سراہوں گی بھی نہیں۔ یہ بھی کہوں گی تم خود اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔''

صلہ کا انداز مخصوص تھا۔ دھواں دھار۔ غصیلا' چڑا ہوا مگر دوٹوک۔

''تمہاری بات بھی ٹھیک ہے صلہ! میں دعا کرتی ہوں۔ اللہ تمہیں ایسی آزمائش میں کبھی گرفتار نہ کرے۔ تم بھی دعا کرنا۔''

وہ جیسے پوری طرح ہتھیار پھینک چکی تھی۔ صلہ کو بے تحاشہ غصہ بھی اس لئے آیا تھا کہ لڑے بنا کیوں شکست تسلیم کر رہی تھی۔

''معذرت کے ساتھ علیزے! پہلی بات تو یہ کہ میرے حالات تم جیسے نہیں۔ خدانخواستہ اگر کبھی کسی نے مجھ پر جبر کیا تو میں تمہاری طرح ہرگز ہرگز کسی کا لحاظ نہیں کروں گی۔ زندگی ایک بار ملنی ہے اور میں اسے برباد کرنے کی قائل نہیں ہوں۔''

وہ برا مان گئی تھی۔ علیزے چپ رہی۔ وہ اب چپ ہی رہنا چاہتی تھی۔ حالات نے وار ہی ایسا کیا تھا۔

☆☆☆

منیب چوہدری سے اس کی اگلی ملاقات جو خالصتاً اتفاقی تھی۔ منیب نے اس سے اپنے سابقہ رویئے کی بہت شائستگی سے معذرت کر لی تھی۔ اس بار ان کا ٹکراؤ مارکیٹ میں ہوا تھا۔ وہ شانزے کو زبردستی ساتھ لئے شاپنگ کر رہی تھی۔ جب ایک بوتیک سے نکلتے ہوئے منیب سے تصادم ہو گیا۔ یہ ٹکر اتنی شدید تھی کہ صلہ کی آنکھوں تلے اندھیرے سے چھانے لگے تھے۔ شاپنگ بیگز اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر پیروں میں جا گرے مگر حواس ٹھکانے آتے ہی اسے روبرو پا کر پہچان کے ہی وہ مشتعل نظر آنے لگی۔

''تم.....؟''

وہ آنکھیں نکال کر جیسے غرائی۔ سب سے زیادہ شانزے کو گھبراہٹ ہوئی

''آئی ایم ساری فار ڈیٹ میم! آپ گواہی دیں گی کہ میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ آپ ہی پیچھے دیکھتے آگے بڑھ رہی تھیں۔''

منیب دونوں ہاتھ مفاہمتی و دفاعی انداز میں اٹھائے وضاحت پیش کر رہا تھا۔ پھر خوش اخلاقی کے ریکارڈ توڑتے ہوئے مسکرا کر گویا ہوا تھا۔

''کیسی ہیں آپ.....؟''

اس بدمزاجی کے جواب میں اس کا سامان اٹھا کر بڑے عاجزانہ انداز میں اسے پیش کرتے وہ کتنے رسان سے کہہ رہا تھا۔ صلہ نے اپنے بیگز جھپٹے اور شانزے کا ہاتھ پکڑ کر برہم انداز میں ساتھ گھسیٹ لیا۔ وہ اتنی خفا تھی کہ اس کی بات جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا جبکہ وہ پیچھے لپکا آیا تھا۔

''شانزے.....!'' وہ مسلسل پکار رہا تھا۔

''آپ اپنی ڈیئرسٹ فرینڈ سے میری صلح کروا دیں ناں۔ پلیز۔''

وہ ان کے مقابل آ کر بلکہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور اتنی لجاجت سے بولا کہ شانزے تو گنگ ہونے لگی۔ اس سے بڑھ کر کون جانتا تھا کہ عاجزی و انکساری کبھی بھی منیب چودھری جیسے انسان کے مزاج کا حصہ نہیں رہی تھی۔ البتہ صلہ کے چہرے پر ناگواری کے ساتھ قدرے گنجائش بھی نظر آنے لگی۔

''دیکھئے مسٹر! خوامخواہ چپک جانے والے لوگ مجھے بالکل پسند نہیں۔''

اس نے جتلانا ضروری خیال کیا۔ مگر وہ شرمندہ نہیں ہوا۔

''مگر میری مجبوری ہے۔ آپ سے بگاڑ نہیں سکتا۔''

سر کھجا کر کن اکھیوں سے اسے دیکھتا وہ یکسر بدلے ہوئے انداز میں لہجے میں بے بسی سموتے کہہ رہا تھا۔ صلہ نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا۔

''مجبوری.....؟'' وہ بھی آپ کی.....؟''

اس کا لہجہ سراسر طنزیہ تھا۔ منیب نے جواباً بھرپور قہقہہ لگایا۔

''یار سالی آدھی گھر والی ہوتی ہے ناں..... میں چاہتا ہوں.....''

''مگر میں شانزے کی بہن نہیں جسٹ فرینڈ ہوں۔''

اس نے انگلی اٹھا کر تصحیح کی تو منیب بے پروائی سے کاندھے جھٹکتے معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

''جو بھی ہیں۔ اب میرے لئے بہت اہم ہیں۔''

صلہ نے اس کے الفاظ کی ذومعنویت پر مطلق دھیان نہ دیا اور بات کو مذاق میں ڈال دیا۔

''کون شانزے.....؟''

اس کے انداز میں خفیف سی شرارت تھی۔ بہرحال وہ کسی کو شرمندہ پا کر اس سے منت کروانے اور نیچا دکھانے کو اکڑنے کی ہرگز قائل نہیں تھی۔ مگر بسا اوقات کسی قسم کا لحاظ اور مروت بھی نقصان سے تباہی کا باعث بن جایا کرتی ہے۔ خاص کر صنف مخالف کیلئے برتی گئی مروت اختیار کیا گیا لحاظ مرد کے حوصلے کی تقویت دیتا ہے۔ ہمت کو بڑھاتا ہے۔ مگر ان باریکیوں پر ہر کوئی دھیان نہیں دیتا۔ صلہ بھی نہ دے سکی۔ نہ اس بات کے جواب میں منیب کی آنکھوں میں اتر آنے والی عجیب سی تپش کو محسوس کر سکی۔

''اس سوال کے جواب کو میں پھر کسی خاص وقت کیلئے اٹھا رکھتا ہوں۔''

اس کی مسکراہٹ بھی پراسرار تھی۔ اس کی نظروں کی طرح۔ مگر صلہ نے سمجھا اور جانا ہی نہیں۔ بلکہ کوشش ہی نہیں کی۔ شاید وہ فطرتاً بے پرواہ اور بے نیاز تھی۔ حالانکہ ایک عورت کو ایسی بے پروائی و بے نیازی زیب نہیں دیتی۔ یہ غفلت ہوتی ہے اور غفلت شدید نقصان کا باعث ہی بنا کرتی ہے۔

''چلیں بیگم صاحبہ سے رونمائی کے وقت کہہ دیجئے گا۔''

شانزے پر شریر نظریں جما کر وہ اسی بے پروائی سے ہنسنے لگی۔ مگر منیب کی نظریں اسی پر تھیں۔

''ایگزیکٹلی۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر رکھا۔''

فرمانبرداری کے مظاہرے کو وہ سر تسلیم خم کر چکا تھا۔ یوں وہ تلخی اور چپقلش ختم ہوگئی۔ جس کا آغاز پہلی ملاقات میں ہوا تھا۔ منیب انہیں اپنے ساتھ کافی پینے یا آئسکریم کھانے پر زور ڈالتا رہا تھا۔ مگر صلہ پہ عجلت سوار تھی۔

''ڈیور ہی آپ پر.....اور ہاں.....''

وہ جاتے جاتے رک گئی اور شرارت آمیز شوخی بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مچلتی مسکان کے ساتھ بولی تھی۔

''اگر آپ یہ بھاری بھرکم مونچھیں کٹوا دیں تو یقیناً کچھ بھلے لگیں گے۔''

جاتے جاتے بھی وہ اسے چھیڑنے سے باز نہیں آئی تھی۔ دوستی اور بے تکلفی کیلئے اس کے نزدیک مرد اور عورت کی تخصیص نہیں تھی یا پھر وہ سہیلی کے منگیتر کیلئے اتنی رعایت نکال لیتی تھی۔ بہرحال جو بھی تھا۔ یہ اس کے ماحول کی خرابی ذہن کی خرابی تھی۔ مگر اسلام میں اللہ نے اپنے بندوں مرد و زن دونوں کیلئے کچھ حد بندیاں قائم کی ہیں۔ جنہیں پھلانگنے والے نہ صرف نافرمان کہلاتے ہیں بلکہ قابل گرفت بھی ٹھہرتے ہیں۔ دونوں

جہانوں میں..... دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی.....

☆☆☆

''یونیورسٹی نہ جاؤ آج بیٹے! سیما کے گھر والے آ رہے ہیں کھانے پر.....''

وہ تیار ہو کر آئی تو علینہ بیگم نے دبے ہوئی انداز میں کہا تھا۔ مگر اسے تو جیسے آگ سی لگ گئی۔

''تو سیما کے گھر والوں سے میرا کیا تعلق کہ میں ان کے اعزاز میں گھر بیٹھ جاؤں.....؟''

اس کے بلند لہجے میں غضب کا احتجاج بھی تھا۔ گستاخی اور بدتمیزی بھی۔ علینہ بیگم خائف سی ہو کر رہ گئیں۔ انہوں نے شکر کیا اسد جا چکا تھا۔ ورنہ یہاں اک ہنگامہ ابھی برپا ہو جاتا۔

''تمہیں بتایا تھا بیٹے کہ ہاں کر دی ہے میں نے..... وہ لوگ تم سے ہی ملنے کو آ رہے ہیں۔''

کچھ توقف سے خود کو سنبھال کر انہوں نے بلی تھیلے سے باہر نکال دی۔ علیزے کے سر پر تو جیسے آسمان ٹوٹ پڑا۔

''کیا.....؟''

''وہ کھڑی نہیں رہ سکی تو کرسی کا سہارا لے لیا۔

''مجھ سے پوچھے بغیر آپ نے یہ سب کر لیا.....؟ ماما میں کوئی بھیڑ بکری تو نہیں تھی۔''

وہ روہانسی ہو گئی۔ پتا تو تھا جان بھی گئی تھی۔ مگر قبول کرنے میں ابھی وقت درکار تھا۔ جب کہ یہاں چھری تلے دم نہیں لینے دیا جا رہا تھا۔ رات وہ جتنی بہادر بن کر صلہ سے سب کہہ رہی تھی۔ وہ ہرگز اتنی بہادر نہیں یہ ابھی اسے اپنے بہتے آنسوؤں سے احساس ہوا تھا۔ اس کے آنسو اس کی آواز کا زہریلا پن علینہ بیگم کو شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں اتارنے کا سبب بنا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہیں۔ ضبط کی کوشش میں ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ زارا سے ان کے آنسو نہیں دیکھے گئے۔ کیا شک تھا کہ وہ ان سے بے تحاشہ محبت کرتی تھی۔ شاکی تو تھی اس زیادتی پر مگر ان کی محبت اس کے خلاف بولنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اس وقت بھی اس کی جان پر بن آنے لگی۔

''آپی پلیز! کنٹرول یور سلف!''

اس نے بھی اسے ہی ٹوکا تھا۔ علیزے کا غم سے صدمے سے دکھ سے برا حال ہونے لگا۔ جبھی اسے سر اٹھا کے دیکھا تو نظروں میں صرف تپش تھی۔ غصہ تھا۔ تلخی ہی تھی۔

''شٹ اپ! یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔ میرا ہے۔ تم خاموش بیٹھی رہو۔ سمجھیں.....؟''

وہ بلا دریغ دھاڑ اٹھی۔ زارا مضطربانہ سی اس کی جانب بڑھی۔ وہ بے حد گھبراہٹ کا شکار تھی سمجھ نہیں آئی تھی ماں یا بہن میں سے کس کا ساتھ دے۔

''آئی ایم سوری آپی! یہ صرف آپ کا نہیں ماما کا بھی معاملہ ہے۔ پلیز سمجھیں..... وہ آپ اور بھا کے درمیان کس طرح پھنسی ہیں احساس ہے آپ کو.....؟''

''انہیں صرف بھا عزیز ہیں اور میں بتا رہی ہوں میرا بھا جیسے خودغرض انسان کی خاطر بھینٹ چڑھنے کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بھا جو بھی کرنا چاہتے ہیں' کرلیں۔ خودکشی کی دھمکی دینا اور خودکشی کر لینا دونوں الگ باتیں ہیں جبکہ حقیقت میں دنیا اور خواہشات سے دستبردار ہو جانا بالکل الگ بات ہے۔ میں سب جانتی ہوں کہ بلیک میلنگ کے یہ سارے اسباق کس کے پڑھائے ہوئے ہیں۔ وہ صرف ہمیں بلیک میل کر رہے ہیں آپ اثر نہ لیں۔ کچھ بھی نہیں ہوگا۔''

وہ بہت بہادری سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ شاید یہ صلہ کی باتوں کا اثر تھا۔ وہ بہرحال خود کو کمزور نہیں ثابت کرنا چاہتی تھی۔ بات ہے بھی صحیح۔ بغیر لڑے محاذ چھوڑ دینا تو بزدلی ہے۔ حالات سازگار نہیں ہیں تو حالات سازگار بنانے چاہئیں۔ ڈٹ جانا' کوشش کرنا ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ وہ ڈٹ جانا چاہتی تھی۔ علینہ بیگم البتہ اس کے عزم کے سامنے ریزہ ریزہ ہونے لگیں۔ بکھرنے لگیں۔ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں میں شدت آگئی تو زارا نے اٹھ کر انہیں گلے لگا لیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں ماما! سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

وہ ان کا سر تھپکتے تسلی دے رہی تھی۔ مگر ان کی مایوسی و دلگیری ختم نہ کر سکی۔

''کچھ ٹھیک نہیں ہوگا بیٹے! کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔ اسد کو میرا کچھ احساس ہے نہ شاید علیزے کو..... یہ دونوں مجھے ٹارچر کر رہے ہیں۔ میں ماں ہوں مجھے دونوں عزیز ہیں۔ مگر یہ سمجھتے نہیں۔ میں کس کا ساتھ دوں.....؟ وہ مرنے کی دھمکی دیتا ہے۔ یہ راضی نہیں۔ علیزے اگر مان جائے تو اس کی زندگی میں پھر بھی بہتری لائی جا سکتی ہے۔ لڑکے سے میں ملی ہوں۔ اتنا خوبصورت ہے۔ علیزے کے ساتھ بہت اچھا لگ سکتا ہے۔ ہم اس کو فنانشلی سپورٹ کریں۔ اس کا لائف اسٹائل چینج کر دیں تو.....''

وہ تھک کر خاموش ہوگئیں۔ زارا ان کا ہاتھ تھپکتی رہی۔

''تم سمجھانا بیٹے! وہ مان جائے۔ اسد نے تو کوئی راستہ کھلا چھوڑا ہی نہیں۔''

کچھ دیر بعد وہ پھر بولیں تو آواز آنسوؤں کی نمی سے بھیگی ہوئی تھی۔ زارا نے محض سر ہلا دیا۔

☆☆☆

اگلی ملاقات میں جب اس نے منیب کو مونچھوں کے بغیر دیکھا۔ تو واقعی بے حد حیران رہ گئی تھی۔ پھر خوشگوار ہنستے ہوئے شرارت آمیز انداز میں اس پر گرفت کر لی تھی۔

''واہ..... آپ تو ماشاء اللہ! بڑے فرمانبردار قسم کے شوہر ثابت ہونے والے ہیں۔''

جواب میں منیب چودھری کی نگاہوں میں مردانگی کے مخصوص بے باک رنگ اتر آئے۔ اس نے صلہ کو سرتاپا بھرپور نظروں سے دیکھا تھا اور باقاعدہ کھنکارا۔

''تو دیر کس بات کی ہے۔ غور کر لیں نا اس نقطے پر.....''

اور وہ ازل سے بے وقوف تھی یا پھر حد سے زیادہ لاپروا کہ ایک بار پھر اس درجہ معنی خیزیت پر بھی

نہیں ٹھٹھکی۔نہیں چونکی۔

''یہ تو شانزے کا کام ہے۔ میں تو اسے بھی سمجھاتی ہوں کہ کرے غور مگر بے چاری مشرقی لڑکی ایک ہی کھونٹے سے بندھی رہنا چاہتی ہے۔''

وہ اپنی ہانکے گئی تھی۔ البتہ شانزے نے پہلی بار بہت دھیان سے منیب چودھری کے تاثرات ملاحظہ کیے اور جیسے اصل بھید پا گئی۔ وہ جتنی غیر یقین تھی۔ اس حد تک متحیر۔ منیب چودھری کے بھی ہونٹ اب باہم بھینچے ہوئے تھے۔ یقیناً صلہ کی آخری بات نے اسے ناگواری بخشی تھی۔

''ان گرمیوں کی چھٹیوں میں آپ شانزے کے ساتھ کچھ دنوں کو سہی مگر ہمارے ہاں آ کر ٹھہریئے۔''

منیب چودھری خاصی تاخیر سے بولا تھا۔ مخاطب وہی تھی۔ مگر صلہ کے چہرے پر تمسخر پھیل گیا تھا اس آفر پر۔

''آپ کے گاؤں.....؟ مر نہ جاؤں گی میں وہاں اتنی گرمی میں..... سمر وکیشین میں ہم ہمیشہ یو کے میں ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ بھی وہیں کا ارادہ ہے۔''

وہ نخوت سے کہہ گئی۔ منیب چودھری کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

برہمی کا رنگ

غصے کا رنگ

مگر جب بولا تو لہجہ متوازن تھا۔

''بہت خوبصورت علاقہ ہے اور ہر قسم کی سہولت موجود ہے۔ آپ کو تکلیف نہیں ہوگی۔''

وہ جیسے قائل کر رہا تھا۔ صلہ جز بز ہوئی۔

''پھر بھی..... میں گاؤں میں رہنے کی عادی نہیں ہوں۔''

وہ دامن چھڑا رہی تھی۔ منیب چھوڑنے پر آمادہ نہیں لگتا تھا۔

''عادی تو انسان کسی کام کو کرے تو ہی ہوتا ہے۔ چلیں زیادہ نہ سہی۔ ایک آدھ دن ہی سہی۔ مگر یہ شرف تو بخشیں نا ہمیں۔ بھئی شانزے.....! آپ کہیے نا اپنی سہیلی کو..... میں اکیلا فورس کروں گا تو خوامخواہ مشکوک ہوں گی۔''

وہ مسکرا رہا تھا۔ شانزے ہنس دی۔ اس کے ساتھ مل گئی۔ پھر یہ اصرار اتنا بڑھا کہ اسے مروتاً ہی سہی ہاں کرنی پڑی۔ وہی مروت..... جو بسا اوقات نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

جو زہر قاتل بن جاتی ہے۔ مگر صلہ کو کہاں ایسا گمان تھا بھلا۔

☆☆☆

''یہ چائے لیں آپی!''

وہ بے خیال سی ٹی وی کے آگے بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول بھی تھا۔ وقفے وقفے سے ٹی وی کا

چینل بھی تبدیل ہو رہا تھا۔ مگر وہ جیسے موجود ہو کر بھی موجود نہیں تھی۔

بے خیال
گم صم
پریشان
مضطرب

زارا کی آواز پر چونکنے کی بجائے ہڑبڑا سی گئی اور گہرا سانس بھرتے ریموٹ سے ٹی وی آف کرتے مگ تھام لیا۔ زارا اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ مگر دونوں کے مابین خاموشی کی چادر تنی رہی۔ دونوں ہی جیسے اک دوجے سے کترا رہی تھیں۔

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے آپی.....''

کیا.....؟''

علیزے نے سہم کر اسے دیکھا۔ وہ آج کل ایسے ہی خالف رہنے لگی تھی۔ جیسے اچانک کوئی پہاڑ سر پہ ٹوٹ پڑے گا۔ اس کے برعکس زارا اس سے چھوٹی ہو کر بہت پرسکون اور کسی حد تک پراعتماد نظر آتی تھی۔ حالات کو فیس کرنے کی جرأت کا اظہار اس کی آنکھوں سے جھانکتا تھا جیسے۔

''کیا سوچا ہے آپ نے.....؟'

''کس بارے میں.....؟''

اس کی تیوریاں چڑھنے لگیں۔ یعنی خوف سے جتنا مرضی بچو۔ فائدہ نہیں۔ خطرے سے جتنا مرضی بھاگو۔ چھٹکارا نہیں۔

''عمر دراز صاحب کے بارے میں.....''

زارا کا لہجہ متبسم ہوا۔ آنکھیں ایسے حالات میں بھی مسکراہٹ سمیٹ لائیں تو وہ واقعی بہادر تھی۔ علیزے متحیر ہونے کے ساتھ ساتھ اسے الجھن آمیز نظروں سے تکنے لگی۔

''کون عمر دراز صاحب.....؟''

اس کی آنکھوں میں انجانا پن ہی نہیں بیگانگی بھی لکھی تھی۔ زارا کو لگا وہ جان کر انجان بن رہی ہے۔ البتہ بہت ضبط سے ڈٹی رہی۔

''سیما بھابی کے بھائی صاحب کا نام ہے یہ.....جن کا پروپوزل ہے آپ کیلئے.....''

اس تجاہل کے باوجود وہ نرمی سے وضاحت پیش کر گئی۔ مگر علیزے پھر بھی اسے گھورنے لگی تھی۔

''میں کیوں سوچنے لگی کسی ایرے غیرے کیلئے.....؟''

اس کا نخوت قابل دید تھا۔ زارا کے چہرے پر عجیب سی بے بسی کا تاثر ابھرتا چلا گیا۔ اسے ہونٹ باقاعدہ بھینچنا پڑ گئے تھے۔

''آپ کو ماما کی پریشانی اور اضطراب کا اندازہ ہے.....؟ وہ راتوں کو سو نہیں پا رہی ہیں آپی.....''

اس کے متلجی و عاجز ہو کر کہنے پر علیزے ضبط کھوتی ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ بے تحاشہ سرخ ہو رہا تھا۔

''تو مجھے کیا بتا رہی ہو.....؟ میں نے اڑائی ہیں ان کی نیندیں.....؟ مت بھولو زارا کہ اس کی وجہ ان کے لاڈلے سپوت ہیں۔''

مٹھیاں بھینچے وہ چیخی مگر گلا اتنا بھرا رہا تھا کہ آواز بامشکل نکلی۔ زارا کی اپنی آنکھیں نم ہوتی چلی گئیں۔

وہ جانتی تھی علیزے غلط نہیں ہے۔ مگر بے بسی یہی تھی۔ راستہ کوئی تھا نہیں اور۔

''لیکن آپی..... پریشانی تو سانجھی ہے ناں.....اس کا کوئی حل تو نکلنا چاہئے۔''

زارا منمنائی ہی تھی۔ علیزے نے بہت چونک کر اسے دیکھا۔ دیکھتی رہی۔ پھر ایک دم اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''تم چاہتی ہو..... میں سیکری فائز کروں.....؟ میں نے بھی کوشش کی تھی۔ مگر زارا..... میرا دل مانتا ہی نہیں۔ پھر..... پھر ظلم خاموشی سے سہنا بھی ظلم ہے..... میں یہ ظلم خود پر نہیں ہونے دے سکتی۔''

وہ بے بس تھی۔ لاچار تھی۔ اس کے باوجود زارا نے ہمت نہیں ہاری اور گویا اس کی منت کرنے لگی۔

''بجو پلیز.....! ذرا گنجائش رکھ کر سوچیں.....عمر بھائی اچھے خاصے وجیہہ ہیں اور..... ماما کہہ رہی ہیں۔ وہ فنانشلی بھی سپورٹ کریں گی انہیں تو وہ.....''

''جسٹ شٹ اپ زارا! پلیز سٹاپ.....اگر ماما کو سیکری فائز لازماً کرانا ہے اور داماد کے نام پر کوئی کاٹھ کا الو خریدنا ہے پیسے سے تو وہ میری بجائے تمہارا انتخاب کر لیں۔ بی کوز مجھ سے تو ایسے سیکری فائز ہوتے ہیں نہ ہی ایڈجسٹمنٹس.....''

وہ بپھری تو پھر بولتے ہوئے لحاظ کہاں رہنا تھا۔ یہاں تک کہ اسے الفاظ کی سنگینی کا احساس رہا نہ زارا کے پھیکے پڑتے چہرے کا۔ بس اندر کا لاوا نکال کر وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ زارا بہت دیر ساکن کھڑی رہی۔ پھر سر جھکا کر ہاتھ کی پشت سے نم آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ کیا ٹھان چکی ہے۔ مما نے سنا تو کتنی دیر خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔ پھر دوپٹے میں منہ چھپا کر رونا شروع کیا تو زارا بھی چپ نہیں کروا سکی تھی۔

☆☆☆

''مجھے لگتا ہے منیب سے اب تمہاری دوستی ہو گئی ہے۔ پھر کیا حرج ہے بھلا اس میں.....؟''

اس نے اپنی ضد پوری کی تھی اور شانزے کی خاطر اپنے گھر کا عیش و آرام چھوڑ کر شانزے کے ساتھ ہاسٹل میں شفٹ ہو گئی تھی۔ شانزے کی خوشی کا کیا عالم تھا یہ اس کے چہرے کو دیکھ کر بخوبی اندازہ ہوتا تھا۔ جہاں رنگوں کی خوشیوں کی برسات تھی۔ ایسی چمک گویا پوری دنیا فتح کر لی ہو۔ مگر منیب چودھری کے ساتھ اس کا یہ دوستانہ انداز گفتگو بھی اسے کچھ کم تقویت نہیں پہنچا رہا تھا۔ جسے صلہ نے سمجھا اور کاندھے اچکا دیئے۔

''ارے دوستی کہاں یار'' وہ ہنسنے لگی۔

''میں تو اس گھونچو کا تمہاری وجہ سے لحاظ کرتی ہوں۔ ورنہ پسند وسند تو مجھے وہ اب بھی نہیں۔ بلکہ میری آفر اب بھی برقرار ہے۔ کر دو انکار..... اپنے بے حد اسمارٹ اینڈ ہینڈسم بھائی کیلئے تمہارا رشتہ لے لوں گی۔''

اس کے لہجے میں صرف شرارت نہیں سچائی بھی غالب تھی۔ جن دنوں ان کی دوستی کا آغاز ہوا۔ ان کی محبت و یگانگت کے مظاہروں کی بدولت علیزے نے ازراہ مذاق وہ بات کہی تھی۔ جسے بعد میں شانزے نے دل پر مثبت کر لیا تھا۔

''یار علیزے کی بات قابل غور ہے۔ میں واقعی سوچ رہی ہوں ہم ایک ہی شخص سے شادی کر لیں تاکہ ہمیں کوئی بھی ایک دوسرے سے الگ نہ کر سکے۔''

شانزے کی سنجیدگی سے کہی بات پر بھی وہ اتنا برہم ہوئی تھی کہ ہاتھ میں موجود بھاری بھرکم کتاب اسے کھینچ ماری۔

''بکومت۔ یہ بات مذاق کی حد تک بھی اچھی نہیں لگی۔ وہ تو علیزے تھی جس کا میں بہت لحاظ کرتی ہوں۔ ورنہ کسی اور نے کہا ہوتا تو اچھی خاصی سناتی۔ ورنہ شوہر شیئر کرنے کی چیز نہیں ہوتا۔''

شانزے کو سب سے زیادہ اختلاف اس کی آخری بات پر ہی ہوا تھا۔ جبھی باقاعدہ بحث پر اترنے لگی۔

''کیوں..... کیوں نہیں ہوتا شیئر.....؟ مرد کی اسلام میں پھر چار شادیوں کی اجازت بھی نہ ہوتی۔ وہ چمک کر بولی تو صلہ نے اسے گھورا اور بات ختم کرنی چاہی۔

''وہ اعلیٰ ظرف عورتیں ہوں گی۔''

اور تمہارے معاملے میں میں بہت اعلیٰ ظرف ہوں.....''

شانزے کی مچلتی مسکان کا جو مطلب تھا۔ وہ اس کے الفاظ کی تائید کرتا تھا۔ صلہ ٹھٹک سی گئی..... اور اسے گھورا۔ مگر شانزے پروا کئے بغیر اپنے سوٹ کیس کو کھول کر تصویروں کا البم نکال لائی تھی۔

''یار تم اک نظر منیب کو دیکھو تو..... ہمارے پنڈ کی ساری لڑکیاں اس گبرو جوان پر مرتی ہیں۔''

شانزے کے لہجے میں فخر سا فخر تھا اور صلہ نے جب اس گبرو جوان کی تصویر دیکھی تو کیسے بدک سی گئی تھی اور سرعت سے شانزے کا ہاتھ پرے کر دیا۔ جس میں تصویر تھمی تھی۔

''اس پر گاؤں کی لڑکیاں ہی مرسکتی ہیں۔''

وہ بگڑ کر بولی تھی۔ انداز میں نخوت بھی تھا۔ تکبر بھی۔ اپنی ذات کی دلکشی کا خوبصورتی کا زعم بھی تھا۔ شانزے کا منہ لٹک گیا تھا بالکل ہی۔

''تمہیں منیب پسند نہیں آیا.....؟''

وہ اداس ہونے کے ساتھ حیران بھی تھی۔ جیسے یقین ہی نہ آتا ہو۔

''ہاں نہیں آیا۔ شاید میں گاؤں کی لڑکی نہیں ہوں۔ جبھی چوائس ایسی چیز نہیں ہوسکتی۔ خبردار جو آئندہ

اپنے اس پنڈ و منگیتر کو میرے ساتھ نتھی کیا ہو..... اتنا ہی شوق ہے میرے ساتھ رہنے کا تو اس پنڈ کی سوغات کو گڈ بائے کہہ دو۔ اپنے کزن کیلئے مانگ لوں گی تمہیں۔''

اب کے وہ سنجیدہ تھی۔ غصہ وقتی تھا جو ختم ہو گیا تھا۔ شانزے کا چہرہ البتہ بجھا رہا۔

''تمہیں منیب کے مزاج کا نہیں پتا..... جان سے مار دے گا مجھے مگر کسی اور کا نہیں ہونے دے گا۔ پھر سوچو ناں..... اس کا فائدہ بھی کوئی نہیں ہے۔ میرا مقصد تمہارے ساتھ رہنا ہے۔ تمہارے گھر نہیں..... تم تو سسرال سدھار جاؤ گی۔''

صلہ اس کی ایسی باتوں کو مذاق سے بڑھ کر اہمیت نہیں دیا کرتی تھی۔ جبھی اسے ٹال دینے کو حوصلہ دیا تھا۔

''چلو تمہاری خاطر میں شہریار کو گھر داماد بننے پر فورس کروں گی۔ ادھر شاہ زر کو بھی اپنے گھر لے آئیں گے۔ اب خوش.....؟''

وہ دانت نکال رہی تھی اور اپنے کزن کا حوالہ دیا۔ جس سے اس کی نسبت طے تھی۔

''اگر میرے لئے کچھ کرنا چاہتی ہو تو پھر گھر کی بجائے دل میں گنجائش نکال لو۔ اپنے شہریار کو مجھ سے بانٹ لو..... میں تمہاری خاطر گھر سے بھاگ آتی ہوں۔''

شانزے اب بھی مذاق نہیں کر رہی تھی۔ صلہ کو اس کی سنجیدگی نے ہی ورطہ حیرت میں ڈالا تھا۔ وہ چپ کر کے گھمبیر قسم کی سنجیدگی سمیت اسے تکنے لگی۔ اس کے تاثرات میں آنکھوں میں خفگی نمایاں ہونے لگی تھی۔

''تم اتنی فضول بات کر بھی کیسے سکتی ہو شانزے.....؟''

وہ اچھی خاصی تنک کر سوال کر رہی تھی۔ شانزے کا رنگ اڑنے لگا۔ اس کی خفگی جان نکال لیا کرتی تھی۔ شانزے کی۔ اب بھی وہ سراسیمہ ہونے لگی۔

''مم..... میں تو مذاق کر رہی تھی یار۔ ریلیکس۔''

وہ ہکلائی تھی۔ صلہ اسے گھورتی رہی۔ پھر ایک جھٹکے سے اٹھی۔

''مجھے ایسا مذاق بھی نہیں پسند..... تمہارے دل میں ایسی گنجائش ہو تو ہو..... میرے نہیں ہے۔ میں شہریار کو کسی سے نہیں بانٹ سکتی۔ تم سے بھی نہیں سو آئندہ ایسا مذاق بھی مت کرنا۔''

سرد مہری سے کہتی وہ وہاں سے چلی گئی۔ شانزے پھیکے چہرے کے ساتھ نم آنکھیں لئے اسے جاتا دیکھتی رہی تھی۔

☆☆☆

''علیزے اور زارا میں کیا فرق ہے.....؟ ان کا مقصد یہاں سے لڑکی بے جانا ہے۔ لڑکی کوئی ہو۔ کیا فرق پڑتا ہے.....؟''

وہ چائے بنانے آئی تھی۔ ممی کے کمرے سے آتی ان کی آواز پر بڑھتے قدم وہیں ساکن رہ گئے.....

اسد ان سے الجھ رہا تھا۔ وضاحت طلب کر رہا تھا اور ممی اسے مطمئن کرنے میں ہلکان تھیں۔

''فرق کیوں نہیں پڑتا.....؟ انہوں نے علیزے کو مانگا ہے۔ زارا کو نہیں۔''

اسد چیخا۔ ممی خائف ہوئیں۔

''علیزے کیلئے میری مرضی کہیں اور ہے اور.....''

''آپ کی مرضی یا پھر خود علیزے کی مرضی.....؟ میں ذی شان سے کبھی شادی نہیں ہونے دوں گا۔''

وہ ساکن کھڑی رہ گئی۔ پہلے دل میں آئی۔ اندر جائے۔ اور اسد پہ آنے والا سارا غصہ اس پر اتار دے۔ دل اتنا ہی بھرایا ہوا تھا۔ مگر پھر ہونٹ بھینچے پلٹ کر تیز قدموں سے چلتی زارا کے کمرے کی جانب آ گئی۔ دروازہ ایک دھماکے سے بند کیا تھا اپنے پیچھے..... زارا اسٹڈی ٹیبل پر موجود تھی۔ کچھ لکھ رہی تھی شاید..... چونک کر متوجہ ہوئی۔ اس کا چہرہ لال بھبوکا ہوا دیکھ کر ہی آمد کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی جیسے۔ اس کے باوجود مسکرا دی۔

''آپی..... میرا ناول چھپا ہے ڈائجسٹ میں..... میں آپ کو ٹریٹ دینے والی ہوں۔ اس خوشی میں.....''

وہ اٹھ کر والہانہ اس سے لپٹ گئی۔ علیزے نے وحشت بھرے انداز میں اسے جھٹک کر خود سے دور کیا۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے.....؟''

وہ اسے دھکا دیتے ہوئے غرانے کے انداز میں چیخی۔ زارا نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''کہانی لکھنا دماغ کی خرابی کی علامت ہے آپی.....؟''

اس کی معصومیت کمال درجے کی تھی۔ وہ آنکھیں پٹپٹا رہی تھی۔ علیزے کا دل کیا اسے تھپڑ کھینچ کر مارے۔ ایسے کہ ساری ڈرامہ بازی نکل جاتے۔

''شٹ اپ زارا۔''

وہ پھر چیخی۔

''کیوں کیا تم نے ایسا.....؟''

وہ مٹھیاں بھینچے سوال کر رہی تھی۔ چہرہ غصے میں تپ رہا تھا۔

''کیا کیا ہے.....؟ اور الحمدللہ میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔''

زارا کے سکون و اطمینان میں فرق نہیں آیا جبکہ علیزے ہر لحہ چیخ رہی تھی۔ سلگ رہی تھی۔

میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی زارا.....! اپنے الفاظ واپس لو۔''

زارا کی مسکراہٹ نے گویا جلتی پر تیل ڈالا تھا۔ علیزے سمجھ چکی تھی۔ وہ اسے دانستہ مزید جھلسا رہی ہے۔

''کون سے الفاظ.....؟''

زارا کی بے نیازی و لاتعلقی میں ذرا بھی دراڑ نہیں پڑی۔

''یہی کہ تم عمر سے شادی کرو گی میں تمہیں یہ بیہودہ قدم نہیں اٹھانے دوں گی۔ میرے انکار کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم خود کو پیش کر دو۔''

علیزے بے بس بھی تھی۔ غصے میں بھی۔ اسے اس وقت اپنی فیلنگز ایکسپوز کرنے میں بے حد دشواری کا سامنا تھا۔ جھنجھلاہٹ اور اذیت بھری بے بسی اس کے اعصاب شل کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا۔ وہ ہر سمت سے ہار رہی ہے بلکہ ہار چکی ہے۔

''ریلیکس آپی! اس میں بے ہودگی کیا ہے؟ شادی تو ایک دن ہونا تھی نا.....؟ ذرا جلدی سہی۔''

اب وہ سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔ علیزے کی آنکھوں میں بے تحاشہ نمی سمٹ آئی۔

''تم میری ضد میں کر رہی ہو نا یہ سب کچھ.....؟''

اس کی آواز میں شکست تھی۔ بے بسی تھی۔ جھنجھلاہٹ تھی۔ گویا ہر طرح سے لاچار تھی۔ زارا نے اس کی کیفیت کو سمجھا اور خود بھی دکھی ہونے لگی۔

''ایسی بات نہیں ہے بجو!''

''پھر کیوں کر رہی ہو.....؟'' اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔ جو ظاہر ہے زارا کیلئے بے حد تکلیف کا باعث ٹھہرے۔ وہ نظریں پھیر گئی۔ دوسری جانب تکنے لگی۔

''ہماری فیملی اس وقت سخت کرائسس سے گزر رہی ہے آپی! ماما بہت ٹینس ہیں۔ اس مسئلے کا یہی حل ہے۔''

''یعنی تم قربانی دو گی.....؟''

علیزے خالی نظروں سے اس کا چہرہ تکنے لگی۔ دل جیسے پاتال میں گرنے لگا۔ وہ محض انیس سال کی تھی۔ ادھ کھلی کلی۔ معصوم نازک..... اسے بہت محبت تھی اس سے۔ وہ اسے کبھی آزمائشوں کے حوالے نہیں کر سکتی تھی دانستہ۔

''میری سوچ آپ سے تھوڑی مختلف ہے آپی! میں یہ سب ماما کی محبت میں کروں گی۔ آپ سمجھ لیں میں انہیں یوں پریشان نہیں دیکھ سکتی۔ پھر آپ نے صحیح کہا تھا۔ آپ ہی کیوں.....؟

''میں کیوں نہیں؟''

وہ ذرا سا ہنسی۔ علیزے کے اندر نوحے سے گونجنے لگے۔ جبھی سر کو نفی میں ہلائے گئی۔

''اپنی عمر دیکھی ہے تم نے.....؟''

وہ بولی تو لہجہ درشت تھا۔ جیسے غصہ دبا رہی ہو۔

''انیس کی ہوں۔ شادی کیلئے مناسب عمر ہے۔''

زارا کے اطمینان میں ذرا برابر فرق نہیں آیا۔ تو علیزے جھنجھلا گئی تھی۔

''اس شخص کی عمر کا اندازہ ہے.....؟ کم از کم بھی بتیس تینتیس کا ہوگا۔''

وہ جیسے اسے ڈرانا چاہتی تھی۔ زارا آہستگی سے ہنس دی

''اتنا زیادہ فرق کہاں ہے بجو.....! چلتا ہے بلکہ مرد ذرا میچور ہی اچھا لگتا ہے۔''

زارا کے جواب نے علیزے کی آنکھوں کی جلن بڑھا دی۔ جبھی ایک دم رخ پھیر لیا۔

''میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی زارا! ابھی بچی ہو۔ اس امتحان سے نہیں گزر سکتیں۔'' وہ بولی تو اس کی آواز آنسوؤں سے نم تھی۔ زارا نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑے۔ چومے تھے۔ پھر بہت حوصلے سے مسکرائے گئی۔

''آپ پریشان نہ ہوں آپی! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا تو غلط ضرور ہوگا۔ ماما بہت اپ سیٹ ہیں۔ پپا کے بعد ماما کو کھونے کا مجھ میں حوصلہ نہیں..... اور جتنا ٹینس کر رکھا ہے نا بھانے انہیں..... اگر اس مسئلے کا حل نہ نکلا تو انہیں لازماً کچھ ہو جائے گا خدانخواستہ.....''

علیزے ساکن کھڑی رہی۔ زارا قدرے توقف سے گہرا سانس بھرتے پھر سے گویا ہوئی تھی۔

''بھائی ان باریکیوں پر دھیان نہیں دے رہے ہیں۔ شاید اس لئے کہ مرد فطرتاً کچھ سخت دل اور بے حس ہوتے ہیں۔ مگر ایک بیٹی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ماں کی پریشانی سے خود کو دانستہ الگ کر لے۔ میں ایسا نہیں کر سکی۔''

اس کے گلے لگ کر سسکتی ہوئی وہ پہلی بار اپنی دلی کیفیات اس پر آشکار کر رہی تھی اور گو کہ اس نے اپنی بات کی تھی۔ اپنا حوالہ دیا تھا۔ مگر علیزے کو لگا تھا۔ در پردہ وہ اسے بھی الزام دے رہی ہے۔ احساس بخش رہی ہے۔ جبھی وہ سکتہ زدہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ یہاں تک کہ زارا ہی خود کو سنبھال کر اس سے الگ ہوئی۔ تب وہ چونکی اور گہرا متاسفانہ سانس بھرا۔

''پھر بھی زارا.....! تم نہیں۔ یہ کام میں ہی کروں گی کہ مجھے ہی کرنا چاہئے۔ تم ماما سے جا کر کہہ دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ عمر صاحب سے شادی تمہاری نہیں ہوگی۔''

زارا نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آواز کی طرح اس کا چہرہ بھی سپاٹ تھا۔ زارا نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ وہ ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنے سے ٹوکتی پلٹ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر اپنے عہد سے پھر گئی۔ وہ ہار گئی تھی۔ اس لئے کہ اس کے مقدر میں ہار لکھی تھی۔ وہ صلہ کی طرح بہادر نہیں تھی کہ ڈٹی رہتی۔

ہم کو کس کے غم نے مارا یہ کہانی پھر سہی
کس نے دل توڑا ہمارا یہ کہانی پھر سہی
دل کے لٹنے کا سبب پوچھو نہ سب کے سامنے
نام آئے گا تمہارا یہ کہانی پھر سہی

وہ ناشتے کے بغیر یونیورسٹی آئی تھی۔ شادی سے پہلے آج آخری بار..... ماما نے ناشتے پر روکنا چاہا۔ مگر

اس نے جواب تک بھی نہ دیا تھا۔ وہ سب سے زیادہ خفا ہی ماما سے تھی۔ اس کے خیال میں اسے قسمت کے بعد ہرانے والی ماما تھیں۔ کاش وہ بھا کے سامنے ڈٹ جاتیں۔ گھر سے چلے جاتے ناں' چلے جاتے۔ انہوں نے ثابت کیا تھا وہ کمزور عورت ہیں۔ صرف یہی نہیں انہوں نے یہ بھی جتلایا تھا۔ وہ بیٹے کو بیٹیوں پر فوقیت دیتی ہیں۔ اس کے دل میں بہت غبار تھا۔ بہت دکھ تھا۔ وہ صلہ سے مل کر یہی غبار نکالنا چاہتی تھی۔ صلہ بجائے اسے حوصلہ دینے کے ملامت سے ہی کر سکتی تھی۔ سو جی بھر کے کیا۔ وہ بس روتی رہی تھی۔

''مجھے سمجھوتے کی زندگی سے تو نفرت ہے ہی لیزے.....! مجھے سمجھوتہ کرنے والوں سے زیادہ نفرت ہے۔ کیا ملا تمہیں اپنی زندگی برباد کر کے.....؟ صرف فرمانبرداری ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔ تم اپنی ماما کی یہ بات نہ مانتیں۔ تمہارا بھائی جب اپنا رنگ دکھاتا تو تم ماں کو سنبھال لیتیں۔ ان کی خدمت کرتیں۔ ان کا دل جیت لیتیں۔ وہ راضی ہو جاتیں تم سے..... یہ تو بڑا ہی یہی ٹپیکل سا راستہ اپنایا تم نے..... پرانی ہیروئنز والا۔''

''تم شادی پر آؤ گی.....؟''

لیزے نے بات بدل دی وہ رو رو کر واقعی تھک گئی تھی۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے اس ارمانوں کی میت اٹھنے کی تقریب میں شریک ہونے کا.....''

صلہ ایسا ہی جواب دے سکتی تھی۔

''چلو مجھے حوصلہ دینے کی خاطر آ جانا۔ اس خیال سے کہ مجھے تھوڑی سی خوشی مل جائے گی۔''

لیزے کے اصرار پر صلہ خاموش ہو گئی۔

''آؤ گی.....؟''

لیزے کی آنکھوں میں آس تھی۔ اب کے وہ انکار نہیں کر سکی۔

''آ جاؤں گی بھئی.....! عجیب ضد ہے۔ ادھر شانزے ہے تو وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں مجھے اپنے گاؤں دکھانے پر مصر ہے۔ ادھر تم.....''

''تم جاؤ گی وہاں.....؟''

لیزے ایک دم سے چونک گئی۔ اس کی توجہ جیسے باقی ہر شے سے ہٹ گئی تھی۔ صلہ نے بے پرواہی سے کاندھے جھٹک دیئے۔

''بھئی اگر تمہاری طرف آؤں گی تو ادھر بھی جانا پڑے گا ناں..... آخر دوستی جو ہے۔''

صلہ کے جواب نے لیزے کو بے چین و مضطرب کر ڈالا۔

''تم اس کے گاؤں نہیں جاؤ گی صلہ! چاہے تم میری شادی پر بھی نہ آؤ۔''

اس بات پر صلہ اسے گھور کر رہ گئی۔

''اب تم میری انسلٹ اس طرح بھی کرو گی.....؟''

لیزے احساس ہونے پر شرمندہ ہوئی مگر وضاحت ضروری سمجھی تھی۔

''میرا مطلب ہے تم کسی بھی صورت شانزے کے گاؤں نہیں جاؤ گی صلہ! وہ لڑکی..... پتا نہیں کیوں مجھے حد سے زیادہ تمہاری اس سے دوستی پسند نہیں آئی۔ پلیز کم از کم میری یہ بات مان لو تم.....''

اور صلہ جو اس کے منگیتر سے اپنی ہر ملاقات کا احوال بھی سنانا چاہتی تھی۔ علیزے کے متوقع لیکچر اور ناگواری کے باعث ارادہ ملتوی کر دیا اور محض اسے ٹالا تھا۔

''او کے بابا..... نہیں جاؤ گی۔ خوش.....؟''

''شکر ہے۔ تم مانی تو.....''

وہ واقعی ریلیکس جس طرح ہوئی صلہ کو ہنسی آنے لگی تھی۔

''یہ جیلسی تو نہیں ہے تمہاری شانزے سے.....؟ ادھر وہ جیسا عشق مجھ سے کرتی ہے ناں ادھر تمہاری یہ جیلسی مجھے اپنی جنس کی جانب سے مشکوک کرنے لگتی ہے۔ کہیں میں لڑکا تو نظر نہیں آتی تمہیں.....؟''

وہ دانت نکال رہی تھی۔ علیزے نے اسے ایک جھانپڑ لگا دی۔

''اگر تم لڑکا ہوتیں تو یہ لفٹ نہیں کرانی تھی میں نے تمہیں۔ جو کرا رہی ہوں۔ خوش فہمی نکال دو دل سے''

وہ ذرا سا ریلیکس ہوئی تھی۔ نرمی سے مسکرانے لگی۔

''ہاں پتا ہے۔ وہ ذی شان صاحب جبھی تو نامراد رہ گئے کہ تمہاری حوصلہ افزائی میسر نہ آئی اور وہ عمر صاحب فاتح قرار پا گئے۔ ویسے محترم عمر صاحب کو بھی لفٹ کروا دو گی یا انہیں بھی ترسانا ہے.....؟''

وہ ایک دم بات کا رخ بدل کر شریر ہوئی۔ علیزے کا چہرہ جس طرح سپاٹ ہوا۔ صلہ نے گہرا سانس بھرتے گویا نتیجہ اخذ کر لیا۔

''یعنی نو لفٹ ہے اس بیچارے کے مقدر میں بھی.....''

''کوئی اور بات کرو'' وہ بے زاری سے ٹوک گئی۔ مگر وہ کہاں باز آنے والی تھی۔

''تم بھلے نو لفٹ کا بورڈ چسپاں کرے رکھنا۔ وہ شوہر ہوگا تمہارا۔ خاطر میں کہاں لائے گا۔ حق تو وصول کر کے رہے گا۔''

وہ دانت نکال کر چھیڑنے لگی۔ علیزے کا چہرہ ایک دم سرخ پڑ گیا۔ کس جذبے سے اس کی وضاحت نہیں ہو سکی۔

''وہ ہے کیسا.....؟''

صلہ کی ساری دلچسپی عمر کی ذات میں سمٹ آئی تھی اس پل۔ علیزے کا دل پھر عجیب سے دکھ سے لبریز ہونے لگا۔

''پتا نہیں.....''

اس کا لہجہ خشک ہوا۔ صلہ اسے حیرانی سے دیکھنے لگی۔

''مطلب پتا نہیں.....؟ تم نے دیکھا نہیں.....؟''

''نہیں۔''

وہ جیسے کترا رہی تھی۔ صلہ نے مگر جان نہیں چھوڑی۔

''کیا تمہیں زارا نے بھی تصویر وغیرہ نہیں دکھائی.....؟ یہ کیسے ممکن ہے بھلا.....؟''

صلہ کا اچھنبا دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ پھر بھی لاتعلق نظر آئی تھی۔

''لائی تھی وہ تصویر..... مجھے دلچسپی نہیں تھی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کون ہے کیسا ہے.....؟ نصیب پھوٹنا تھا۔ پھوٹ گیا۔''

اس کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی۔ صلہ چپ سی ہوگئی۔

''بہت زیادتی تو ہے۔ مگر جب کنویں میں چھلانگ لگائی ہے۔ تو ہنسی خوشی اس کو برداشت کرو یار.....! ایسے تو زندگی بہت کٹھن ہو جائے گی۔''

وہ اس کا حوصلہ بڑھانے لگی۔ علیزے پھر کچھ نہیں بولی۔ لرزتے ہونٹ اس کے جذبات کی عکاسی کرتے تھے گویا۔

''بہت شاطر فیملی ہے۔ ماں بہن ایک سے بڑھ کر ایک..... زندگی کیسی ہوگی۔ اس کا اندازہ ہے مجھے.....''

وہ بھیگی آواز میں کہتی آنسو پونچھنے لی۔ مگر صورتحال یہ تھی کہ آنسو پھر بھی مچل مچل جاتے تھے۔

''یار..... کیا ہوگیا ہے۔ اتنی بھی کیا مایوسی.....؟ اگر تمہارا بھائی اتنی فضول سی عورت پر لٹو ہوسکتا ہے۔ تو وہ شخص اتنی پیاری لڑکی پر کیسے نہیں مرمٹے گا.....؟ بس مٹھی میں دبا کر رکھنا اسے اور حکومت کرنا ان خرانٹ عورتوں پر..... آگے بھی میں تمہیں نادر و نایاب مشوروں سے نوازوں گی۔'' وہ اس کا دھیان بٹانے کو فضول ہانکنے لگی۔ علیزے کچھ نہیں بولی۔ دل دکھ سے بھرا ہوا تھا اور اس دکھ نے اسے فی الحال ہر شے سے بے زار کر رکھا تھا۔

☆☆☆

''اتنا پیارا..... اتنا سٹائلش۔ ڈریس کہاں سے لیا؟''

صلہ کالج سے لوٹی تو شانزے کے بستر پر پڑی وہ شرٹ اٹھا کر دیکھتے ہوئے ستائش اس کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔ یہ بلیک علاقائی ڈریس تھا۔ جس پر شوخ رنگوں کے دھاگوں سے بہت خوبصورت کڑھائی کی گئی تھی۔ پورے دامن پر ننھے ننھے شیشوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ جو ہلکی سی جنبش پر بھی جگمگاہٹ بکھیرتا تھا اور یہی اس لباس کی خوبصورتی تھی۔

''اماں نے بھیجا ہے۔ آج ہی منیب دے کر گئے ہیں۔''

شانزے آج طبیعت کی خرابی کے باعث یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔

''تو یوں کہو نا منگیتر صاحب تحفہ لائے تھے۔''

وہ آنکھیں نچا کر بولی تو شانزے نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''لائے تو وہی تھے پر بھیجا ہوا اماں کا ہے۔ منیب کو تو خبر بھی نہیں ہو گی اس شاپر میں ہے کیا؟ ویسے تمہارا بالخصوص پوچھ رہے تھے۔''

شانزے نے مسکراہٹ دباتے ہوئے خصوصیت سے جتلایا۔ جسے صلہ نے اتنے دھیان سے سنا بھی نہیں۔ اس کی ساری توجہ سوٹ پر مرکوز تھی۔

''سنو..... علیزے کی شادی پر میں یہی ڈریس پہن رہی ہوں۔ اوکے.....؟''

صلہ نے شرٹ اٹھا کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے ایک دم فیصلہ سنا دیا۔

''اتنا پسند آیا ہے تمہیں صلہ تو تمہارا ہوا یہ یار.....! یہ دیکھ میچنگ چپل بھی ہے۔''

شانزے نے اٹھ کر دوسرا شاپنگ بیگ کھول کر جوتے کا ڈبہ نکال لیا۔ سوٹ سے میچنگ کڑھائی سے مزین نازک سی لیدر چپل اس کی جانب بڑھا دی۔ صلہ کی آنکھیں بے تحاشہ چمک اٹھیں وہ کھلکھلائی تھی۔

''واؤ..... امیزنگ یار..... سو بیوٹی فل۔ رئیلی۔ میں یقیناً وہاں سب سے منفرد اور یونیک ڈریس میں ہوں گی۔ ہے ناں.....؟''

اس نے فوری طور پر اپنا جوتا اتار کر اپنا دودھیا سفید مخمل جیسا نرم گداز پیر خوشنما چپل میں فٹ کیا۔ چپل جیسے ایک دم انمول ہو گئی۔ ایسے کہ شانزے بھی بے ساختہ تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکی۔

''بہت بہت زبردست..... صلہ رئیلی لگ رہا ہے جیسے بنائی ہی تمہارے لئے گئی ہے۔ دیکھو کتنا جچ رہی ہے تمہیں.....''

وہ بے ساختہ و بے اختیار تعریف کر رہی تھی۔ صلہ کی مسکراہٹ مچلنے لگی۔

''شکریہ شکریہ۔''

وہ جھک کر کارنش بجا لا رہی تھی۔

''اپنے پاس رکھو یار.....! میں بس ایک بار ہی پہنوں گی۔''

شانزے کو دونوں چیزیں اس کے بیگ میں ڈالتے پا کر صلہ بے اختیار ہو کر ٹوک گئی تھی۔ مگر شانزے سر کو نفی میں ہلاتی مسکرانے لگی۔

''نہیں..... اب یہ تمہاری ہوئیں بس دونوں چیزیں۔''

''اتنی فراخ دلی اچھی نہیں ہوتی شانزے.....!!!''

وہ نا چاہتے ہوئے بھی سنجیدہ ہو گئی۔ جبھی نصیحت سے نوازا تھا۔ شانزے کی مسکراٹ مزید فروزاں ہوئی تھی۔

''میں صرف تمہارے معاملے میں ضرورت سے زیادہ فراخ دل ہوں میری جان! سو ڈونٹ یو وری۔ مجھے اتنا یقین ہے کہ تم مجھے کبھی نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔''

شانزے کی محبت پر مان و یقین پر وہ ایک بار پھر گنگ سی ہو کر رہ گئی۔ اس سے کچھ بولا نہیں جا سکا۔

''منیب سلام کہہ رہے تھے تمہیں..... خاصے مایوس ہوئے تمہیں نا پا کر.....''

شانزے کی جانب اب کی بار اس نے چونک کر دیکھا۔ وہ حسب معمول اگر مسکرا رہی ہوتی تو صلہ کو اتنا محسوس نہ ہوتا۔ مگر وہ سنجیدہ تھی۔ جبھی اسے پہلی بار عجیب لگا۔ بلکہ اسے اعتراض ہوا تھا۔

''دس از ناٹ فیئر شانزے.....! اگر تم نہ ملتیں اور میں یہاں ہوتی تو یہ بات محسوس کر کے میں تمہیں چھیڑتی تو معیوب بات نہیں تھی۔ اب یہ بات معیوب ہے۔''

وہ نہ صرف سنجیدہ تھی بلکہ خفا بھی نظر آ رہی تھی۔ شانزے ایک دم محتاط ہوئی۔

''آئی ایم سوری! اگر تمہیں برا لگا تو.....''

وہ بجھی بجھی سی کہہ رہی تھی.....

''اٹس اوکے.....''

صلہ نے کاندھے جھٹک دیئے۔ سر جھٹک دیا۔ بات بھی جھٹک دی۔ مگر کچھ معاملے محض اتنی سی جھٹک سے نہیں جھٹکے جاتے۔ اسے خبر نہیں تھی۔ آنے والے وقتوں میں کیسا طوفان اس کا منتظر ہے۔ ورنہ وہ کبھی اس راستے پر آگے نہ بڑھتی۔ اسے خبر ہی تو نہیں تھی۔

☆☆☆

گھر میں شادی کی باقاعدہ تیاریاں شروع تھیں۔ سب سے سرگرم اسد تھا۔ جوش و خروش کا مظاہرہ بھی وہی کر رہا تھا۔ وہ حصہ جس میں اس کی رہائش تھی۔ یعنی نچلا پورشن نئے سرے سے ڈیکوریٹ کروایا جا رہا تھا۔ کارپٹ سے لے کر فرنیچر تک نیا آ رہا تھا۔ پینٹ میں کلر سکیم میں بھی سیما کی مرضی مدنظر رکھی جا رہی تھی۔ ابھی سے سیما کی اتنی اجارہ داری ان تینوں ماں بہنوں کیلئے تشویش و اضطراب کا باعث تھی۔ مگر سوائے خاموشی کے چارہ نہیں تھا۔ اوپر کے پورشن میں وہ تینوں اک کونے میں لگی ہوئی تھیں۔ علیزے تو بالکل ہی خاموش اور لاتعلق تھی۔

سیما کیلئے ہر شے اعلیٰ پائے کی جبکہ اس کے جہیز کیلئے معمولی اور درجے سے کمتر اشیاء تھیں۔ حالانکہ ان کے سامنے ہی سیما اور اس کی ماں کا جھگڑا بھی ہو چکا تھا۔ سیما کی والدہ بیٹے کیلئے بھی جہیز اعلیٰ پائے کا چاہتی تھیں کہ گھر تو انہی کا بھرنا تھا۔ مگر بیٹی کا ماں تھی۔ ہونے والے شوہر کا اتنا خیال تھا کہ بہن پر اسے روپیہ خرچ کرتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ جبھی ماں کو بھی جھاڑ کر بٹھا دیا۔ علیزے نے سب دیکھا تھا۔ سب سنا تھا اور دل میں گونجتی ویرانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

عجیب قسمت تھی اس کی..... اس کی سسرال سے اس کے حصے میں کچھ بھی نہیں آیا تھا۔ رسمی توجہ تک نہیں۔ کوئی رسم بھی ادا نہیں کی گئی تھی۔ منگنی تک کی رسم نہیں۔ بس ڈائریکٹ شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی۔ اس وقت بھی وہ گم صم سی بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے زارا کھانے کی ٹرے رکھ گئی تھی۔ مگر اس کی توجہ کھانے کی جانب نہیں تھی۔ ممی کتنی دیر اسے دیکھتی رہیں۔ پھر افسردگی سے چلتیں اس کے قریب آ گئی تھیں۔

''علیزے.....!!!''

ان کے پکارنے پر وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔ نگاہوں کا انداز سوالیہ تھا۔ صرف سوالیہ۔ کوئی جذبہ کوئی احساس نہیں تھا۔ انہیں عجیب سے دکھ عجیب سے نقصان کا احساس ہوا تو دل بھرانے سا لگا۔

''زارا بتا رہی تھی کہ.....''

ممی کی نظریں اس کے ستے ہوئے چہرے پر جمی تھیں۔ اِن نظروں میں دکھ تھا۔ جسے محسوس کر کے وہ ایک دم تنفر سے بھر گئی۔ جبھی کرسی زوردار آواز سے دھکیل کر ایک جھٹکے سے اٹھی۔

''وہ بالکل صحیح کہہ رہی ہے اور فار گاڈ سیک..... میرے بعد اب زارا کو بھی تماشا نہ بنائیں۔''

وہ گہرے طنز سے کہہ گئی تھی۔ مما کا رنگ زرد پڑتا چلا گیا۔ معاً انہوں نے خود کو سنبھالا تھا۔

''بیٹے مجھے آپ سے یہی کہنا ہے کہ آپ جو قدم جذباتیت میں اٹھا رہی ہیں۔ وہ ٹھیک نہیں ہے اور.....''

''اور..... جو زارا کر رہی ہے وہ ٹھیک ہے؟''

اس کا لہجہ طنزیہ ہی نہیں۔ زہریلا بھی تھا۔ ممی کا رنگ ایک بار پھر اڑ گیا۔

''میں نے ہرگز اسے فورس نہیں کیا۔ وہ اپنی رضا سے کر رہی ہے یہ سب.....''

مما نے کمزوری توجیہ دی۔ ان کا دفاع کا انداز بھی بے حد کمزور تھا۔ علیزے کے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یعنی آپ کا مطلب ہے جو خوشی سے نہر میں چھلانگ لگائے..... اسے لگانے دینی چاہئے.....''

اس کے لہجے کی کاٹ کی تلخی نے مما کو لخت لخت کر دیا تھا۔ وہ گنگ ہوتیں ٹکر ٹکر اسے دیکھتیں رہ گئیں۔ ایسے کہ گویا لاجواب ہو گئی ہوں۔ آنکھوں میں بے بسی کا احساس نمی بھرتا چلا گیا۔

معاً انہوں نے پھر سے ہمت پکڑی تھی اور اسے سمجھانے کو بولیں۔

''بیٹے آپ یہ سب جذباتیت اور ناراضی میں کر رہی ہو..... اور ناراضی میں اٹھائے جانے والے قدم آپ کو اصلاحی نہیں تباہی کے راستے کا مسافر بناتے ہیں۔ آپ ذی شان کو پسند کرتی ہیں۔ ہم ذی شان سے شادی کریں گے آپ کی.....''

ان کا لہجہ نرم تھا۔ اس کے باوجود وہ بھڑک گئی تھی۔

''نام مت لیں اب ذی شان کا..... مجھے نہیں کرنی کسی اس نام کے بندے سے شادی۔ بس میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ مجھ میں حوصلہ نہیں کہ زارا کو تباہ کر ڈالوں وہ بھی اپنے ہاتھوں۔''

وہ بغیر لحاظ رکھے چیخ پڑی تھی۔

''خود کو تباہ کر لو گی.....؟''

انہوں نے بے چینی سے کہتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ جہاں اس وقت صرف دکھ اور نمی کا بسیرا

تھا۔

''مجبوری ہے۔آپ نے میرے لئے اور کوئی راستہ نہیں چھوڑا۔''

زخمی مسکراہٹ سمیت کہتے وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں بند ہوگئی۔مما کھڑی نہیں رہ سکیں بے دم انداز میں وہیں گرسی گئیں۔

☆☆☆

شادی کے نام سے احساس سے وہ جتنا خائف تھی۔دن اتنی ہی تیزی سے گزرتے گئے تھے۔یہاں تک کہ مایوں کے بعد مہندی کا بھی دن آن پہنچا۔یہ پہلی تقریب تھی جس میں صلہ نے پہلی بار شرکت کی۔جس وقت وہ پہنچی زارا اس کی منت سماجت میں مصروف تھی کہ وہ کچھ کھالے۔کپڑے پتا نہیں کیسے تبدیل کئے تھے۔ چوبیس کلیوں والے زرد کلر کے فراک کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ کی بس جھلک ہی دکھائی پڑتی تھی۔لمبی پنسل ہیل..... بال ابھی کھلے ہوئے تھے.....یعنی اسٹائل بنایا نہیں تھا۔اسے دیکھنے پر بڑی تراوٹ کا احساس ملتا تھا مگر دور سے.....نزدیک سے شکل کا خوب حشر بگاڑا تھا رو رو کر.....آنکھیں ناک سب سرخ گلابی خراب ہوا ہوا تھا۔زیادہ رونے سے ایسی سوجن تھی کہ نقش کچھ جاپانی کچھ تائیوانی لگتے تھے۔صلہ کا تو اسے دیکھتے ہی غصے سے برا حال ہونے لگا۔

''حد ہوگئی بھئی.....اتنا احتجاج کس لئے.....؟ دیکھو میں عمر صاحب کو دیکھ چکی۔تصویر کی حد تک تو اچھے خاصے معقول بلکہ شاندار ہیں۔میری پٹی پڑھ جاؤ گی۔تو بندہ مٹھی میں بھی آ جائے گا۔پھر کاہے کی پریشانی.....سب کو انگلی پر نچانا اپنی بھاوج کی طرح۔''

وہ آتے ہی سرگرم ہوگئی تھی۔آلو کے قتلے ٹھنڈے پانی میں ڈبو ڈبو کر آنکھوں پر رکھ کر آنکھوں کو سہلایا۔مگر نتیجہ کیسے اچھا ملتا۔وہ چپ کرتے کرتے پھر رو پڑتی تھی۔دکھ تھا کہ ختم نہ ہوتا تھا۔یہاں تک کہ رسم کرواتے ہوئے بھی ہتھیلی کی پشت پر آنسو ٹپ ٹپ گرتے رہے اور ان تینوں خواتین

ماما

زارا

اور صلہ کا دل بوجھل بناتے رہے۔صلہ نے شدت جذبات سمیت اسے گلے سے لگا لیا۔چہرے پر گھونگھٹ تھا۔کون رونا دیکھتا' دیکھ بھی لیتا تو.....دلہن تو روتی ہی ہوتی ہے۔سب کو پتا ہوتا ہے۔زارا دور کھڑی اسے دیکھتی رہی۔دونوں ہاتھوں میں سوٹ کی ہمرنگ چوڑیاں کلائیوں کو چھپائے ہوئے تھیں۔ہاں سب سے زیادہ خوبصورتی اس کے ہاتھوں کی تھی۔جس کی صرف انگلیوں کی پوروں کو مہندی سے رنگا گیا تھا اور وہ دہک رہی تھیں۔اتنا سرخ شوخ امنگوں بھرا رنگ تھا کہ ہاتھ چومنے کو دل کرتا تھا۔

''مہندی پر اتنے نیر بہا لئے تو رخصتی پر کیا کرو گی۔بس کرو احمق لڑکی!''

صلہ اس کے ساتھ آن بیٹھی۔اپنا چہرہ گھونگھٹ میں گھسا لیا۔گال سے گال جوڑ کر بہت پیار سے بولی

تھی۔اس کے آنسو پھر ٹپکے۔

''آج میرے پیار سے منع کرنے پر چپ نہیں کرو گی۔تو کل تمہارا دولہا ڈانٹ کر کرائے گا۔''

اس نے پھر چھیڑا۔علیزے نے پلکیں جھکا دیں۔

''مجھے بیچارے عمر صاحب پر بڑا ترس آ رہا ہے۔بیچارہ تمہارے آنسوؤں کی روانی میں نہ بہہ جائے۔''

صلہ نے پھر شرارت کی۔تب ہی زارا نے اسے پیچھے کھینچ لیا۔

''صلہ آپی.....!رسم کریں۔راز و نیاز نہیں۔''

صلہ نے گہرا سانس بھرا اور اسے مٹھائی کھلا کر ہٹ گئی۔رسم کے بعد ڈھولک بجنا شروع ہوئی تو صلہ سب سے آگے تھی گانے گانے میں۔سب سے بلند آواز اس کی تھی۔

مہندی ہے رچنے والی
ہاتھوں میں گہری لالی
کہیں سکھیاں اب کلیاں
ہاتھوں میں کھلنے والی ہیں
تیرے من کو جیون کو
نئی خوشیاں ملنے والی ہیں
تیرے من کو جیون کو
نئی خوشیاں ملنے والی ہیں
او ہریالی بنو.....!!!
لے جانا تجھ کو غیریاں
آنے والے ہیں سیاں
تھامیں آ کے بھیاں
گونجے گی شہنائی
انگنائی انگنائی

مہندی ہے رچنے والی
ہاتھوں میں گہری لالی
کہیں سکھیاں اب کلیاں
ہاتھوں میں کھلنے والی ہیں
تیرے من کو جیون کو
نئی خوشیاں ملنے والی ہیں

ڈھولک کی تاپ تال میں بجتی تالیاں اور ڈف اس پر جذب سے گایا گیت اک سماں باندھ گیا۔ دل کے تاروں کو چھیڑتے گانے کے بول جذبات میں ہلچل مچانے لگے۔ صلہ اٹھ کر پھر سے اس کے نزدیک آئی اور اس کا گھونگھٹ اٹھایا۔ ویسے بھی اس وقت مووی میکر جا چکا تھا۔ اسے علیزے کی شکل دیکھ کر مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ جہاں بے زاری ہی بے زاری تھی۔

''تھک گئی ہوں۔ کمرے میں لے چلو مجھے۔''

وہ اکتاہٹ آمیز انداز میں کہتے ہاتھ میں بندھا گجرا نوچ رہی تھی۔

''آرام سے بیٹھی رہو۔ اتنا اچھا گانا چھوڑ کر جانے کا میرا موڈ نہیں۔''

صلہ نے دانستہ ہری جھنڈی دکھلائی۔

''زارا کو بلوا دو پھر..... مجھے یہاں مزید نہیں ٹھہرنا۔''

وہ ہنوز بے زار تھی۔ اکتائی ہوئی۔ صلہ نے اسے بغور دیکھا۔

''کیوں بھاگ رہی ہو.....؟ گانے میں موجود رومانس سے یا پھر سپنے سیاں کے سجانے ہیں اکیلے میں؟''

وہ شریر ہوئی۔ علیزے کے چہرے پر جواباً تکلیف دہ تاثر ابھر آیا۔

''اب کیا تم بھی زخموں پر نمک پاشی کرو گی؟''

وہ چڑ گئی تھی۔ صلہ کو یکدم چپ سی لگی۔ لڑکیاں گا رہی تھیں۔ ڈھولک ہنوز بج رہی تھی۔

گائے میا اور ماسی
گائے بہنا اور بھابی
کہ مہندی کھل جائے
رنگ لائے.....
ہریالی بنو
گائے پھوپھی اور چاچی
گائے نانی اور دادی
کہ مہندی من بھائے
سج جائے ہریالی بنی
مہندی روپ سنورے او
مہندی رنگ نکھارے ہو
ہریالی بنی کے آنچل میں اتریں گے تارے
مہندی ہے رچنے والی

ہاتھوں پر گہری لالی
کہیں سکھیاں اب کلیاں
ہاتھوں میں کھلنے والی ہیں
تیرے من کو جیون کو
نئی خوشیاں ملنے والی ہیں

اب سب سے زیادہ جوش گانے میں زارا دکھا رہی تھیں۔ مگر آنکھوں میں تفکر تھا۔ وہ مسلسل علیزے کو دیکھتی تھی۔ جو بار بار آنسو پونچھ رہی تھی۔ اس کا دل بوجھل ہونے لگا۔ دھیان گانے سے ہٹنے لگا۔

گاجے باجے باراتی
اور ہاتھی
کو لائیں گے ساجن تیرے آنگن
ہریالی بنی تیری مہندی وہ دیکھیں گے
تو اپنا دل رکھ دیں گے چپکے سے تیرے پیروں میں
ہو ہریالی بنی
مہندی ہے رچنے والی
ہاتھوں پر گہری لالی
کہیں سکھیاں اب کلیاں
ہاتھوں میں کھلنے والی ہیں
تیرے من کو جیون کو
نئی خوشیاں ملنے والی ہیں

وہ آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ صلہ علیزے کو تھامے اندر لے جا رہی تھی۔ وہ پیچھے جاتے جاتے کچھ سوچ کر ماما کی جانب آ گئی۔ وہ بہت ڈھیلے سے کرسی کی پشت پر گردن گرائے بیٹھی تھیں۔ وہ چند لمحے وہیں دروازے پر کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔ پھر دبے قدموں ان کے پیچھے آ کر رک گئی۔

''اس طرح ایسے اکیلی کیوں بیٹھی ہیں؟''

اس نے دونوں بازو ان کی گردن میں حمائل کر دیئے اور گال سے گال جوڑتے بہت پیار سے پوچھا۔ وہ کچھ نہیں بولیں۔ البتہ غیر محسوس انداز میں چہرہ پونچھا تھا۔ گویا آنسو چھپانے چاہے۔

''میں جان گئی ہوں ماما کہ آپ رو رہی ہیں.....''

اس نے اپنا گال ان کی آنکھوں سے مس کیا۔ تب ہی نیچے بہت بلند شور اٹھا۔ اسد اپنے دوستوں کے ساتھ اپنی شادی کا ہلہ گلہ کر رہا تھا۔ میوزک ڈھول خوشگوار چیخیں آتش بازی' اک کہرام مچا رکھا تھا ہلڑ بازی کا۔

''میری بیٹی بھی تو رو رہی ہے۔ زارا مجھے لگتا ہے۔ میں واقعی علیزے پر زیادتی کر چکی ہوں۔''

ان کے آنسو پھر رواں ہوئے۔ زارا بے چین سی ہو کر ان کے سامنے آ گئی۔

''پریشان نہ ہوں..... دعا مانگیں۔ اللہ سے مدد طلب کریں۔ اللہ پاک انہیں خوشیاں عطا فرمائے۔''

ان کے پیروں میں دو زانو بیٹھ کر وہ اپنا سر ان کے گھٹنوں پر رکھتے مدھم دلگیر آواز میں بولی تو انہوں نے سر ہلا کر آنسو پونچھے۔

''تم جاؤ اس کے پاس..... دل جوئی کرو ذرا۔ شاید بہل جائے۔ میں اب نماز پڑھوں گی۔''

انہوں نے اس کا سر تھپکا۔

''آپ بھی وہیں آ جائیے گا فارغ ہو کر.....''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ماما نے سرد آہ بھری۔

''وہ بہت خفا ہے ابھی مجھ سے۔ بات ہی نہیں کرتی۔''

ان کے انداز کی افسردگی زارا کے دل میں اتر کر شگاف ڈالنے لگی۔۔

''کچھ وقت لگے گا۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

وہ تسلی ہی دے سکی۔ ماما واش روم وضو کیلئے گئیں۔ تب وہ علیزے کی جانب آ گئی تھی۔ صلہ شاید جا چکی تھی۔ علیزے کمرے میں بالکل اکیلی بہت خاموش بے حد گم صم نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں کی گہرائی میں کچھ آنسوؤں کی بھی نمی تھی۔ جبھی آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

وہ آہستہ اور بوجھل قدم اٹھاتی قریب آ گئی۔

''صلہ آپی کہاں ہیں.....؟''

''نیچے ہے۔ چائے بنانے گئی ہے۔''

وہ چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔ مدھم لہجے میں جواب دے کر بستر پر نیم دراز ہو گئی؟

''اتنی پیاری لگ رہی ہیں۔ آئینہ دیکھا ہوتا تو خود پر پیار آ جاتا۔ عمر بھائی تو خود پر رشک کریں گے۔

وہ اس کا ذہن بٹانا چاہتی تھی۔ جبھی ایسی بات کی تھی۔ مگر علیزے نے جواباً جیسی نظروں سے اسے دیکھا وہ خود شرمندہ ہو کر رہ گئی۔

''کوئی فائدہ نہیں۔ ہر کوشش کر چکی میں..... اب عمر صاحب اپنا ہر مقدمہ خود لڑتے پھریں۔ یہ ہماری سننے ماننے پر تو تیار نہیں۔''

صلہ ٹرے میں مگ سجائے چلی آئی تھی۔ زارا سرد آہ بھر کے وہیں بیٹھ گئی۔

''ان کے پیروں میں مہندی لگا دیں۔ خشک ہونے میں بھی ٹائم لگے گا۔''

دراز کھینچ کر وہ مہندی کی کون برآمد کر چکی تھی۔''

''مجھے نہیں لگوانی..... طبیعت ٹھیک نہیں ہے میری..... بس آرام کروں گی۔''

اس نے چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے ایک بار پھر ہٹ دھرمی دکھائی۔ دونوں اک دوجے کی شکل دیکھنے لگیں۔

''مگر بجو مہندی.....''

زارا نے احتجاج کرنا چاہا تھا کہ وہ ناگواری سے ٹوک گئی تھی۔

''ان فارمیلٹیز سے زیادہ لڑکی کی رضا مندی اہم ہوتی ہے زارا.....! جب اس کے بغیر شادی ہو سکتی ہے تو پھر ان تقاضوں کو نبھانا بھی ضروری نہیں۔''

اس کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ زارا کی رنگت متغیر ہونے لگی۔

''مگر بجو آپ کی رضا مندی.....''

''ہاہ..... رضا مندی.....''

وہ تلخی سے حقارت سے تمسخر سے ہنسی تو آنکھیں چھلک پڑیں۔

''تم سمجھتی ہو وہ رضا مندی دل کی رضا مندی تھی.....؟ خیر جانے دو اس موضوع کو۔''

اس کا انداز زہر خند سے بھرا تھا۔ کپ واپس رکھ کر اس نے لیٹنے کے بعد اپنے اوپر چادر کھینچ لی۔ مطلب واضح تھا۔ اب وہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ صلہ اور زارا سرد آہ بھرتیں کمرے سے نکل گئیں۔

☆☆☆

میرے چارہ گر
تیری چپ کھلے
کہ.....
ہوا کو اذن سفر ملے
میرے زخم کھل کے گلاب ہوں
یہ جو سانس سانس ہیں وحشتیں
یہ سراب و خواب کی منزلیں
یہ دیئے کی لو سی جو آس ہے
تیرا حکم ہو تو یہ جل بجھے
مجھے عشق کا یہ صلہ ملے
تیرے ہاتھ روح کی گرہ کھلے
یہ بدن کی قید سے ہو رہا
تیرا یہ کرم مجھے کیمیا
نہ سوال ہوں نہ جواب ہوں

کسی طور پر ختم عذاب ہوں

اس نے شوخی سے کھنکارتے ہوئے نظم مکمل کی۔ علیزے کی خالی نگاہوں میں سوال اتر آیا تھا۔ گویا پوچھ رہی ہو۔ اس کی کیا ضرورت تھی۔ صلہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

یہ تو عمر صاحب کے جذبات ہیں۔ جو میں نے راہ ہموار کرنے کو آپ تک پہنچائے۔''

علیزے کا چہرہ جیسے سپاٹ تھا ویسے ہی رہا۔ صلہ ایسے جھنجھلا گئی گویا پتھر سے سر پھوڑ کر تھکی ہو۔

''حسن کے سوتے پھوٹ پڑے ہیں آج تمہارے چہرے پر..... ذرا سا مسکراؤ گی تو مزید تباہی مچ جائے گی۔ زارا گڑیا.....! ہوش میں لانے کی دوا ساتھ رکھ دو۔ عمر صاحب کیلئے ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

وہ اس کے دل شکن رویئے کے باوجود شرارت سے باز نہیں رہ رہی تھی۔ گاجر کلر کے لہنگے میں وہ واقعی اس روپ سروپ کے ساتھ اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ نگاہ ہٹنے سے انکاری ہوئی جاتی تھی۔ نکاح ہوا تو اس کے رکے ہوئے آنسو پھر سے بہہ نکلے۔ ماما نے جس وقت اسے گلے لگا کر رخصت کیا اس کی ساس نے اس پر بڑی سی چادر بے ڈھنگے سے انداز میں پھیلا کر اسے سرتاپا چھپا دیا۔ علیزے کو گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ مگر سنی کہاں جا سکتی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ کون اسے گلے ملا یا کس نے پکڑ کر گاڑی میں بٹھایا۔ سفر بہت طویل تھا۔ جو اس نے طے کیا تھا اور اس سے کہیں بڑھ کر صبر آزما۔ گاڑی لاہور کے قدیم علاقے بھاٹی گیٹ سے بھی آگے ایک گھنٹہ تک سفر کرتی رہی تھی۔ تنگ تاریک اور گندی گلیاں جو پیچ در پیچ تھیں۔ بچوں کے ٹولے کا شور جو اس کی طبیعت مکدر کرتا رہا تھا۔ اس پر گرمی حبس بھاری زیورات کے بوجھ سے اس کی کمر جھکی جاتی تھی۔ وہ بہت تھک گئی تھی۔ بیٹھ بیٹھ کر بھی اور رو رو کر بھی سر بہت بھاری تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ گاڑی کے اندر سناٹا تھا۔ بس کبھی کبھار جھنجھلاتے ہوئے ڈرائیور کی بڑبڑاہٹ تو کبھی اس کے مقابل بیٹھی اس کی ساس کی لعن طعن سنائی دیتی۔ جو محلے کے بچوں کی شان میں قصیدے بلند آواز سے پڑھتی تھیں۔ جو انہیں اماں خیرن کہہ کر چھیڑ رہے تھے۔ اس کی ساس جواباً طیش میں ابلتی ان بچوں کی ماں بہن ایک کر رہی تھی۔ گاڑی میں موجود دو مردوں کا لحاظ کئے بغیر۔ وہ جز بز تو ہوئی مگر بول نہیں پائی۔ عمر کی شکل دیکھنا تو دور کی بات اس کی آواز بھی وہ سننے سے محروم رہی تھی۔ اس کی یہ خاموشی علیزے کو حیرانی کے ساتھ الجھن میں بھی گرفتار کر رہی تھی۔ یہاں تک بھی وہ مشکوک ہو گئی تھی کہ وہ گاڑی میں موجود بھی ہے یا نہیں۔

معاً ہچکولے کھا کھا کر آگے بڑھتی گاڑی رک گئی۔ آس پاس شور بہت بڑھ گیا۔ گاڑی کے دروازے کھلنے بند ہونے کے ساتھ عورتوں کی آوازیں بھی ماحول کا حصہ بن گئیں۔ جن میں ہنسی اور بچوں کے رونے کی بھی آوازیں شامل تھیں۔ فضا میں پٹاخے پھوڑ کر شاید خوشی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ اسے گاڑی سے اس کی ساس نے بے دردی سے بازو سے پکڑ کر باہر کھینچا تھا۔ اسے چادر منہ پر ہونے کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بالکل اندھوں والی کیفیت تھی۔ بے بسی کے شدید احساس اور سبکی کے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ معاً اسے پھر دونوں اطراف سے دبوچ لیا گیا۔ مووی کیمرے کی فلش لائٹس اس کی دبیز چادر کے گھونگھٹ سے گھس کر اس کی آنکھیں

چندھیانے لگی۔

''وے عمر.....! وہٹی کے ساتھ چل۔ تجھے کس بات کی آخر آئی ہوئی ہے۔ صبر سے کام لے۔ دلہن تو تجھے ابھی کئی گھنٹے نہیں ملنے والی۔ جتنی مرضی پھرتی دکھا لے۔''

کسی شوخ مزاج خاتون نے ٹھٹھا لگا کر کہا تو ہر طرف کھی کھی شروع ہو گئی۔ ہنسی ٹھٹھولا ور واہیات قسم کے مذاق کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ علیزے کا دل اس ماحول سے گھبرانے لگا۔ شدید نقصان کا احساس جسم اور ہڈیاں چٹخا رہا تھا۔ اسے پکڑ کر عین صحن میں ایک کرسی پر بٹھانے کے بعد اس کی چادر اتار دی گئی۔ اس نے اس خلاصی پر قدرے سکھ کا سانس بھرتے چہرہ اٹھا کر اکڑ جانے والی گردن کو سہلانا چاہا تو نگاہ سامنے اٹھ گئی۔ وہ شاید نہیں یقیناً عمر تھا۔ عمر دراز..... یک ٹک اسے دیکھتا نگاہوں میں لیا کچھ نہ تھا۔

حیرانی

غیر یقینی

تحیر ہی تحیر

استعجاب

علیزے کی نظروں کو محسوس کر کے وہ ایک دم سٹپٹایا اتنا پزل ہوا کہ فی الفور وہاں سے ہٹ گیا۔ انداز بوکھلاہٹ آمیز تھا۔ علیزے ساکن و سامت رہ گئی تھی۔ کسی بھی دولہا کی جانب سے ایسا رسپانس اسے اب تک کی زندگی میں دیکھنے میں یا سننے کو نہیں ملا تھا۔

نہ اشتیاق

نہ شوق

نہ شوخی نہ شرارت

نہ جذبے نہ خوشی

وہ تو کسی ناخواندہ لڑکی کی مانندری ایکٹ کر چکا تھا۔ اس حیرانی یا پھر بوکھلاہٹ کی وجہ اسے خاک سمجھ نہیں آ سکتی تھی۔ اس کا دماغ آل ریڈی مفلوج اور شل تھا۔ ایک خاتون اس کا میک اپ سنوارنے لگی تھیں۔ سستے سینٹ اور پسینے کی ملی جلی لپٹیں..... علیزے کا غوطے کھاتا دل ابکائیاں لینے لگا۔ چہرے پر جو تاثرات ابھرے انہیں محسوس کر کے خاتون برا مان گئی تھی۔

''خیرن خالہ تیری نوں تو بڑی مجاجاں والی ہے۔ پتا نہیں لگا کے کھائے گی تیرے ساتھ کہ نہیں..... آخر اتنے وڈے گھر کی دھی ویاہ کے لائی ہے۔ سہنا تو پڑے گا تجھے۔''

وہ اپنی پاٹ دار آواز میں گل افشانی کر رہی تھیں۔ علیزے گھبرا سی گئی۔

''ہاں بھئی۔ ذرا دبا کے ہی رکھنا اماں! ایسی لڑکیاں اپنے حسن کے دام میں میاں کو الجھا کر سب کچھ ہتھیانے میں ماہر ہوتی ہیں۔''

سیما بھابی بھی آ گئی تھیں۔ مایوں کے جوڑے میں ملبوس..... شکل سے ہی خرانٹ لگتی تھیں۔ مردانہ قدو قامت بڑے بڑے ہاتھ پیر..... وہ وہی بول رہی تھیں۔ جو وہ خود کر کے دکھا چکی تھیں۔ حالانکہ اللہ گواہ ہے حسن نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں تھی۔ اللہ جانے دام میں کیسے پھانس لیا تھا۔

''تو فکر نہ کر..... اتنی وی چوچی نہیں ہوں میں۔ عمر میرے خلاف جا کر تو دیکھے۔''

ماں نے بیٹی کو ڈھارس دی تھی۔ علیزے ساکت بیٹھی تھی۔ بیٹھی رہی۔ رسموں کے نام پہ دو گھنٹے اسے وہیں سزا دی گئی۔ تب کہیں جا کر اسے اوپر اس کے کمرے میں پہنچایا گیا۔ جو ریشمی رنگین پھولوں اور برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ اس کے جہیز میں سے صرف بیڈ اور الماری کمرے میں موجود تھیں۔ کمرا چھوٹا سا اور خستہ حال تھا۔ البتہ رات کے وقت خوشگوار ہوا چلنے کے باعث گرمی کا احساس کم تھا۔

''بھرجائی آپ آرام کرو۔ میں عمر بھائی کو بھیجتی ہوں۔ ویسے اگر بھوک شوک لگی ہے تو بھی مجھے بتا دیں۔ ورنہ ندیدے مہمانوں نے سب چٹ کر جانا ہے۔''

اس کی چھوٹی نند جو سہارا دے کر اسے یہاں لائی تھی۔ بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کچھ عجلت میں بول رہی تھی۔ علیزے نے سر کو نفی میں جنبش دی اور بیڈ پر ٹک کر بے دلی سے اپنے جگمگاتے لباس پر نگاہ کی۔ وہ شہر کے سب سے مہنگے پارلر سے تیار ہوئی تھی تو یہ اس کی اس موقع پر خود کو دی اہمیت نہیں اس کا اسٹینڈرڈ ہی یہی تھا۔ مگر اس کا نصیب.....

اس نے اپنی ہتھیلیوں کو خالی نظروں سے دیکھا اور سسکیاں دبانے کو ہونٹ بھینچ لئے۔ ٹپ ٹپ تمام تر ضبط کے باوجود اس کے آنسو اس کی ہتھیلیوں کو نم کرتے رہے تھے۔ جانے کتنی دیر تک وہ یونہی دل کا بوجھ کم کرتی رہی۔ نیچے سے آتا شور بتدریج کم پڑتا گیا۔ وال کلاک کی ٹک ٹک گہرے ہوتے سناٹے پر غالب آتی گئی۔ اس کے بھی بہت دیر بعد دروازے کے باہر قدموں کی آواز ابھری تھی۔ علیزے جو ماحول سے غافل ہو چکی تھی قدرے چونکی..... عمر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہا تھا۔ علیزے نے نگاہ اوپر نہیں اٹھائی۔ اس کے دل میں اسے دیکھنے کی معمولی سی بھی خواہش نہیں ابھری تھی جبکہ وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا دل کی تیز تر ہوتی دھڑکن کے ساتھ اسے درزیدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جتنا سنا تھا وہ اس سے کہیں بڑھ کر حسین تھی۔ اتنی کہ نگاہیں چندھیانے لگی تھیں۔ وہ پھر نروس ہونے لگا۔ اماں کی آپا سیما کی نصیحتیں پڑھائی پٹیاں ازبر تھیں۔ وہ اسے کہیں سے بھی شاطر اور مکار نہیں لگی۔ دلکشی و معصومیت کا پیکر تھی۔ جو حواسوں پر چھا جائے۔

''آ آپ ابھی تلک ایسے کیوں بیٹھی ہیں.....؟ چینج کر کے آرام کر لیں۔''

خاصے جھجکے ہوئے انداز میں سلام کرنے کے بعد وہ اسی کتراتے ہوئے انداز میں علیزے سے مخاطب تھا۔ تب علیزے نے ناچاہتے ہوئے بھی سر اونچا کر کے اسے دیکھا۔ اس کی نظریں کسی حد تک تیکھی تھیں۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملنے پر بے ساختہ نظریں چرا گیا۔ علیزے کو عجیب سی سبکی و توہین محسوس ہوئی۔

''یہاں اس کمرے میں اس قسم کی کوئی سہولت میسر نہیں تھی۔ ورنہ میں بھی اس انتظار کی زحمت میں نہیں پڑتی۔''

جواباً جس طرح وہ تڑخ کر بولی تھی۔ عمر کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ رہا سہا اعتماد بھی جاتا رہا۔ اسے تو کچھ سوجا نہیں تھا کہنے کو..... اپنے تئیں تو ہمدردی کی تھی بیچارے نے جو گلے پڑ چکی تھی۔

''معذرت..... میں..... آپ کے بیگ کا ابھی پتا کرتا ہوں..... سعدیہ.....''

وہ ہچکچاہٹ بوکھلاہٹ کا شکار سٹپٹا کر کہتا تیزی سے ایسے باہر نکلا جیسے تیر کمان سے..... علیزے سلگتی جھلستی نظروں سے ہلتے پردے کو دیکھتی رہی۔ اس کے احساسات سے بے خبر وہ خود کو بے مائیگی کے شدید احساس کے ہمراہ ذلت کی پستیوں میں گرتا محسوس کرنے لگی۔ ماں بہنوں کے بعد اب اسی شخص کی اس عزت افزائی کی کسر تھی۔ جو پوری ہوئی۔ وہ پوری طرح مایوس پوری طرح دلبرداشتہ ہو کر نم پلکیں جھپکتی اٹھی۔ چہرہ جل سا رہا تھا۔ صاف لگ رہا تھا۔ یہ معمولی شخص جان بوجھ کر اسے ذلیل کر کے گیا ہے۔ دوپٹے کی پنیں نکالتے ہوئے اس نے آنسو پینے کو ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ اب بالکل رونا نہیں چاہتی تھی۔ اسے یہ گوارا نہیں تھا کوئی یہ سمجھے کہ اسے اس شخص کی توجہ کی خیرات چاہئے تھی۔

جس وقت سعدیہ کے ہمراہ عمر کی واپسی ہوئی وہ دوپٹہ اتار چکی تھی۔ اب زیورات ایک ایک کر کے جسم سے الگ کر رہی تھی۔

''بھابی یہ رہا آپ کے کپڑوں کا بیگ..... کون سا سوٹ پہنیں گی؟ بتا دیں استری کر دیتی ہوں۔''

اس کی وہی نند جو یہاں چھوڑ کر گئی تھی۔ اس سے مخاطب تھی۔ بیگ وہ بیڈ کے نیچے سے کھینچ کر نکال چکی تھی۔ عمر دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ اس کی نظروں کی تپش کو محسوس کر کے ہی علیزے نے اتار کر رکھا دوپٹہ پھر سے اٹھا کر شانوں پر ڈال لیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہیں۔ تم رہنے دو۔ میں خود نکال لوں گی۔''

سعدیہ تو جیسے ایسی ہی کسی بات کی منتظر تھی۔ سکھ کا سانس بھرتی رفو چکر ہو گئی۔ علیزے نے بیگ کھول کر پیازی کلر کا نسبتاً سادہ سوٹ منتخب کیا تھا۔ کپڑے اٹھا کر سیدھی ہوئی تو صوفے پر بیٹھے محویت سے اپنی ذات میں گم عمر پر نظر پڑی۔ وہ جس طرح دیکھ رہا تھا۔ علیزے فطری طور پر کنفیوژ ہوئی تھی۔ گڑبڑا تو عمر بھی گیا تھا۔ جبھی فی الفور نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔ علیزے کو پھر عجیب سی الجھن نے آن لیا۔ عمر کا رویہ ہرگز نارمل نہیں کہا جا سکتا تھا۔ سر جھٹک کر وہ کپڑے اٹھائے واش روم میں گھس گئی۔ کپڑے بدل کر منہ ہاتھ دھو کے باہر آئی تو عمر سگریٹ کے دھویں کے مرغولے بناتا کھڑکی کے آگے کھڑا تھا۔

علیزے نے اسے نظر انداز کیا تھا اور کپڑے الماری میں رکھ کر بستر پر آنے کے بعد جوڑے میں بندھے بال کھول کر دراز ہونے سے قبل چادر کا ایک سرا کھول کر اپنے اوپر کھینچ لیا۔ عمر اس وقت پلٹا تھا اور وہ جو کروٹ بدل رہی تھی۔ اسے کچھ کہنے پر آمادہ پا کر ارادہ بدلتی اسے سوالیہ نگاہوں سے تکنے لگی۔

''آ آپ کو گرمی تو نہیں لگ رہی.....؟ مم میرا مطلب ہے یہاں آپ کے گھر جیسی سہولیات تو ہیں نہیں.....''

وہ بولا تھا تو کیا..... یا پھر کچھ کہنے کی کوشش میں کچھ اور کہہ گیا تھا۔ علیزے کو نئے سرے سے دکھ اور سبکی نے آن لیا۔ اس نے کچھ اکتاہٹ آمیز بے زاری سے اس کنفیوژڈ آدمی کو دیکھا۔ پتا نہیں وہ اتنا عدم اعتماد کا شکار کیوں تھا۔

''اگر لگ بھی رہی ہو تو آپ کے پاس اس کا کوئی حل ہے.....؟ یقیناً نہیں۔ تو پھر اس سوال کا مقصد.....؟''

وہ اتنا چڑی تھی۔ اتنی بدمزا ہوئی تھی کہ لحاظ رکھے بغیر اسے سنا دیں۔ عمر کو اس سے شاید ایسے جواب کی قطعی توقع نہیں تھی۔ جبھی اس کا رنگ ایک دم سے پھیکا پڑ گیا۔ نظریں چراتا وہ ہونٹ بھینچ گیا تھا۔ کچھ دیر تلک ان کے بیچ تکلیف دہ خاموشی حائل رہی۔ جسے عمر نے ہی توڑا تھا۔

''مجھے احساس ہے کہ آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ یہاں کچھ بھی آپ کے شایان شان نہیں ہے۔''

وہ دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ نظریں کترائے بے حد بھاری آواز میں گویا تھا۔ علیزے کے چہرے پر واضح تمسخر پھیل گیا۔

''اچھا.....'' وہ گہرے کاٹ دار طنزیہ انداز میں ہنسی۔ پھر زہر خند سے مزید بولی تھی۔

''اگر اتنا میرا احساس تھا آپ کو تو پھر نہ کی ہوتی یہ شادی.....''

اس کے اعصاب شدید تناؤ کا شکار ہو کر چیخ رہے تھے۔ لہو کی کھولن بڑھ کر دماغ میں ٹھوکریں مار رہی تھی۔ احساس زیاں احساس بے مائیگی کچھ مزید گہرا ہوا۔ حد ہو گئی تھی یعنی ذلت کی بھی ایک خوش فہموں کا ٹولہ تھا زارا اور صلہ..... پتا نہیں کیا کیا پیشن گوئیاں کر رہی تھیں۔ یہاں تو ایسا کچھ جادو نہیں چل سکا تھا۔

نہ حسن جہاں سوز کا
نہ جی بھر کے کیے گئے سنگھار کا

توہین آمیز احساس اس کی روح کو کچوکے لگاتا جاتا تھا۔ وہ اپنے آنسو نہیں دکھانا چاہتی تھی۔ جبھی سر تک چادر کھینچ لی۔ عمر کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا تھا۔ وہ جو وضاحت کو منہ کھول رہا تھا۔ خیمہ زن ہو جانے والی بے حد حسین بے حد امیر بے حد غصیلی دلہن کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکا۔

☆☆☆

رات بھر گرمی حبس کی وجہ سے وہ سو نہیں سکی تھی۔ صبح دم لائٹ بھی کچھ ٹکی تھی۔ اسی وجہ سے شاید اس کی آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ آنکھ کمرے میں ہونے والے شور سے کھلی۔ وال کلاک دس بجا رہا تھا۔ دھوپ کھڑکی اور کھلے دروازے کے رستے اندر تک آ رہی تھی۔ کمرا بھانت بھانت کے چہروں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ بے زاری اٹھ بیٹھی۔

''اتنی دیر تک سوتی ہو.....؟ نہا دھو تو لینا تھا۔ رحمت کے فرشتے پاس نہیں آتے۔''

وہ کھلے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل دے رہی تھی۔ کسی بیاہتا کی نصیحت پر ساکن ہو گئی۔ ہونٹ باہم بھینچ گئے تھے۔ خواتین کے درمیان یہی موضوع چھڑ چکا تھا۔ گزشتہ شب کے حوالے سے

☆☆☆

ہنسی مذاق

شوخیاں

چٹکلے

اس کے چہرے کا تناؤ بڑھنے لگا۔ بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اس نے کسی شناسا چہرے کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تو سعدیہ اسے میز پر چڑھ کر بیٹھی نظر آئی۔ اس نے ہاتھ سے اسے پاس بلایا تھا۔ وہ بڑی معتبر بن کر تیزی سے قریب آئی۔

''ہاں جی بھرجائی.....؟''

''مجھے باتھ لینا ہے۔ میرے کپڑے نکال دو۔''

وہ مدھم سا بولی تھی۔ اسے غسل کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر ان جاہل عورتوں کو اک موضوع نہیں دینا چاہتی تھی اپنے حوالے سے جبھی یہی مناسب سمجھا تھا کہ ان کے قیاس کو درست ثابت کر دیا جاتا۔ ورنہ رات ایسا کچھ قابل ذکر نہیں ہوا تھا کہ ایسا اہتمام کیا جاتا۔ عجیب جھینپو شخص تھا۔ وہ جتنا نروس نظر آتا تھا۔ اس سے بڑھ کر گریزاں تھا۔

رات اس کے بستر پر لیٹ جانے کے بعد وہ صوفے پر سکڑ سمٹ کر لیٹا تھا اور صبح فجر کی پہلی اذان کے ساتھ یوں اٹھ کر بھاگا تھا۔ جیسے قید سے رہائی ملی ہو۔ انتظار میں تو وہ بھی اس کے پلکیں فرش راہ نہیں کئے ہوئے تھی۔ مگر اس قسم کی نظر اندازی کی بھی کہیں سے توقع نہیں تھی۔ لاشعوری طور پر سہی وہ خود کو اس شخص سے ہر لحاظ سے برتر سمجھ رہی تھی۔ شکل صورت، تعلیم، حیثیت تک میں..... گمان میں تھا۔ وہ مرعوب ہوگا۔ بچھ جائے گا۔ مگر نتیجہ الٹ تھا۔ بالکل الٹ.....

اسے رات سے ہی آگ سی لگی ہوئی تھی۔ سبکی کا یہ احساس بہت زیادہ جان لیوا تھا۔

سعدیہ نے جھپک اس کے کپڑے واش روم میں لٹکا دیئے۔ وہ سب کو نظر انداز کئے باتھ لینے گئی۔ خاصی تاخیر سے بہت دیر تک پانی کے نیچے بیٹھ کر فریش ہوئی تو لباس پہن کر بال تولیے سے لپیٹ کر باہر آ گئی۔ کمرا اب بھانت بھانت کی عورتوں سے خالی ہو چکا تھا۔ صرف سعدیہ تھی۔ جو سوٹ کیس کھولے غالباً ولیمہ کا جوڑا نکالے بیٹھی تھی۔

''بھرجائی دیکھو کتنا حسین ہے۔ بہت کھلے گا تم پر.....''

وہ مسرور سی بولی تھی۔ علیزے نے محض اک نگاہ یکھا۔ میرون سٹرے ہوئے سے رنگ کا سستا لباس تھا۔ جس پر تھرڈ کلاس قسم کا روایتی کام بنا ہوا تھا۔ جیولری اور میک اپ کے سامان کا بھی معیار ظاہر تھا۔ وہ کچھ

نہیں بولی۔ آگے بڑھ کر تولیہ ہٹا کر بال پشت پر گراتے ہوئے ہیئر برش اٹھا لیا۔

''ناشتہ لاؤں بھابی.....؟ عمر بھائی نے بھی نہیں کیا۔''

سعدیہ اٹھی تھی۔ اسی پل دروازہ کھول کر اماں اور سیما اندر چلی آئیں۔ دونوں کے تاثرات بے حد تلخی وتناؤ لئے تھے۔

''اٹھ گئی مہارانی..... صبح ہوگئی.....؟''

سیما کا لہجہ ملامتی ہی نہیں کڑا بھی تھا۔ علیزے کے ہاتھ میں ہیئر برش لرز گیا۔ گلچھرے اڑاؤ اور صبح

''آخری بار بتا رہی ہوں..... ہمارے گھر میں یہ رواج نہیں کہ رات کو دیر تک بے شرمی سے پڑے سوتے رہو۔ عمر بتا دے اپنی زنانی کو..... یہ بے حیائی یہاں نہیں چلے گی۔''

اماں نے چلاتے ہوئے کہا تھا۔ علیزے کا رنگ بالکل سرخ پڑ گیا۔ ذلت کا ایسا آغاز ہوا تھا کہ اس کا بس نہیں چلا زمین پھٹے اور وہ پوری سما جائے۔ عمر کے سامنے ایسی بے عزتی نے اسے واقعی نظریں اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ وہ دروازے کے پاس سر جھکائے گویا مجرم بنا کھڑا تھا۔ صاف لگتا تھا۔ اس کی کلاس لگانے کو دونوں اسپیشل بلا کے لائی ہیں۔

''دیکھیں ذرا' گھنہ میسنا..... ایک ہی رات میں کیسا عاشق ہوا ہے۔ جواب تک نہیں دیا آپ کی بات کا..... اب یہ حیثیت ہے اس کی نظروں میں آپ کی۔''

سیما ہاتھ نچا کر بول رہی تھیں۔ علیزے ذلت کے شدید احساس سمیت کانپنے لگی۔

''وے عمر.....! رات دل کے ساتھ زبان بھی اس کے قدموں میں نثار کر چکا ہے بے شرم۔''

اماں ہول کر آگے بڑھی تھیں اور عمر کو دو ہتڑوں سے پیٹ ڈالا احتجاج کا انداز اتنا شدید تھا کہ وہ ہڑ بڑا سا گیا۔

''اماں..... خدا کیلئے۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو.....'' وہ منمنایا ہی تھا۔ علیزے نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا اور رخ پھیر لیا۔

''اماں بھرجائی کو کچھ کھا تو لینے دے۔ سویرے سویرے لڑنے پہنچ گئی تو.....''

سعدیہ ناشتے کی ٹرے سمیت پہنچ چکی تھی۔ خاصی بدتمیزی سے مداخلت کی۔ سیما کو پارلر جانا تھا۔ وہ اس لئے نکل چکی تھی۔ اماں کو بیٹی کی بات جز بز کر گئی۔

''شرم کر بے ہدایتے ماں سے ایسے بولتے ہیں؟''

اماں نے چیل کی طرح جھپٹ کر اسے گدی سے پکڑ لیا۔ سعدیہ ذرا بھی نہیں گھبرائی۔

''ہاں تو ایک رات کی دلہن سے بھی ایسے نہیں لڑتے جیسے تو لڑ رہی ہے اماں۔''

وہ دو بدو بولی تھی۔ اماں اسے پھٹکارتیں باہر کھینچ کر لے گئیں۔ شاید ڈر گئی تھیں۔ بیٹی کی دیکھا دیکھی بہو کی بھی زبان نہ کھل جائے۔ البتہ جاتے جاتے عمر کو ضرور پکار گئی تھیں۔

''وے عمر.....! تو باہر آ ذرا۔ ادھر ناشتہ نہیں کرنا تو نے سنا؟''

عمر نے ان سنی کرتے دروازہ بند کر دیا تھا۔ پھر خائف اور مضطرب نظروں سے علیزے کو دیکھا۔ جس کا چہرہ دوسری جانب تھا۔ اللہ جانے رو رہی تھی۔ مخمل جیسے نم بال پوری پشت پر بکھرے ہوئے تھے اس کا دل بے تحاشہ بوجھ سمیٹ لایا۔

''ناشتہ کر لیں۔ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

اسے علیزے تک آنے اسے مخاطب کرنے کیلئے کتنی ہمت اور حوصلہ درکار ہوا تھا۔ یہ علیزے کو کیا خبر تھی۔ جبھی وہ اسے دیکھتے ہی گھورنے لگی تھی۔

''میری فکر میں ہلکان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ نیچے جائیے۔ آپ کی والدہ آپ کی اس کوتاہی پر دوبارہ آپ کی عزت میں اضافہ کرنے سے گریز نہیں کریں گی یقیناً۔''

وہ پھنکار پھنکار کر بولی تھی۔ عمر نے گہرا سانس بھر لیا۔ کچھ دیر اس کا لال بھبھوکا چہرہ دیکھتا رہا۔

''اماں غصے کی تیز ہیں۔ دل کی بری نہیں ہیں۔ اور.....''

''عمر صاحب.....! مجھے آپ سے آپ کی اماں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ آپ جا سکتے ہیں یہاں سے۔''

اب کے وہ بہت غصے میں باقاعدہ ڈانٹ کر کہہ گئی تھی۔ وہ اس صفائی سے جیسے بپھر گئی تھی۔ جس وقت اسے بولنا چاہئے تھا۔ اس وقت منہ میں گھنگیاں ڈالے رکھیں۔ اس کی ماں بہن اسے بغیر کسی غلطی کے ذلیل کر کے رکھ گئیں۔ وہ تماشہ دیکھتا رہا۔ اب یہ ڈھارس تو پھر سراسر مزید تذلیل تھی اس کی ذات کی..... اس کا دماغ کھول اٹھا تھا اور غصے میں وہ ہرگز لحاظ نہیں رکھتی ہوتی تھی۔ عمر اس درجہ قہر زندگی کے مظاہرے پر ہل سا گیا۔ اس کے چہرے پر جو رنگ اترے تھے وہ صرف خفت کے نہیں تھے۔ کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے ہونٹ لرزے مگر اس کے تاثرات میں گنجائش نہ پا کر وہ مایوس سا پلٹ گیا۔ علیزے رخ پھیرے بنا اجازت بہہ جانے والے آنسوؤں کو رگڑ کر صاف کر رہی تھی۔

☆☆☆

ولیمہ کی تقریب کیلئے وہ خود گھر پر تیار ہوئی تھی۔ سیما پارلر گئی تھی۔ مگر اسے کسی نے جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا۔ اماں نے سعدیہ سے کہلوا دیا تھا۔ وہ خود اپنی تیاری کرے۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ کوئی احتجاج نہیں اور خود تیار ہو گئی تھی۔ وہ ایک جیتی جاگتی لڑکی سے موم کی گڑیا میں خود کو ڈھال رہی تھی۔ ایسی گڑیا جس کا وجود تو ہوتا ہے۔ جذبات و احساسات نہیں ہوتے۔ جس وقت وہ تیار ہو رہی تھی۔ عمر کتنی بار بہانے بہانے سے کمرے میں آیا تھا۔ مگر علیزے نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا۔ حالانکہ وہ اس کی نظروں کو محسوس کر رہی تھی۔

''اس دراز میں کچھ رقم ہے۔ نکال دیں پلیز.....''

علیزے نیکلس پہن کر ڈوری کھینچ رہی تھی جب عمر ایک بار پھر اس کے پیچھے آ کھڑا ہوتا گریزاں سے

انداز میں مخاطب ہوا۔علیزے نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔وہ نظریں جھکائے کھڑا تھا۔انداز خائف قسم کا تھا۔ علیزے کو بیک وقت اس پر ترس بھی آیا غصہ بھی۔

''خود لے لیں۔''

اس کی بڑھائی چائی نظر انداز کئے وہ ضدی انداز میں بولی تھی۔عمر نے حیران نظریں اٹھائیں۔ان نظروں کے گریز کو وہ صاف پا گئی۔وہ سچی سنوری حالت میں تھی۔اس پر ستم دوپٹے کے بغیر تھی۔گلا بھی اتنا گہرا..... یہ گریز ایک مرد خاص کر شوہر کیلئے ناقابل یقین تھا۔وہ حیران تھی۔اسے ستانے آزمانے پر تل گئی۔ضد پہ اتر آئی۔عمر اس کی کیفیت نہیں سمجھا۔البتہ گریز کا دامن بھی نہیں چھوڑا۔

''آپ ذرا ہٹ جائیں پھر۔''

وہ وہیں کھڑا کہہ رہا تھا۔علیزے نے جواباً اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''میں دراز کے سامنے نہیں ہوں..... آپ دیکھ رہے ہیں۔''

اب کے وہ بدمزگی سے بولی تھی۔انداز جتلاتا ہوا تھا۔عمر ایک دم شرمندہ ہو گیا۔ہونٹ بھینچتے ہوئے آگے بڑھا اور دراز کھول کر پیسے نکالے اور تیزی سے پلٹ گیا۔علیزے ہونٹ کچلتی رہی تھی۔دل پر موجود جلن بڑھتی جا رہی تھی۔اسے ایک بار پھر نمائش بنا کر صحن میں کرسی پر بٹھا دیا گیا۔محلے اور رشتہ دار خواتین نے اسے سو سو روپے سلامیاں دی تھیں۔کھانا کھایا اور چلو جی تقریب کا اختتام ہو گیا۔اس کے بعد سیما کی بارات کے استقبال کیلئے ہوٹل کا رخ کیا گیا۔انتظامات شاندار تھے۔کھانے اعلیٰ قسم کے..... وہ اسی لباس میں تھی۔مگر دلہن کی حیثیت ختم کر چکی تھی۔جبھی اسٹیج پر جگہ نہیں پا سکی۔جس وقت صلہ ماما اور زارا وغیرہ اس کے پہنچیں اس کا ضبط اپنا آپ آزما چکا تھا۔اسد تو خیر دولہا تھا۔اس نے کہاں اس کی خبر لینی تھی۔عمر بلیک سوٹ میں ملبوس تھا۔لمحہ بھر کو ماما وغیرہ کے پاس ٹھہرا سلام دعا کی اور ادھر ادھر ہو گیا۔مما اور زارا گم صم سی اس کے پاس کرسیوں پر بیٹھی رہیں۔

''آپی آپ اتنی خاموش کیوں ہیں.....؟''

زارا کو اس کی چپ مارے ڈالنے لگی۔اس وحشت سے چھٹکارے کی خاطر اسے جھنجھوڑا۔

''کیا بولوں.....؟ تم بتاؤ۔''

جواباً اس کی مسکراہٹ بالکل بے رنگ تھی۔ماما نے ضبط کی کوشش میں ہونٹ کاٹ ڈالے۔انہیں اس کی نظریں سراسر الزام دیتی ہوئی لگی تھیں۔جس بیٹے کی خاطر انہوں نے بیٹی کو داؤ پر لگایا تھا۔اس نے تو آ کر بہن کے سر پر ہاتھ رکھنے اس کا احوال دریافت کرنے کی بھی زحمت نہ کی تھی۔بس سسرالیوں میں گھرا قہقہے لگا رہا تھا۔گم صم تو اسے دیکھ کر صلہ بھی ہو گئی تھی۔اس کا لباس اس کی تیاری اس کی سٹیج سے دمت برداری چیخ چیخ کر اس کی حیثیت کی کہانی سناتے تھے۔اس پر عمر کا بیگانہ انداز۔

''ایسی کون سی گیدڑ سنگھی ہے ان ماں بیٹیوں کے پاس کہ ہر کوئی انہی کا دیوانہ بنا پھر رہا ہے اور آنٹی.....! ذرا پوچھیں ان مکار لوگوں سے..... ولیمہ کی دلہن کا یہ حلیہ اور یہ جگہ ہوتی ہے جہاں علیزے پائی جا

رہی ہے۔''

صلہ زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکی تھی۔ ماما نے گھبرا کر اس کا ہاتھ دبا دیا۔ شاید وہ اس اہم موقع پر کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھیں۔ صلہ نے پہلے حیرانی سے پھر دکھ میں مبتلا ہو کر انہیں دیکھا۔ پھر اس کی نظریں زارا اور علیزے کی جانب اٹھی تھیں۔ علیزے متوجہ نہیں تھی۔ جھکے سر سمیت اپنی ہتھیلیاں تک رہی تھی۔ زارا کی آنکھوں میں بے بسی نمی کی صورت چمکتی تھی۔ وہ چپ ہو کر دکھ میں ڈوبنے لگی۔

''یہ تو صاف صاف غنڈہ گردی ہے۔ علیزے تم بتاؤ..... یہ عمر صاحب اتنے دور دور کیوں ہیں ابھی تک تم سے.....؟''

صلہ اس کی جانب سرک آئی تھی۔ سرگوشی میں بولی۔ علیزے زخمی انداز میں مسکرا دی تھی۔

''یہ سوال غیر اہم ہے صلہ! جب قسمت خراب ہو تو پھر کچھ بھی کارگر نہیں ہو سکتا۔ نہ حیثیت' نہ حسن' نہ کچھ اور.....''

وہ بولی تو اس کی آواز میں سرد مہری تھی۔ صلہ کو سکتہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

''رات وہ بہت تاخیر سے آیا تھا۔ سننے میں آیا ہے۔ ماں بہن نے جب آنے کی اجازت دی تب صبح ایک زبردست جھگڑا ہوا۔ جس میں مجھے میری حیثیت بتلائی گئی اور یہ محترم کچھ نہیں بول سکے۔''

وہ جانے کس رو میں تھی۔ کہہ گئی۔ صلہ ششدر بیٹھی تھی۔ یوں جیسے یقین نہ آتا ہو۔

''اس کا رویہ کیسا تھا تمہارے ساتھ.....؟''

صلہ کی آواز سرسرانے لگی تھی۔ علیزے نے سرد آہ بھری۔

''شرمندہ ہے بس..... اس کا خیال ہے۔ یہ سب میرے شایان شان نہیں۔''

وہ پھر زہر خند ہوئی۔

''رونمائی میں کیا ملا.....؟''

صلہ جانے کیا کھوجنا چاہتی تھی۔ علیزے کو اب کے ہنسی آنے لگی۔

''متاثر کن نظریں..... وہ مجھے دیکھتے ہوئے ڈرتا ہے۔''

صلہ چکرا سی گئی۔ سراپا سوال بن گئی۔

''میں سمجھی نہیں.....؟''

''بھئی کچھ نہیں ملا رونمائی میں.....''

وہ جھلائی۔ صلہ کا منہ کھل گیا۔

''واٹ.....!!!''

وہ چیخی پھر احساس ہونے پہ آواز دباتے ہوئے بولی تھی۔

''اور..... کیا کہہ رہی تھیں تم.....؟ ڈرتا ہے تم سے.....؟''

''کیوں ڈرے گا یار.....؟ مذاق کر رہی تھی۔''

وہ ٹال گئی۔ مگر صلہ جان چھوڑنے پہ آمادہ نہ تھی۔ اسی بات کو پکڑ لیا۔ تو اسے کہنا پڑا۔

''چوری چوری دیکھتا ہے مجھے..... جب میں دیکھوں تو گھبرا سا جاتا ہے۔ مردوں کی یہ بھی کوئی قسم ہے.....؟''

وہ خاصی معصومیت سے سوال کر رہی تھی۔ صلہ ایک بار پھر ہونق ہو گئی۔ اسے شانزے کے منگیتر منیب چودھری کی نظریں یاد آئیں۔ آر پار ہوتی آنکھیں جیسے پوسٹ مارٹم کر رہی ہوں۔ وہ کیسے ٹھرا جاتی تھی۔ سارا کانفیڈنس زائل ہو جایا کرتا تھا اس کا۔ ساری بولڈنیس دھری رہ جاتی۔ نکاح کے بعد کھانا شروع ہو گیا۔ سب کھانا کھانے چلے گئے۔ علیزے وہیں بیٹھی رہی۔ صلہ نے تسلی دی تھی۔ وہ اس کا اور اپنا کھانا یہیں لے آتی ہے۔ اس نے منع کیا تھا۔ دل ہی نہیں تھا کھانے کا مگر وہ پھر بھی چلی گئی تھی۔ ایسے ہی کسی موقع کا سب سے متلاشی عمر تیزی سے اس کے قریب آ گیا۔

''کھانا نہیں کھائیں گی آپ.....؟''

وہ باقاعدہ کھنکار کر متوجہ کرتا بولا تھا۔ علیزے سر جھکائے سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔ حیرانی سے لانبی پلکیں اٹھائیں۔ وہ پوری طرح متوجہ تھا۔ پہلی بار نظریں نہیں چرائیں۔ علیزے کا دل پھر بھی مکدر سا ہو گیا۔

''جی نہیں۔''

اس کا لہجہ خود بخود خشک ہوا۔ مگر وہ ہمت نہیں ہارنا چاہتا تھا۔ ڈٹا رہا۔

''کیوں.....؟ میرا مطلب ہے خیریت.....؟ طبیعت ٹھیک ہے آپ کی.....؟''

اس کی نظروں کے خشمگیں تاثر سے گڑبڑاتا وہ اگلے سوال پر مجبور ہوا تھا۔

''وجہ آپ کو بتانے کی پابند نہیں ہوں میں..... آپ تشریف لے جائیے۔ آپ کی والدہ یا بہن نے دیکھ لیا تو کیا کریں گے آپ.....؟''

اس کا لہجہ طنز کے تیر برسانے لگا۔ عمر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ ہونٹ خشک سے ہو گئے۔ اسے اندازہ ہوا وہ کتنی خفا ہے۔

''کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دیں.....''

وہ حوصلہ مجتمع کر کے بامشکل بولا۔ مگر علیزے برس پڑی تھی۔

''مجھے اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے گی بھی تو میں آپ کو زحمت نہیں دوں گی۔ سمجھ گئے آپ.....؟''

وہ بولی تو اس کی آنکھوں میں زبردستی آنسو اتر آئے تھے۔ عمر کا رنگ بالکل فق ہو گیا۔ وہ سراسیمہ سا لگا تھا۔ جب صلہ دو پلیٹیں اٹھائے وہاں پہنچی۔ اسے روبرو پا کے رسمی انداز میں مسکرا دی۔

''کیسے ہیں عمر بھائی.....؟''

عمر اتنی جلدی خود کو نہیں سنبھال سکتا تھا۔ محض سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کی سماعتیں ہنوز سنسنا رہی تھیں۔ وہ

خائف نظروں سے علیزے کو بار بار دیکھ رہا تھا۔ کہیں وہ صلہ کے سامنے نہ کچھ الٹا سیدھا بول دے۔

''میں صلہ ہوں۔ علیزے کی دوست۔''

صلہ نے خود تعارف کروایا۔ وہ تو جیسے کچھ نہ بولنے کی قسم کھا چکا تھا۔

''جج..... جی..... آئی نو..... کیسی ہیں آپ.....؟''

وہ بامشکل مسکرایا تھا۔ صلہ بہت دھیان سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بے ساختہ ہنس دی۔

''آپ کی بیگم کی طرح نہیں ہوں کم از کم..... ویسے یہ کیسی لگی ہیں آپ کو.....؟''

اس نے دلچسپی سے کہتے پلیٹیں کرسی پر رکھ دیں۔ عمر آہستگی سے مسکرا دیا۔ اس نے اپنا اعتماد بہت تیزی سے بحال کیا تھا۔

''جیسی یہ ہیں۔ ویسی ہی لگیں۔ بہت اچھی۔''

''صرف اچھی.....؟''

صلہ نے آنکھیں پھیلا کر حیرت کا اظہار ضروری سمجھا۔ وہ ہولے سے ہنس دیا۔

''نہیں۔ بہت پیاری

بہت خوبصورت

بہت منفرد اور انوکھی بھی.....''

اب وہ علیزے کو دیکھ رہا تھا۔ انداز میں شوخی کا عنصر تھا۔ علیزے ٹھٹھک گئی۔ اس نے حیرانی سے عمر کا یہ پراعتماد انداز دیکھا تھا۔

''واؤ..... امیزنگ' بہت خوب بولتے ہیں آپ.....''

صلہ خوشدلی سے کہہ رہی تھی۔ عمر محض کاندھے اچکا چکا تھا۔

''یہ بتائیں علیزے کو پسند آئے آپ.....؟''

اب کے اس کا انداز چھیڑتا ہوا تھا۔ اس سوال پر عمر نے ترچھی نظروں سے علیزے کو دیکھا تھا اور یونہی اسے نگاہ کی زد پر رکھے سوال واپس پلٹا دیا۔

''یہ تو آپ اپنی سہیلی سے پوچھیں۔ وہی بہتر جواب دے سکیں گی۔''

اس کا لہجہ گھمبیر تر ہو گیا۔ اس گھمبیرتا میں ہلکی سی آنچ بھی تھی تپش تھی۔ علیزے نے ہونٹ بھینچ لئے۔

''اکسکیوزمی..... اماں بلا رہی ہیں مجھے۔''

وہ معذرت کرتا پلٹ گیا۔ صلہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دابے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ پھر نگاہ کا زاویہ بدل کر آنکھیں نچا کر اسے دیکھا تھا۔

''دلچسپ شخصیت ہے۔ اس سے یکسر مختلف جو تم بتا چکی ہو۔''

وہ اسے گھور رہی تھی۔ علیزے خود حیران سی تھی۔ کیا جواب دیتی۔

''میری پڑھائی پٹی پر عمل کروا اور اس شخص کو مٹھی میں کر لو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

وہ ہنس رہی تھی۔ علیزے کچھ نہیں بولی۔

☆☆☆

ولیمے کے اختتام پہ وہ ممی اور زارا کے ساتھ ہی آ گئی تھی۔ رسم کے مطابق مگر عمر نہیں آیا تھا۔ اسے اس کی اماں نے اجازت نہیں دی تھی۔

''کل لے آئے گا جا کے..... گھر کا اکلوتا مرد ہے۔ سارا کام ہی اس کے ذمے ہے۔''

انہوں نے بہانہ بنا دیا تھا۔ ماما کچھ نہیں بولیں۔ علیزے کو لگا وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے مگر کہہ نہیں پا رہا۔ اس نے اتنا خاص دھیان نہیں دیا۔ تو عمر نے ہی بہانے سے اسے کمرے میں لے جانا چاہا تھا

''آپ کا پرس اوپر کمرے میں رہ گیا ہے۔ وہ تو لے لیں۔ زیورات اسی میں ہیں سارے۔''

وہ آہستگی سے بولا تھا۔ مگر اماں کا سارا دھیان ہی نہیں کان بھی اس پر لگے تھے۔ شاید بیٹے کے تیور پہچانتی تھیں۔ جبھی مداخلت کر گئیں۔

''رہنے دو۔ سعدیہ لا دیتی ہے۔ زیور تو ویسے بھی میں نے نکال کر سنبھال لئے ہیں۔''

علیزے اس آخری بات پر چونکی تھی۔ اس کی نگاہیں ماما سے ملیں۔ انہوں نے نظروں ہی نظروں میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔ ایسے میں عمر کے چہرے پر امڈتی مایوسی بھلا کس نے دیکھی۔

''اپنا خیال رکھئے گا۔ میں کل آؤں گا۔''

علیزے گاڑی میں بیٹھنے لگی تو وہ دروازے پر جھک آیا تھا۔ کاندھے سے کاندھا ٹکرا گیا۔ علیزے نے بے ساختہ نظریں اٹھائیں۔ وہ نرمی سے مسکرا دیا تھا۔ وہ بے اختیار نگاہ کا زاویہ بدل گئی۔ دل جیسے ساکن تھا ویسے ہی رہا۔ وہ ہرگز اب خود کو کوئی خوش فہمی نہیں دلانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

پوری رات اور اگلے دن بھی تسلسل سے بارش برسی تھی۔ بادل گرجتے رہے۔ مئی کے آخیر میں پھر سے دسمبر جیسی خنکی کا راج ہو گیا۔ اسے نہ سہی ماما کو ضرور عمر کا بے تابی سے انتظار تھا۔ زارا تو شاید اسے فون بھی کر چکی تھی۔ ماما کمرے میں تھیں۔ جب وہ اسے بلانے آئی۔

''آپ کو ماما نے بلایا ہے۔''

وہ اٹھ کر ان کے کمرے میں آ گئی۔ باہر کی نسبت ماما کا کمرا اچھا خاصا گرم تھا۔ مگر وہ پھر بھی کراہ رہی تھیں۔ کمبل زارا نے انہیں پھر سے نکال دیا تھا۔ انہیں جوڑوں کا مرض تھا۔ انہوں نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کو جگہ دی۔ کل انہوں نے اسے منا لیا تھا۔ ماں تھیں اور وہ ان کی بیٹی۔ کب تک خفا رہتی جبکہ قسمت سے فرار حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اب تو ویسے بھی جو ہونا تھا ہو گیا تھا۔

''تیار ہو جانا تھا بیٹے! عمر آتا ہوگا۔''

''آئیں گے تو ہو جاؤں گی۔ ابھی تو نہیں آئے نا۔''

وہ بے نیازی سے کہتی ان کے ہی کمبل میں گھس گئی۔ سرد پڑے جسم کو سکون آمیز حدت نے جیسے تھپکیاں سی دیں تب ہی لائٹ چلی گئی۔

''زارا..... زارا بیٹے موم بتی لے آؤ۔ لائٹ تو نا جانے کب آئے۔''

ماما کی آواز پر وہ حیرانی سے انہیں تکنے لگی۔

''کیا مطلب.....؟ جنریٹر کیوں آن نہیں کیا؟''

''اوپر کا جنریٹر خراب ہو چکا ہے۔''

ماما نے نظریں چرا کر آگاہ کیا تھا۔ علیزے خاموش رہ گئی۔ مزید کسی سوال کی گنجائش نہیں تھی کہ اگر خراب ہوا تو پھر ٹھیک کیوں نہ ہوا۔ ٹھیک کرانے والا خود خراب ہو چکا تھا۔ زارا موم بتی جلا کر رکھ گئی۔ خود چائے بنا رہی تھی۔ علیزے چپ چاپ لیٹی رہی۔ اسے نیند کے جھونکے آنے شروع ہو گئے تھے۔ تب ہی دروازے پر دستک دیتا عمر اندر داخل ہوا۔ اس کی کھنکار پر جہاں علیزے کا دل دھڑکا تھا۔ وہیں ماما ایک دم پر جوش نظر آنے لگیں۔ علیزے بستر میں ہی دبکی رہ گئی تھی۔

''بیٹھی رہیے آنٹی.....''

انہیں اٹھتا پا کر وہ خود نزدیک آ کر جھکا۔ ماما نے بے حد محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پیشانی چومی۔ عمر کی نظریں اطراف میں بھٹک کر یقیناً اسے ہی تلاشنے میں مصروف تھیں۔ جو مایوسی سمیٹ لائیں۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے.....؟ اتنی سردی کیوں لگ رہی ہے؟''

عمر نے ماما کے ہاتھوں کا کپکپانا محسوس کیا تو ازراہ ہمدردی سوال کیا تھا۔ ماما کھسیا کر ہنس دیں۔

''بس بیٹے بڑھاپا آ گیا ہے ناں۔ پھر جوڑوں کا درد..... آپ بیٹھو ناں۔''

انہوں نے خیال آنے پر کہ وہ اب تک کھڑا ہے اسے بیٹھنے کا کہا۔ وہ مسکرا دیا اور بہت انکساری سے وہیں بیڈ کی پائنتی پر ٹک گیا تھا۔ تب ماما بوکھلائیں۔

''ارے رے بیٹے! ادھر بیٹھو صوفے پر.....''

وہ نرمی سے رسان سے مسکرا دیا۔

''نہیں، میں ٹھیک ہوں۔''

پھر انہیں بغور دیکھا۔

''آپ کو بخار وغیرہ تو نہیں چڑھ رہا.....؟ کیونکہ جیسے آپ کپکپا رہی ہیں۔ سردی بہرحال اتنی نہیں ہے۔'' وہ ان کا لرزنا محسوس کر کے ہی کہہ رہا تھا۔

''بخار نہیں ہے بیٹا!''

ماما بے چارگی سے گویا ہوئیں۔

''صبح کے کام سمیٹے تو ماسی کم بخت پچھلا باتھ روم دھوئے بغیر بھاگ گئی۔ سو جو دھونا شروع کیا تو بچیوں کے منع کرنے کے باوجود جت گئی کیا واش روم کیا فرش کیا دیواریں۔ ماسی تو بس دھول جھونک کر جاتی ہے۔ اتنی دیر پانی میں رہی۔ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ اب کسی طور گرم ہونے میں نہیں آ رہے۔

زارا چائے بنانے گئی ہے۔ اسے عمر کے آنے کی کیا خبر بھلا.....''

اپنی کتھا سناتے انہوں نے بیٹی کی داماد کی آمد پر ایسی بے اعتنائی دیکھی تو کمبل کے اندر سے ہی اسے ٹہوکا دیا۔ وہ مگر پھر بھی آمادہ نہیں تھی۔

''میں مل چکا ہوں زارا سے.....آپ فکر نہ کریں آنٹی!''

وہ آہستگی سے نرمی سے مسکرا دیا۔ ماما جز بز ہوئیں۔ علیزے کی ڈھٹائی پر۔

''ارے پیر گرم کرنے کی تو کوئی گولی بھی نہیں۔''

انہوں نے پھر دھائی دی۔ عمر رہ نہ سکا اور اپنی خدمات پیش کر دیں۔ ہاتھ کمبل میں سرکائے خود ذرا سا آگے ہوا اور اپنے تئیں ان کے پیر دابنے لگا۔ وہ اماں کے بھی ایسے متعدد بار ٹانگیں دبا چکا تھا۔ یہ بھی تو والدہ کے درجے پر تھیں اس کیلئے۔''

''آپ کو اس عمر میں پانی کے اتنے کام نہیں کرنے چاہئے تھے۔ میں آپ کی ٹانگیں دبا دیتا ہوں۔''

وہ اس نرمی سے کہتا ایڑیاں مٹھیوں میں بھر بھر کے داب رہا تھا۔ ماما الفاظ سے علیزے اس کی حرکت پر بوکھلائی تھیں۔ وہ ماما کے نہیں علیزے کے پیر تھے۔ وہ اس کا لمس پاتے ہی تھرا سی گئی تھی۔

پہلے تو اس حرکت کی سمجھ نہیں آئی وہ تو جب خود بولا تب وہ اس غلط فہمی کی وجہ جان سکی تھی۔ اب عمر کا ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر ٹانگ سے ابھی بچ ہوا ہی تھا کہ ماما کا کمبل زور دار جھٹکے سے چھت تک اوپر اچھل گیا۔ پھر زمین بوس ہوا۔ اندر آتی زارا نے ماما کے ساتھ عمر نے بھی حیرت کی زیادتی سے اندر سے برآمد ہوتی علیزے کو دیکھا۔ جس کا چہرہ جانے کس کس احساس کے تحت تمتما رہا تھا۔ ماما تو چوکڑی مارے بیٹھی تھیں اور وہ اتنی دیر سے بصد احترام لگن ہمدردی محبت کے ساتھ علیزے کے پیر دبا رہا تھا۔ جب تک بات ایڑی تک رہی تب تک تو ٹھیک تھا۔ اس سے بعد جیسے اسے کرنٹ لگ گیا تھا۔ دراصل پہلے تو اسے حیرانی نے گھیرا تھا۔ پھر دانستہ شرارت پر مائل ہوئی مگر عمر کا مردانہ لمس انوکھا احساس بخش گیا تھا۔ وہ اس شرارت کو طول نہیں دے سکی۔ جبھی ڈنک کھا کر اچھلی۔

''یا اللہ.....اللہ اللہ۔''

چکرا تو عمر بھی گیا تھا۔ اس نے ایک نظر علیزے کے گورے ملائم پیر دیکھے اور ان پر جمی اپنی ہتھیلیاں.....اس کے چہرے پر کتنے رنگ آ کر گزر گئے۔ اگلے لمحے وہ کھسیا کر سٹپٹا کر نہ صرف بستر سے اٹھا بلکہ کئی قدم پیچھے بھی ہٹ گیا۔ علیزے کو وہ خاص حیرانی پریشانی سے دیکھ رہا تھا اور زارا وہ سامنے کھڑی تھی۔ صورتحال جب تک سمجھ میں آئی۔ پوری طرح آئی تو ہنستے ہوئے کارپٹ پر لوٹ پوٹ ہونے لگی۔ وہ پیٹ پکڑ چکی

تھی۔ مگر ہنسی نہیں تھمی۔ علیزے خفت سے سرخ عمر بری طرح کھسیا ہوا۔

''آپ کو ذرا فرق نہیں معلوم میرے اور ماما کے پیروں میں.....؟''

زارا کے قہقہے ماما کی دبی مسکراہٹ علیزے کو غصہ دلانے کا باعث بن گئی۔ جبھی وہ عمر پر چڑھ دوڑی تھی۔ یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ عمر کی کھسیاہٹ مزید بڑھ گئی۔ وہ چکرا سا گیا۔

''مم.....مم..... مجھے تو بخدا یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ..... آپ بھی اس کمرے میں..... بلکہ اس بیڈ پر.....'' وہ اٹک اٹک گیا۔

''بلکہ اس کمبل میں ہو۔''

زارا نے شرارت سے کہتے ہوئے جملہ ٹانکا۔ علیزے کا چہرے جھلسنے سا لگا۔ وہ جھلائی ہوئی سی بستر سے اتری۔

''اب بیٹھ جائیں۔ کھڑے کیوں ہیں.....؟ کسی نے سزا تو نہیں دی۔''

منہ بگاڑ کر کہتی وہ اپنی کلائی پر چڑھا بینڈ بالوں کو سمیٹ کر چڑھانے لگی۔

''کچھ نہیں ہو گیا بیٹے! آپ بیٹھ جاؤ۔''

ماما نے عمر کے اڑے رنگ اور حواس باختگی کو دور کرنے کیلئے نارمل انداز میں کہا۔

''چلیں چائے پئیں۔''

زارا نے بھی معاملہ سمیٹ دیا۔ عمر اٹھ کھڑا ہوا۔ ارادہ ہاتھ دھونے کا تھا۔

''ویسے تو آپ اتنے نخرے دکھاتی ہیں۔ اب شرم نہیں آئی آپی.....! اتنے بڑے ہیں وہ آپ سے.....''

زارا نے عمر کے ہٹتے ہی لتے لئے..... ماما نے بھی آنکھیں دکھائیں۔

''کیا ہو گیا زارا.....! شوہر بھی ہے وہ اس کا' لیکن بیٹے..... شرارت میں بھی ایسے مذاق نہیں کرتے۔ ابھی پھر مزاج کو بھی نہیں سمجھی تم.....''

انہوں نے زارا کو گھرک کر ساتھ ہی علیزے کو بھی نصیحت کر دی۔

''مجھے کیا کہہ رہی ہیں.....؟ آپ ہی نے گھسایا تھا اندر..... اب خوامخواہ..... میں کیوں فری ہونے لگی محترم سے..... ایسا بھی پیار نہیں ہوا۔''

وہ ماما کی نصیحت کے ساتھ زارا کے جتلانے پر جھلس گئی تھی اور آگے بڑھ کر چائے کا مگ اٹھا لیا۔

اندر آتے عمر نے اس کا یہ اطمینان کچھ بے چین ہو کر دیکھا تھا۔ گویا واپسی کا کوئی ارادہ ہی نہ ہو۔

''چائے پی لیں تو تیاری کر لیں۔ شام ہو چکی ہے۔ موسم بھی بہتر نہیں۔''

وہ اس سے مخاطب تھا۔ مگر ایسے کہ کوئی نہ سن سکا ماسوائے اس کے۔ اس نے بھی جیسے سرے سے نظر انداز کر دیا۔

''ٹھیک طرح ہو کر بیٹھو بیٹے اور یہ کیک وغیرہ بھی لو ناں.....''

ماما کی ساری توجہ عمر پر تھی اور عمر کی علیزے پر۔ جو اسے پتا نہیں کیوں نظر انداز کر رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں آنٹی.....!''

اس نے ان کی تسلی کی غرض سے کیک کا ایک پیس بھی پلیٹ میں نکال لیا۔ زارا اپنی کہانیوں کا قصہ چھیڑے بیٹھی تھی۔ ناولز میں کامیابی کے بعد وہ نہ صرف کتاب شائع کرانا چاہتی تھی۔ بلکہ کالمز وغیرہ لکھنے میں بھی دلچسپی رکھی تھی۔ ماما کی توجہ بھی اسی جانب ہوگئی۔ عمر نے ذرد یدہ نگاہوں سے علیزے کو دیکھا۔ وہ مجسم خوبصورت تھی۔ نوک پلک سے تیار ملائم ریشمی بال اور.....

اس نے اپنے ہاتھ دیکھے..... بے خبری میں سہی مگر پہلا لمس حاصل ہو گیا تھا۔

بہت غیر محسوس سی مسکراہٹ ہونٹوں پر روشنی کی طرح پھیلی۔ اس نے ایک بار پھر چوری سے اسے دیکھا۔ موم بتیوں کی دھیمی روشنی میں اس کا چہرہ جھلمل کر رہا تھا۔ عارضوں پر لرزتی پلکوں کے سائے ساتھ جیسے دلہن کا کرن لگا دوپٹہ جو چہرے پر تن جائے تو چہرہ چھپ جاتا ہے۔ پلکوں پر لگی اس کرن نے آنکھوں کو ان کے تاثرات کو ان کے رنگوں کو چھپا لیا تھا۔ وہ یہ رنگ پڑھنے کا مشتاق ہونے لگا۔

''آنٹی میں علیزے کو لینے آیا ہوں۔''

وہ ایک دم سے کہہ گیا۔ ماما چونک گئیں۔ پھر مسکرائیں۔

''ہاں بیٹے! بس علیزے چل رہی ہے۔ علیزے تیار ہو کر آؤ بیٹے!''

انہوں نے اسی لمحے علیزے کو الرٹ کر دیا۔ وہ پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ نظریں جیسے غصیلی تھیں۔ گویا وہ برا مان چکی تھی کہ اس نے ماما سے کیوں کہا۔ عمر نے دانستہ اسے نہیں دیکھا۔ مچلتی مسکراہٹ بھی دبا لی۔ جس پل وہ اس کے ہمراہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ ماما اور زارا سے مل کر وہ باقاعدہ کھنکارا تھا۔ اس کی توجہ حاصل کرنے کو علیزے نے جیسے ضد باندھ لی۔ اسے دیکھا نہ کوئی بات کی۔

''خفا ہیں.....؟''

اس کی مسکراہٹ مچل مچل گئی۔

''مگر میرا تو کوئی قصور نہیں تھا.....''

اس کی مسکراہٹ ہنسی کی حد کو چھو آئی۔ علیزے غصے سے بھر گئی۔ اس نے قہر ساماں نظروں سے اسے دیکھا۔

''آئی نو..... سارے قصور میرے ہیں۔ آپ سے شادی بھی میرا جرم ہے اور آپ کی والدہ جو آپ کو اتنی سناتی ہیں اس کی وجہ بھی میں ہوں۔''

وہ بھڑک اٹھی تھی۔ عمر ایک دم چپ ہوا۔ گیٹ تلک خاموشی رہی۔ عمر اسد اور سیما سے ملنے ان کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ بھی ساتھ تھی۔ دونوں بڑے خشک انداز میں ملے تھے۔ علیزے کو تو فرق نہیں پڑا۔ عمر

ضرور شرمندہ نظر آنے لگا تھا۔ مگر جاتے ہی ایک اور لڑائی کی ان کی منتظر تھی۔ اماں کا موڈ پتا نہیں کیوں اتنا خراب تھا۔

سعدیہ بھی چپ چپ تھی۔ اماں نے عمر کو اس کے سامنے بٹھا کر پھر ذلیل کیا۔ ان کا ذاتی خیال تھا اور بڑا پختہ تھا کہ وہ زن مرید ہو چکا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے علیزے کو دھمکیاں دی تھیں کہ جو مرضی کر لے وہ ان سے ان کا بیٹا نہیں چھین سکتی۔ علیزے جیسے اس سارے جھگڑے کے دوران خاموش رہی۔ اسی خاموشی سے اٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس رات پھر اس نے کھانا نہیں کھایا۔ عمر اس پوری رات اوپر نہیں آیا۔ اگلی صبح اسے معلوم ہوا اماں کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے نہیں آ سکا۔

☆☆☆

وہ گزرتے دن کے ساتھ محدود اور خاموش ہوتی جا رہی تھی۔ یہ ان کی شادی کا پانچواں دن تھا۔ جب ان کے گھر پھر سے تماشہ لگا۔ وہ دوپہر کو روٹیاں پکانے کے ارادے سے نیچے اتری تھی۔ مگر اماں کے ساتھ سیما کی بھی بلند آوازوں پر گھبرا کر وہیں رک گئی۔ اب معلوم نہیں تھا وہ کیوں جھگڑا کر رہی تھیں۔ یہ ضرور اسے یقین تھا جھگڑا عمر سے ہی ہو رہا تھا۔ وہ حیران تھی۔ اگر وہ بندہ ان سے کوئی اختلاف نہیں رکھتا تھا۔ ان کے آگے زبان نہیں کھولتا تھا۔ پھر یہ جھگڑے بار بار کیوں ہوتے تھے۔

''کیوں کا کیا سوال ہے بھلا.....؟ بیوی ہے وہ میری..... لے جا سکتا ہوں ساتھ۔ یہاں اکیلی کیا کرے گی.....؟''

اسے سوچوں سے نکالنے کا باعث عمر کی آواز تھی۔ وہ ٹھٹھک سی گئی۔ وہ خائف ضرور تھا۔ مگر بول تو رہا تھا۔ کل اس کی چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں اور اسے واپس ڈیوٹی پر پہنچنا تھا۔ یہ بات تو علیزے کے بھی علم میں آ چکی تھی کہ وہ کسی اور شہر میں ملازمت کرتا تھا۔ گر کمرے کی تنہائی میں لاتعلق ہو جانے والا ماں بہنوں کے سامنے دبکا رہنے والا عمر آخر اسے اپنے ساتھ لے جانے پر کیوں لڑ رہا تھا۔ وہ بھی ان سے جن کے آگے کبھی زبان نہیں کھولی تھی۔ وہ حیرانی کی زیادتی سے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکی۔ علیزے خود بھی اس سے بات نہیں کرتی تھی۔ دونوں ابھی تلک پہلی رات کی طرح اجنبی اور لاتعلق تھے۔ پھر اس ایکشن کی وجہ.....؟

''یہ لیں۔ دیکھا آ گئی بلی تھیلے سے باہر..... ابھی آگے آگے اس کے تیور دیکھنا اماں۔''

سیما نے تلملا کر تیلی لگائی۔ اماں عمر کو گھور رہی تھیں۔

''اکیلی کیوں.....؟ ہم سب کو مرا ہوا سمجھ لیا تم نے.....؟ یا پھر اب بیوی کے معاملے میں ماں بہنوں پر اعتبار نہیں رہا۔''

اماں کو یہ بات کسی طور بھی ہضم نہیں ہو سکی تھی۔ جبھی اس پر چڑھ دوڑیں۔

''سیدھی طرح کہیں رہ نہیں سکتا اس کے بغیر..... چند راتوں میں اتنا عادی ہو گیا ہے اس کا۔''

سیما ایسی ہی بات کر سکتی تھی۔ عمر کا چہرہ سرخ ہو کر رہ گیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے اماں! آپ غلط مطلب نہ لیں۔''

وہ اماں کو جواب دے رہا تھا۔ مگر بے حد عاجز سا۔ بلکہ اگر اس کا چہرہ دیکھ کر قیاس کیا جاتا تو درست قیاس یہ تھا کہ وہ بری طرح پھنسا ہوا محسوس کر رہا تھا خود کو۔

''پھر کیسی بات ہے عمر.....! تم بتا دو حد ہوتی ہے۔ شادی ہوتے ہی تمہارے تو رنگ ڈھنگ بدل گئے۔ ایسی بھی حور پری نہیں ہے وہ کہ اب تم اسی کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ جاؤ۔ کام دھندا بھی چھوڑ بیٹھو''

سیما کا انداز ملامتی تھی۔ طعنہ دینے والا تھا۔ عمر بے حد چڑ گیا۔

''آپ رہنے دیں آپا.....! میں اسے ساتھ کیوں نہیں لے جا سکتا.....؟ آپ بھی تو اپنے شوہر کے ساتھ ہنی مون پر جا رہی ہیں۔ میرے اسے ساتھ لے جانے پر اتنا واویلا کیوں.....؟''

عمر کی جھنجھلاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ علیزے کو عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔ ہونٹ بھینچے وہ وہیں سے پلٹ گئی۔ سیما کی آواز اس کے تعاقب میں تھی۔ جو عمر کو پھٹکار رہی تھیں۔

''کتنی بار منع کیا ہے آپا کہنا چھوڑ دے اور اماں..... اس کی باتوں میں نہیں آنا۔ علیزے کو ساتھ نہیں جانے دینا کبھی بھی..... یہ وہی ہے نا جسے ہمارے سامنے نظر اٹھانے کی مجال نہیں تھی۔ چند دنوں میں کیسا تیور بدل گیا۔ بعد میں تو کچھ بھی نہیں دے گا تجھے..... سارا کچھ وہی سنبھال بیٹھے گی۔''

سیما جیسی خود تھی۔ اسی نظریئے سے دوسروں کو دیکھنے کی عادی تھی۔ اماں بھی سیما کے ساتھ مل کر عمر کو لتاڑنے لگیں۔ طعنے الزام اور لعنتیں عمر کی وقفے وقفے سے منمناتی ہوئی آواز آئی تھی۔ علیزے نے روٹیاں پکا کر ہاٹ پاٹ میں رکھیں اور سالن گرم کرنے کو چڑھا دیا۔ خود سلاد بنانے لگی۔ اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا عمر کی اس گھر میں کمزور حیثیت کا۔

''کھانا کب تک ملے گا.....؟''

سیما وہیں سے ہانک لگا رہی تھی۔ لہجہ طنزیہ تھا۔ غفلت پر ملامت برساتا ہوا۔

''یہیں لا دوں.....؟''

علیزے آواز سن کر دروازے پر آن رکی۔ سیما نے اسے سرد نظروں سے دیکھا۔

''اور کیا ہم وہاں آئیں گے.....؟ اتنی سی بات نہیں سمجھ میں آتی تمہیں؟''

وہ پھنکاری۔ علیزے خاموشی سے پلٹ گئی۔ جس وقت وہ ٹرے سجا کر لائی۔ عمر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

''کھانا کھا..... کدھر جا رہا ہے.....؟''

اماں نے ٹوکا۔ علیزے نے نگاہ بھی نہیں اٹھائی۔ اسے اس وقت عمر پر اس کی بزدلی پر بے حد غصہ تھا۔

''بھوک نہیں ہے۔''

وہ خفگی سے کہتا باہر نکل گیا۔

''تم کہاں جا رہی ہو.....؟ چائے بنا کر دو ہمیں۔''

علیزے پانی کا جگ رکھ کر اٹھی تو سیما نے پھر اسے ٹوکا۔ اس نے محض سر ہلا دیا اور کچن میں چلی گئی۔

''اس پر پورے گھر کا بوجھ ڈال دو اماں! سر کھجانے کی فرصت نہ دینا۔ عمر کو بھی دبا کے رکھو۔ کسی بھی انسان کو اپنے زیر تحت رکھنا چاہتے ہو تو اس کا اعتماد چھین لو۔ وہ کبھی آپ کو آنکھیں نہیں دکھا سکے گا۔

سیما انہیں پٹیاں پڑھا رہی تھی۔ اماں مسکرا دیں۔ یہ مسکراہٹ حوصلہ دلاتی ہوئی تھی۔ گویا کہہ رہی ہوں۔ فکر ہی نہ کرو۔ سعدیہ سر جھکائے کھانا کھانے میں مگن تھی۔ پھر برتن اٹھا کر ٹرے میں رکھے۔ ٹرے اٹھائی تو سیما نے ٹوکا تھا۔

''رہنے دو تم۔ وہ خود اٹھائے گی۔''

''میں فارغ نہیں بیٹھ سکتی آپا۔''

وہ نخوت سے کہتی باہر نکل گئی۔ علیزے چائے بنا چکی تھی۔ اس نے ٹرے سنک میں رکھی اور برتن دھونے شروع کیے۔ علیزے نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''یہ چائے لے جاؤ سعدیہ!''

''لے جاتی ہوں بھابی! آپ کھانا کھا لیں۔ بلکہ اوپر لے جائیں۔ بھائی نے بھی نہیں کھایا۔''

علیزے چپ رہی۔ خاموشی سے چائے مگوں میں ڈالتی رہی۔ سعدیہ نے برتن ریک میں رکھ کر خود اس کیلئے ٹرے تیار کی تھی۔

''لے جائیں۔''

اس نے ٹرے تھمائی۔ علیزے متذبذب تھی۔ سعدیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی ٹرے تھمائی۔

''آپ بہت شاندار اور خوبصورت ہیں بھرجائی! مگر میرا بھائی بھی اتنا گیا گزرا نہیں۔ وہ آپ سے بہت انسپائر ہے۔ شاید محبت بھی کرنے لگا ہے۔ آج اماں کے سامنے اتنا بڑا اسٹینڈ لینے کا یہی ثبوت ہے۔ مجھے تو بہت اچھا لگا ہے۔ ان کا آج اس طرح آپ کی خاطر بولنا..... آپ کو بھی یقیناً اچھا لگا ہوگا۔ ہے ناں.....؟''

وہ آخری سوال کرتے شریر ہو گئی تھی۔ علیزے محض مسکرا دی۔ وہ بھی اس کا دل رکھنے کو..... اور ٹرے لئے اوپر آ گئی۔ عمر نہا کر باہر نکلا تھا۔ بیڈ پر اس کا بیگ کھلا پڑا تھا۔ یقیناً تیاری آخری مراحل میں تھی۔

اس نے ٹرے آگے بڑھ کر میز پر رکھ دی۔

''جھگڑا کس بات پر ہو رہا تھا.....؟''

وہ جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے خاصی ناراضگی سے کڑے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

عمر نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا پھر نظریں چرا گیا۔ بات بدل گیا۔

''کچھ نہیں بس.....''

''مجھے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں.....؟''

وہ گلاس ہاتھ میں لئے اس کے سامنے آ گئی۔ عمر نے محض اک نظر اسے دیکھا تھا۔ پھر سر اثبات میں ہلا

دیا۔

''کیوں.....؟''

وہ چیخی۔عمر بری طرح ٹھٹھک گیا۔

''مجھ سے پوچھے بغیر اس بات پر ان لوگوں سے الجھنے کی آخر کیا ضرورت تھی.....؟''

اس کے روکھے انداز پر عمر کی نگاہوں میں تحیر و استعجاب امڈ آیا۔ ہونٹ حیرت کی زیادتی سے وا ہو گئے۔

''آ آپ نہیں جانا چاہتیں میرے ساتھ.....؟''

وہ ہنوز متحیر تھا۔علیزے کے چہرے کا سرد مہر تاثر بڑھا۔

''بالکل ہیں۔میرا فائنل ایئر ہے۔ مجھے اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے۔''

اس نے خشک لہجے میں گویا طوعاً و کرھاً اطلاع دی تھی۔اس کے باوجود عمر جانے کیوں حوصلہ پا گیا۔

''میں مائیگریٹ کروالوں گا آپ کا۔''

وہ جتنی تیزی سے بولا تھا۔علیزے کے اعصاب کو اتنا ہی گہرا جھٹکا لگا۔ اس نے پوری آنکھیں وا کر کے اسے سوالیہ انداز میں دیکھا تھا۔

''اتنا تردد کرنے کی کوئی وجہ بھی ہونی چاہئے جبکہ آپ کی ماں بہن کے شک اور بیان کے مطابق نہ میرے حسن کا جادو آپ کے سر چڑھا ہے نہ آپ نے مجھے کوئی بوٹی سنگھائی ہے کہ ہم اک دوسرے کے بغیر نہ رہ سکیں۔''

اس کے آتشیں لہجے میں گہرے طنز کی کاٹ تھی۔تلخی تھی۔عمر کا چہرہ ہی متغیر نہیں ہوا۔ وہ بے تحاشہ خفت و خجالت کا بھی شکار نظر آنے لگا تھا۔علیزے کو اس پر ہرگز رحم نہیں آیا۔ وہ جتنی اذیت کا شکار تھی۔ اس شخص کی وجہ سے نہیں بھی تھی تب بھی اسے معاف کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ جو اس کی زندگی مزید کٹھن بنا رہا تھا۔اپنی بے ڈھنگی حرکتوں سے۔

''میرا خیال تھا.....آپ یہاں اماں اور سیما آپا کی ایسی مخالفت کے باعث ریلیکس نہیں رہ پائیں گی۔ میں بس اسی ٹینشن سے آپ کو بچانا چاہ رہا تھا۔''

نظریں چراتا وہ سخت شرمسار نظر آتا وضاحت پیش کرنے لگا تو علیزے کی سلگتی آنکھیں کچھ اور سلگی تھیں۔

''بات سنیں..... مجھے آپ کے اس احسان کی ضرورت نہیں ہے اور اگر اتنی ہی مجھ سے ہمدردی تھی تو شادی ہی نہ کرتے مجھ سے.....''

وہ اتنی تلخی اتنی درشتی سے بولی تھی کہ عمر گنگ ہوتا اسے دیکھتا رہ گیا۔علیزے کی اپنی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ عمر کے چہرے پر لرزتے تاریک سائے کو نہیں دیکھ سکی۔ بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔عمر وہیں ساکن

کھڑا رہا تھا۔ اس نے کھانا نہیں کھایا۔ گھر سے نکل گیا۔ رات کو بھی بہت تاخیر سے لوٹا۔ علیزے پتا نہیں سو رہی تھی یا جاگ رہی وہ خاموشی سے لیٹ گیا۔ اگلی صبح وہ منہ اندھیرے ڈیوٹی کیلئے چلا گیا تھا۔

☆☆☆

مکلاوے سے واپسی پر وہ بیگ میں اپنی کتابیں وغیرہ بھر کے لے آئی تھی۔ جس دن عمر ساہیوال گیا۔ اس سے اگلے دن علیزے بھی یونیورسٹی جانے کو تیار ہوگئی۔ البتہ جانے سے قبل اس نے ناشتہ بنا کر صفائی میں بھی سعدیہ کی مدد کروائی تھی۔ یونیفارم میں ملبوس جب وہ بیگ اور فولڈر لے کر سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تو اماں کو جیسے اسی وقت خبر ہوئی تھی اس کے ارادے کی..... جبھی انہیں جھٹکا لگا تھا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''کدھر کی تیاری ہے مہارانی صاحبہ.....؟''

ان کا لہجہ مخصوص قسم کی جہالت اور طنزیہ کاٹ لئے ہوئے تھا۔ جوان کی پہچان بن چکا تھا۔

''یونیورسٹی.....''

ناگواری کے باوجود وہ اختصار سے بولی۔ اماں کے چہرے کی ناگواری اس جواب سے دو چند ہوگئی۔

''کس سے پوچھ کے.....؟ اگر اپنے خصم سے کٹ مٹ کر چکی ہے۔ تب بھی میری اجازت کیوں ضروری نہیں سمجھی.....؟''

علیزے نے ہونٹ بھینچ لئے۔ اسے سمجھ نہیں آئی کیا جواب دے۔ عمر سے بھی اس نے اجازت تو نہیں لی تھی۔ صرف آگاہ کیا تھا کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے جبھی ساتھ نہیں جائے گی اور بس..... نہ اس نے مزید بات کی نہ اس نے کچھ کہا۔ اب اسے ڈر لگا کہیں اماں اپنی اجارہ داری کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے اس کی پڑھائی نہ روک دیں۔

''شادی کے بعد پڑھائی نہیں ہوا کرتی بی بی! گھر اور گھر والے سنبھالے جاتے ہیں۔ کام کون کرے گا۔ یہاں.....؟''

ان کا لہجہ و انداز تلخ تھا۔

''میں کام کر کے جا رہی ہوں اماں.....! واپس آ کے بھی کروں گی۔ مگر یہ میرا آخری سال ہے اور بہت اہم بھی.....''

اس کا لہجہ خجالت آمیز تھا۔ اس کے باوجود ان پر مطلق اثر نہیں ہوا۔ اسی تنفر سے بولیں۔

''تجھے تیری ماں نے سسرال میں رہنے کا ڈھنگ سکھا کر نہیں بھیجا.....؟ اتنی من مانی کی یہاں اجازت نہیں کہ منہ اٹھایا اور گھر سے چل دیئے اور کسی کو خبر بھی نہیں.....''

وہ آنکھیں نکال کر غرائیں۔ علیزے کچھ دیر کو لاجواب ہوئی۔

''میں عمر کو بتا چکی ہوں..... انہیں اعتراض ہوتا تو روک دیتے مجھے.....''

وہ منمنا کر صفائی دینے لگی۔ اماں کی آنکھیں دہک اٹھیں۔

''بات سن چھوکری! تیرے خصم کا نہیں یہاں میرا حکم چلتا ہے۔ یہ تیرے پیو کا گھر نہیں کہ تو جو دل چاہے کرتی پھرے اور کوئی پوچھے ناں..... یہاں کچھ بھی تو میری مرضی کے خلاف نہیں کر سکتی۔ سنا.....؟''

''اب چل اندر جا..... شام تک کرتے ہیں تیرا بھی فیصلہ۔''

انہوں نے ہتک آمیز انداز میں الٹے ہاتھ کا اشارہ کر کے وہاں سے ٹرخایا۔ علیزے کا چہرے غم و غصے کی زیادتی سے بھاپ چھوڑنے لگا۔ یہاں آ کر اس نے جانا تھا۔ کیسے ذلت کے نئے نئے باب کھلتے ہیں۔ ہر روز ایک نیا طریقہ ایجاد کیا جاتا تھا تذلیل کا..... وہ لب بھینچے وہیں ساکن کھڑی رہی شام تک اماں نے سیما کو بلوا لیا تھا۔ اس کی عدالت پھر سے لگ گئی۔ وہ بغیر کسی گناہ کے مجرم ٹھہری تھی۔ سیما نے گھر کی تمام ذمہ داریاں اسے سونپی تھیں۔ سعدیہ کو ہر کام سے منع کر دیا۔ جواز یہ پیش کیا گیا کہ اب تک سعدیہ نے ہی گھر سنبھالا ہوا تھا۔ اب اسے آرام کرنے کا حق حاصل تھا۔ علیزے نے احتجاج نہیں کیا۔ چپ چاپ مان گئی۔

''میں صبح ناشتہ بنا کر صفائیاں کر کے چلی جایا کروں گی۔ مگر مجھے یونیورسٹی جانے دیں پلیز..... یہ میرا فائنل ایئر ہے۔ بہت اہم سال ہے۔ آپ جانتی ہیں پھر چند مہینے ہی تو رہتے ہیں۔''

وہ آنسو پیتے ہوئے ایک طرح سے منت کر رہی تھی۔ جواب میں سیما کے چہرے پر موجود رعونت مزید گہری ہو گئی تھی۔

''اتنی مہنگی پڑھائی ہے..... کون بھرے گا اتنی بھاری فیس.....؟ میرے بھائی کی تو ساری تنخواہ تمہاری فیسوں کی نذر ہو جائے گی..... اور اسد سے آس لگانے کی ضرورت نہیں۔ ساری زندگی کا ٹھیکہ نہیں لیا اس نے تمہارا۔ بہتر ہے پڑھائی چھوڑ دو۔''

اس نے بڑی آسانی سے اس کی زندگی کا ایک اور بڑا فیصلہ اس پر صادر کر دیا۔ علیزے کا رنگ اڑنے لگا۔ جو حالات تھے۔ وہ ہرگز کسی خوش فہمی کا شکار نہیں تھی۔ اگر تعلیم بھی ادھوری رہ جاتی تو کیا امید تھی بھلا اسے۔

''اپنا تمام بوجھ میں خود اٹھا لوں گی۔ اپنا زیور بیچ دوں گی بھابی! خدارا چند ماہ باقی ہیں۔ مجھے ایگزیم دینے دیں۔''

وہ گڑگڑانے لگی۔ تمام تر غصے اور نفرت کے باوجود اس نے اپنا لہجہ سخت نہیں ہونے دیا کہ جان گئی تھی۔ جن لوگوں کے درمیان وہ پھنس چکی ہے۔ اسے ان کیلئے ہرانا بہت آسان تھا جبکہ وہ ان کے مقابل ڈٹ کر اپنا مستقبل تاریک نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''کون سا زیور.....؟ اماں سے واپس لو گی.....؟ شرم نہیں آئے گی تمہیں.....؟''

سیما نے تیوری چڑھائی۔ یہ وہ زیور تھا جو ادھر سے بری میں ہلکا سا سیٹ ملا تھا اسے..... اس کے ساتھ ساتھ اس کا میکے کی جانب سے ملنے والا بھی اماں ہتھیا چکی تھی اور اب واپسی کا ارادہ بھی نہیں رکھتی تھیں۔ علیزے نے عجلت میں نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں..... واپس نہیں لوں گی۔ میرے پاس لاکٹ سیٹ ہے۔ جو ماما کے پاس ہے۔ وہ بیچ دوں

گی۔''

اس وضاحت پر ماں بیٹی کی نظریں ملیں۔ آنکھوں میں اشارے ہوئے تھے۔

''اپنی ماں کو ساری کہانی سنانے کی ضرورت نہیں۔ بدنام کرنے کا ارادہ تو نہیں.....؟''

سیما نے تیوریاں چڑھالیں۔

''بھابی میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔''

وہ عاجز نظر آنے لگی۔ سیما نے نخوت سے گردن جھٹک دی۔

''ہمیں کیا اعتراض ہے مگر کام کے سلسلے میں اماں کو شکایت نہ ہو۔ کان کھول کر سن لو۔ ورنہ اسی دن گھر بٹھادوں گی تمہیں۔''

اس کے لہجے میں رعونت بھی تھی، تحکم بھی۔ علیزے تمام تر ناگواری دبا گئی۔ اس کیلئے یہی کافی تھا کہ جبر اور زیادتی کا یہ دائرہ اتنا وسیع نہیں ہوا تھا کہ اس کی تعلیم کو نگل جاتا۔

☆☆☆

زندگی اس کیلئے ایک دم بہت کٹھن ہو کر رہ گئی تھی۔ صبح یونیورسٹی جانے سے قبل وہ ناشتہ بناتی تھی۔ سعدیہ اس کے ہمراہ ہوتی۔ وہ پتا نہیں اپنے گھر والوں سے اتنی مختلف کیوں تھی۔ بے ریا، معصوم سادہ محبت سے لبریز۔

اسے علیزے سے محبت تھی۔

وہ اس کے لاڈ بھی بہت اٹھاتی تھی۔ چپکے چپکے اس کی مدد بھی کرتی، کام میں اس کا ہر بوجھ بانٹتی۔ وہ روٹی پکا رہی ہوتی تو سلاد بنا دیتی۔ آٹا گوندھ دیتی۔ صفائی میں ہاتھ بٹاتی۔ مگر چونکہ حیثیت گھر میں کمزور تھی۔ جبھی کھل کر اس کی حمایت نہ کر پاتی۔ اکثر ایسی باتیں کر جاتی جو اس کے زخم چھیڑ جاتیں۔

''آپ اتنی خوبصورت ہیں بھرجائی! اتنی امیر بھی تھیں..... مگر آپ کا نصیب بالکل اچھا نہیں.....''

علیزے نے اس بات کے جواب میں اسے ٹوک دیا تھا۔

''ایسا نہیں کہتے۔ نصیب مسلمان کا اللہ نے جیسا بھی بنایا اس کی خوش بختی کی سب سے بڑی نشانی ایمان کی دولت ہے۔''

وہ ناصحانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ سعدیہ ہولے سے ہنس دی۔

''ٹھیک کہا آپ نے پر میرا مطلب دوسرا تھا۔ دیکھیں نا..... بھائی جان آپ سے اتنے متاثر ہیں۔ مگر آپ کی جان نہیں چھڑوا سکے اماں اور آپا سے..... آپ یہیں پس رہی ہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔ مجھے اچھا لگتا ہے تم لوگوں کے ساتھ رہنا۔''

وہ مسکرا کر بات بدل گئی تھی۔ سعدیہ کو البتہ خفقان ہونے لگا تھا۔

''آپ بہت عجیب ہیں۔ لڑکیاں تو اپنے شوہروں کے ساتھ خوش رہتی ہیں آپ.....''

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ جیسے کسی سوچ میں ڈوب گئی ہو۔ پھر اسے دیکھا تو انداز پر خیال قسم کا تھا۔

''کہیں ایسا تو نہیں بھر جائی کہ میرے بھائی جان آپ کو پسند نہیں آ سکے.....؟''

سوال بہت تکلیف دہ تھا۔ علیزے کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔

''سعدیہ آپ ابھی چھوٹی ہو..... ایسی باتیں نہیں کیا کرو۔''

وہ نرمی سے ٹوک گئی تھی۔ سعدیہ نے زور سے سر جھٹک دیا۔

''چھوٹی کہاں..... پورے اٹھارہ سال کی ہوں۔ بھائی جان سے گیارہ سال جبکہ آپا سے سولہ سال چھوٹی ہوں۔ مگر اتنی بھی بچی نہیں''

وہ یقیناً برا مان گئی تھی۔ ٹوکے جانے پر۔

''آپ میری بات کا جواب نہ دینا چاہیں تو الگ بات ہے۔ ورنہ میں بچی ہوں نہیں۔''

وہ منہ پھلا کر پھر جتلا رہی تھی۔ علیزے سٹپٹا سی گئی۔

''ایسی بات نہیں..... تمہارے بھائی بہت اچھے انسان ہیں سعدیہ۔''

وہ نرمی سے کہہ گئی تھی۔ انداز بہلانے والا تھا۔ سعدیہ واقعی خوش ہو گئی۔

''آپ کو بھائی یاد تو آتے ہوں گے.....؟''

اس کا اشتیاق دیکھنے والا تھا۔ آنکھوں میں کتنی چمک تھی۔ علیزے کہاں تک جھوٹ بولتی۔ کہاں تلک اسے بہلاتی۔ جان چھڑانے کو سر اثبات میں ہلا دیا۔ مگر جان چھوٹنے کے بجائے مزید پھنس گئی۔

''تو فون پر بات کر لیا کریں ان سے..... شام کو چار بجے کے بعد وہ بالکل فارغ ہوتے ہیں۔''

وہ صرف خوش نہیں ہوئی۔ اسے مشورے سے بھی نواز دیا۔

''ٹھیک ہے کر لیا کروں گی۔''

اس نے ناچار حامی بھری۔

''کیسے کریں گی.....؟ مطلب نمبر تو ان کا ہے نہیں آپ کے پاس..... کل بھائی کا فون آیا تو بتا رہے تھے۔ انہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ آپ کے پاس اپنا الگ سے فون ہے۔''

وہ منہ بنا کر کہہ رہی تھی۔ علیزے خاموش رہی۔

''میں آپ کے سیل فون میں نمبر سیو کر دوں گی بھر جائی! آپ رات کو چپکے سے انہیں فون کر دینا۔''

وہ اسے راہ دکھا رہی تھی۔ علیزے گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔ سعدیہ نے وعدے کے مطابق عمر کا نمبر بھی سیو کیا مگر اس کا ایسا قطعی ارادہ نہیں تھا کسی کمزور لمحے میں یہ غلطی کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ جبھی نمبر ڈیلیٹ کر دیا تھا۔ اس کی روٹین ہی ایسی ٹف تھی۔ اگر نہ بھی ہوتی تو بھی وہ ایسا نہیں کرتی۔

سارا دن کام پبلک ٹرانسپورٹ سے دھکے کھا کر یونیورسٹی جانا آنا ہی اسے اتنا تھکا دیتا تھا کہ پھر واپس

آ کر بھی کام کا بوجھ..... وہ اتنا تھک جاتی تھی کہ رات کو پڑھائی بھی نہیں کر پاتی۔ دن ایسی ہی مصروفیت میں گزر رہے تھے۔ سیما اکثر چکر لگاتی رہتی۔ مگر کچھ دنوں سے سکون تھا کہ دونوں شمالی علاقہ جات کیلئے نکل گئے تھے۔ وہ یونیورسٹی سے آئی ہی تھی کہ اس کے سیل پر ماما کی کال آ گئی۔

''ماں کو بالکل بھول گئی ہو بیٹے.....؟ کبھی آجایا کرو ملنے.....؟''

انہوں نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا تھا۔ اس کا حالات سے اکتایا ہوا دل مزید بھرا گیا۔ وہ گرمی میں دھکے کھاتی آئی تھی۔ اوپر سے لائٹ نہیں تھی۔ وہ خود سے بے زار تھی۔ اس زندگی سے سمجھوتہ کر لینے کے باوجود کبھی کبھار دل بہت زیادہ دکھی ہو جایا کرتا تھا یا شاید شکوہ بھی اپنوں سے کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنا دکھ ان پر عیاں کر چکی تھی۔

''آپ نے مجھے جس جہنم میں جھونکا ہے ماما! وہاں مجھے اپنی بھی خبر نہیں ملتی۔ اتنی فرصت کہاں کہ ایسی عیاشیاں کروں.....؟''

وہ پھپھک کر بولی تھی۔ دل بہت ویران ہو رہا تھا۔ اس پل..... کیسا بے حس شخص تھا۔ اسے یہاں پھنسا کر ایسا گیا تھا کہ پلٹ کر خبر نہیں لی۔ ایک فون تک نہیں کر سکا تھا۔

''مجھے معاف کر دو بیٹے! صحیح کہتی ہو۔ مجھے خیال کرنا چاہئے۔ خود تمہاری خبر گیری کرنی چاہئے تھی۔ مگر یہاں بھی ہم آزمائش میں مبتلا ہیں۔ یہ عورت ہمیں سولی پر ٹانگے ہوئے ہے۔ ایک ایک کر کے سب کچھ اپنے نام منتقل کرتی جا رہی ہے۔ یہ گھر بھی اسد نے اس کے نام لکھ دیا ہے۔''

وہ خود رو رہی تھیں۔ علیزے کے ہاتھ سے فون چھوٹتے بچا..... وہ کھڑے سے بیٹھ گئی۔

''کیا کہہ رہی ہیں ماما.....؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ گھر تو پاپا کے نام تھا۔ ہم سب کا حصہ تھا۔ اس میں.....''

اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ ماما نے سرد آہ بھری تھی۔

''سب کچھ ہو جاتا ہے۔ جائز مشکل ناجائز کام آسان ہے اس ملک میں بیٹا! آج شریف بے بس اور ظالم طاقتور ہے۔ وکیل صاحب کا فون آیا تب مجھے پتا چلا..... زارا کی تو حالت خراب ہے رو رو کر پچھلے دنوں سیما جانے کہاں سے ایک رشتہ ڈھونڈ لائی۔ ستر سالہ بڈھا ہے مگر بہت امیر.....

یقیناً دولت کا لالچ دیا ہوگا' اسد بھی ساتھ مل گیا۔ ہر صورت رشتہ طے کرنا چاہتا ہے۔''

وہ روہانسی ہوئی بتا رہی تھیں۔ علیزے کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ہونٹ بالکل خشک ہو گئے۔

''ماما! آپ ہرگز بھی یہ بات نہیں مانیں گی چاہے دونوں جتنا مرضی فورس کر لیں۔''

وہ سراسیمہ سی کہہ رہی تھی۔

''اللہ سے بہتری کی دعا مانگتی ہوں بیٹے۔''

وہ غمگین اور لاچار محسوس ہوئیں۔

''میں کل یونیورسٹی سے واپسی پر آؤں گی ماما! آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ بہتر کرے گا۔''
وہ بوجھل آواز میں بولی تھی۔
ٹھیک ہے بیٹے! میں انتظار کروں گی۔ اللہ حافظ!''
انہوں نے رابطہ منقطع کر دیا۔ علیزے گم صم نظر آنے لگی۔
''بھائی سے بات کر رہی تھیں بھرجائی.....''
سعدیہ اسی پل آئی تھی۔ وہ چونک کر اسے خالی نظروں سے تکنے لگی۔
''نہیں۔ ماما کا فون تھا۔
''بھائی کو نہیں کیا.....؟''
سعدیہ کی تان وہیں ٹوٹ رہی تھی۔ علیزے کو اور فکریں لاحق تھیں۔
''سعدیہ کل یونیورسٹی سے واپسی پر مجھے ماما کے گھر جانا ہے۔ اجازت دے دیں گی اماں.....؟''
''میں لے دوں گی۔ کہہ دوں گی آپ کی ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ کون سا آپا وہاں ہیں جو بھید کھلے گا۔''
وہ ہنس کر اپنی چالاکی کی داد چاہ رہی تھی۔ علیزے مسکرا بھی نہ سکی۔ اس کا دل اتنا ہی بوجھل تھا۔ سعدیہ کا زعم دھرا رہ گیا۔ اماں نے اسے جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔
''یونیورسٹی سے جانے کی ضرورت نہیں' واپس گھر آنا۔ میں ساتھ چلوں گی شام میں..... عیادت بھی کرلوں گی۔ تیری ماں کی..... تو اکیلی جائے گی۔ ہمیں کیا بھروسہ۔ ماں کا کہہ کر کسی سے ملنے جائے۔ نہ بھئی..... میں تیرے کچھ لگتے کو کیا جواب دوں گی اگر تو ادھر ادھر ہو گئی تو۔ وہ تو میرے برنٹ (وارنٹ) نکالے گا ناں.....''
اماں کا لہجہ مخصوص تھا۔ جہالت بدگمانی شک سے آلودہ..... علیزے کا دماغ البتہ بھک سے اڑنے لگا تھا۔
اتنی شقاوت
ایسی نفرت
ایسی بدگمانی
اس کا دل بے انت وحشت سے بھر گیا۔ وہ پاگلوں کی طرح روتی ہوئی پلٹ کر وہاں سے کمرے میں گئی تھی۔ اماں کو اس کا یہ انداز یہ دکھ بھرا انداز بھی ڈرامہ لگا۔ وہ بعد میں بھی کتنی دیر بڑبڑاتی رہی تھیں۔

☆☆☆

''یار ہنسا بولا کرو۔ تم تو بالکل بدل گئی ہو۔''
صلہ کو اسے دیکھ کر الجھن ہونے لگی تھی۔ علیزے کے چہرے پر کرب آمیز تاثرات ابھر آئے۔

''جو حالات ہیں ناں صلہ! دل کرتا ہے گھر سے بھاگ جاؤں۔ نہیں تو خودکشی کرلوں۔''

وہ رونے کو تیار تھی۔ صلہ نے تاسف سے سر ہلایا۔

''انا کا دامن چھوڑ دو علیزے! عمر کو آواز دو۔ مجھے یقین ہے وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ سب کچھ کرسکتا ہے اک اشارے پر۔ تمہارے حالات کی سب سنگینی تمہارے اسی ایک اشارے کی منتظر ہے۔''

اس کا یقین کامل تھا۔ علیزے نے ہونٹ بھینچ لئے۔

''تم خوش فہم ہو۔ میں نہیں۔ سمجھ لو بھرم نہیں کھونا چاہتی۔ اس بندے سے کیا آس لگاؤں.....؟ جس نے پلٹ کر دیکھنا تو دور کی بات..... ایک کال نہیں کی مجھے..... تمہاری بات کو اگر سچ مان بھی لیا جائے تو کیا وہ میرے جھکنے کا منتظر ہے.....؟ مگر کیوں.....؟ عورت کے پاس تو بس انا ہی ہوتی ہے۔ وہ اسے کیوں کھونا چاہتا ہے.....؟''

اس کے سب سوال تکلیف دہ حقیقت کو آشکار کرتے تھے۔ صلہ کو قائل ہونا پڑا۔

''تم کہو تو میں بات کرلوں بھائی سے.....؟''

''بالکل نہیں۔ مجھے خیرات نہیں چاہئے۔''

وہ بے حد درشتی سے سختی سے کہتی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ صلہ سرد آہ بھر کے رہ گئی۔

☆☆☆

''تم.....؟ اس مرتبہ اتنی جلدی چکر لگا لیا.....؟ ہاں بھئی..... بیوی کی محبت کھینچ لائی ہے۔ جب تک ماں تھی نگوڑ ماری..... راستہ تکتی تھی آنکھیں پتھرا جاتیں۔ تب تو مہینے کے مہینے بھی بار بار بلانے پر شکل دکھایا کرتے اور اب..... کیسے کچے دھاگوں سے بندھے چلے آئے ہو.....''

اماں نے اس کا استقبال ہی ٹھنڈے طنز سے کیا تھا۔ وہ جو پہلے ہی خائف تھا۔ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

''سعدیہ! پانی پلانا مجھے۔''

وہ وہیں چارپائی پر بیٹھ گیا۔ پھر اماں کو دیکھ کر زبردستی مسکرایا۔

''میری ترقی ہوگئی ہے اماں! یہی بتانے آیا ہوں۔''

دلیل مضبوط تھی۔ جواز پختہ۔ مگر اماں کو یقین دلانا قائل کرنا اسی قدر کٹھن۔

''یہ تو فون پر بھی بتا سکتے تھے اور ہاں..... اسی ترقی کو بھی بیوی کے حوالے سے خوش بختی کے کھاتے میں ڈال دینا۔''

ان کے شکووں کا ایک انبار تھا۔ وہ کہاں تک وضاحتیں اور صفائیاں پیش کرتا۔ جبھی چپ سادھ لی۔ سعدیہ لپک جھپک ٹھنڈا پانی لے آئی تھی۔

''کیا پروموشن ہوئی بھائی جان.....؟ اب تو آپ کو گاڑی بھی مل گئی ہوگی' ہے نا؟''

اس کے ترنگ لہجے میں چہچاہٹ بھی تھی۔ خوشی بھی۔ عمر نرمی سے شفقت سے مسکرا دیا۔

''ہاں مل گئی ہے۔ یہ فروٹ اور مٹھائی سنبھال لو۔ میں ذرا نہا لوں۔''

خالی گلاس میز پر رکھتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ تو اماں کی تیوری چڑھ گئی۔

''مٹھائی تو پانچ کلو ایسے لایا ہے گویا باپ بن گیا ہو..... دو منٹ بیٹھ جا ماں کے بھی پاس..... کمرے میں تیری بیوی تیرے انتظار میں بیٹھی ہوئی نہیں ملے گی تجھے۔ آوارہ گردی کو نکلی ہوئی ہے۔''

ان کی زبان پھر انگارے برسانے لگی۔ عمر گھبرا کر پھر بیٹھ گیا۔ البتہ آخری بات پر ضرور چونک گیا تھا۔

''کیوں.....؟ کہاں گئی ہیں علیزے.....؟''

عمر الجھن آمیز نگاہوں سے پہلے انہیں پھر سعدیہ کو دیکھنے لگا کہ اماں سے تو جواب کی توقع نہیں تھی۔

''یونیورسٹی.....''

سعدیہ نے مختصراً بتایا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا۔ اماں کے انداز سے کتنی ناگواری محسوس کر رہی ہے۔ اماں کو پھر مرچیں لگ گئیں۔ بھڑک سی گئیں۔

''ظاہر تو ایسے کر رہا ہے جیسے تجھے نہیں پتا..... اب اس سے بھی مکر جاؤ کہ رات رات بھر فون پہ ہمارے خلاف تمہارے کان نہیں بھرتی..... ماں کو اتنا غافل نہ سمجھو۔'

مزید الزام بڑے دھڑلے سے عائد ہوئے..... سعدیہ نے سرد آہ بھری۔ عمر وضاحت دیئے بغیر کان لپیٹ کر سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ پہلے غسل کیا' پھر کچھ ستانے کے خیال سے لیٹا تھا کہ اسی وقت لائٹ چلی گئی۔ وہ بے زار سا ہو کر کچھ دیر بیٹھا رہا۔ پھر کمرے سے باہر آ کر سیڑھیاں اترتا سعدیہ کو پکار کر دروازہ بند کرنے کو کہتا باہر نکلنے کو تھا کہ سعدیہ کی بجائے اماں نے کمرے سے نکل کر اسے ٹوک دیا۔

''اب کدھر خوار ہونے کو جا رہا ہے.....؟ اسے لینے.....؟''

ان کا لہجہ بے حد خفگی لئے تھا۔ سرد اور تیکھا۔ وہ جاتے جاتے رک گیا۔ سر گھما کر انہیں دیکھا۔ پھر بے حد تحمل سے بولا تھا۔

''نہیں..... میں ذرا بازار جا رہا ہوں۔ یو پی ایس لگوانے کا سوچا ہے۔''

اپنے تئیں اس نے انہیں خوش خبری دی تھی۔ انہیں خوش کرنا چاہا۔ مگر بجائے خوش ہونے کے وہ مزید خفا اور بدگمان نظر آنے لگیں۔

''بڑی بات ہے بھئی.....! قسمت والی ہے وہ جس کے آتے ہی گھر میں ساری سہولتیں لا رہے ہو۔ ایک ہم ہیں کہ ساری زندگی اسی گھر میں سڑتے اور تمہاری خدمتیں کرتے گزار دی۔ تب تو خیال نہیں آیا تمہیں.....''

ایک کے بعد دوسرا الزام تیار تھا۔ فرد جرم عائد تھی۔ وہ گھبرا سا گیا۔

''کیا ہو گیا ہے اماں! آپ کیلئے ہی لگوا رہا ہوں۔ وہ اکیلی تھوڑا ہی استعمال کرے گی۔''

وہ عاجز و لاچارا پھر اپنی پوزیشن کلیئر کرنے میں مصروف ہوا۔ اماں کو بھی شاید ڈھارس ہوئی تھی۔ کچھ یقین بھی آ گیا۔ مگر اگلی بات پھر عجیب تھی۔

''ٹھیک ہے۔ لگوا لے۔ مگر اس کی ماں کو کہہ..... وہ دے پیسے۔ ہمارے پاس حرام کا مال نہیں جو برباد کرتے پھریں اس کی عیاشیوں پر۔''

ان کے اعتراضات اور کل کل پھر شروع ہوگئی۔ عمر کو اب کے ایک دم غصہ آیا۔

''حد کرتی ہیں اماں آپ بھی..... ہمارے گھر کی چیز ہے۔ ہم کیوں مانگنے پھریں بھلا.....؟ اور میں صرف علیزے کیلئے نہیں لگوا رہا۔''

''ہاں تو اور کس کیلئے لگوا رہا ہے.....؟ اب منہ نہ کھلوا میرا..... یہ خیال تجھے شادی سے پہلے کیوں نہ آیا آخر اگر میں جھوٹ کہہ رہی ہوں تو.....؟''

وہ لڑنے کو تیار تھیں۔ عمر اتنا زچ ہوا۔ اتنا جھنجھلایا کہ وہیں سے واپس پلٹ آیا۔

''ٹھیک ہے۔ میں نہیں لگوا رہا۔ اس لئے کہ مجھے اس کا خیال نہیں ہے۔ شاید آپ کو اب یقین آ جائے''

وہ بے حد طیش میں کہتا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلا گیا تھا۔ اماں کتنی دیر بعد تک بھی بڑبڑاتی رہیں۔ ایک گھنٹے بعد لائٹ آئی تب سعدیہ اس کیلئے کھانا لے آئی تھی۔ وہ کسمسندی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نگاہ بے ساختگی و بے اختیاری میں پھر وال کلاک کی جانب گئی۔ جہاں سہ پہر کے تین بج رہے تھے۔

''علیزے کب تک آ جاتی ہیں.....؟''

''آج ہی دیر ہوئی ہے بھائی.....! ورنہ تو اس وقت تک آ جاتی ہیں۔''

''آج کیوں دیر کر دی.....؟ فون ہے اس کے پاس.....؟''

اسے فطری طور پر تشویش لاحق ہوئی۔

''جی ہے تو ان کا فون مگر نمبر آپ کو پتا ہونا چاہئے۔''

وہ اب کے شرارت سے بولی تھی۔ عمر مصلحتاً خاموش ہوگیا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔''

وہ کچھ سوچ کر یہی کہہ سکا۔ پھر موبائل اٹھا کر وہ علیزے کی ماما سے بات کرنے کا سوچ رہا تھا کہ اس پل بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ عمر فون ہاتھ میں لئے اٹھ کر کھڑکی تک آیا۔ پردہ ہٹا کر جھانکا۔ سفید سوٹ میں گرمی اور دھوپ سے تمتمایا ہوا چہرہ لئے وہی تھی۔ اماں اسے دروازے پر ہی روکے دیر کرنے پر باز پرس کر رہی تھیں۔

''بس خراب ہوگئی تھی۔''

اس کی پر رسان آواز بھی اس تک پہنچی اور پھر اماں کی ملامت بھی طعنہ زنی اور کوسنے بھی..... عمر واپس

اپنی جگہ آ بیٹھا۔ اسے دیکھنے کی سادہ و معصوم سی خوشی پر اماں کا ناروا سلوک سانپ کی طرح کنڈلی مارے آ بیٹھا تھا۔ کھانے کو دل نہیں چاہا تو ٹرے دور سرکا دی۔ علیزے اپنے دھیان میں اندر آئی تھی۔ اسے سامنے پا کر کچھ ٹھٹھک سی گئی۔ دل پتا نہیں کیوں دھک سے رہ گیا۔

''السلام علیکم!

عمر کی نگاہیں اسی پر جمی تھیں۔ لہجہ گھمبیر سنجیدگی کی لپیٹ میں تھا۔ مگر چہرے پر فطری سی خوشی کا تاثر بھی تھا۔ علیزے چونکی پھر سپاٹ انداز میں جواب دیتی چادر اور بیگ اتار کر رکھتی منہ ہاتھ دھونے واش روم میں چلی گئی۔ عمر ایک دم ساکت رہ گیا تھا جیسے..... نگاہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دکھائی دیتے اپنے عکس پر جا ٹھہری۔ چہرے پر عجیب سی یاسیت در آئی تھی۔ بلیک ٹی شرٹ سفید ٹراؤزر میں اس کی دراز قامت بہت نمایاں ہو رہی تھی۔ چہرہ بھی ایسا گیا گزرا نہیں تھا۔ آج تک یہی سنا تھا اس نے اپنے بارے میں کہ اسے سانولی کھلتی ہوئی رنگت بہت جچتی ہے۔ پتا نہیں علیزے کو وہ آج تک متاثر کیوں نہ کر سکا تھا۔ اس اچانک اور اتنے دنوں بعد ہونے والے اس سامنے نے بھی علیزے کے چہرے پر خوشی یا مسرت کا کوئی رنگ نہیں بکھیرا تھا۔ یقیناً وہ اس کے نزدیک معمولی سی بھی اہمیت حاصل نہیں کر سکا تھا اور حاصل کرتا بھی کیسے.....؟

وہ ایک بے حد عام معمولی سی شخصیت کا مالک تھا جبکہ وہ کسی ریاست کی شہزادی لگتی تھی۔ جسے حالات اور قسمت کی ستم ظریفی نے اپنے بے رحم تھپڑوں سے یہاں لا کر پھینک دیا۔ وہ علیزے کے رویے سے شاکی نہیں تھا۔ اپنی جگہ پر وہ بالکل درست تھی۔ وہ اسے دے بھی کیا سکا تھا۔

نہ عزت

نہ محبت

نہ مان

نہ مقام

وہ تو اس کا دفاع تک نہیں کر پاتا تھا۔ اس میں جرأت کی کمی تھی۔ اعتماد کا فقدان تھا۔ وہ اماں اور آپا کے سامنے سر اٹھا ہی نہیں پاتا تھا۔ ہاں البتہ اگر اسے اماں اور آپا کے اس ظالمانہ منصوبے کا پہلے پتا چل جاتا تو شاید وہ ایسا نہ ہونے دیتا۔ اسے تو کسی بھی معاملے کی کانوں کان خبر نہیں ہونے دی گئی تھی۔ عین مہندی کی رات اسے بتلایا گیا۔ تب تک بھی اسے صرف آپا کی شادی کا علم تھا۔ مگر رات گئے جب اماں نے اسے اس کی شادی کا بتا کر بم پھوڑا تب بھی وہ اپنی فطری سادگی میں معاملے کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا۔ لیکن بارات جب ایسے علاقے ایسے شاندار گھر میں اتری تب اسے اپنی قسمت کے اس طرح کھل جانے پر پہلے تو یقین نہیں آیا۔ جب یقین آیا تو صرف فخر اور خوشی کا احساس تھا۔ جو جلد ہی اسی احساس کمتری میں دب گیا جس میں وہ ہمیشہ دبایا گیا تھا۔ وہ آپا سے پورے دس سال چھوٹا تھا۔ عمر کا اتنا تفاوت نہ بھی ہوتا تو جوان کی فطرت تھی وہ اسے بڑی آسانی سے دبا سکتی تھیں۔ سارا بچپن اماں اور ابا کی مار کھاتے گزرا۔ آپا نے اسے کبھی سکھ کا سانس لینے ہی نہ دیا۔ وہ اتنے عرصے

بعد پیدا ہوا تھا۔ پھر بیٹا تھا۔ ماں باپ کا لاڈلا بن سکتا تھا۔ آنکھوں کا تارا مگر آپا کو شاید یہی گوارا نہیں تھا کسی نہ کسی بات پر آپا اس کی شامت ابا اور اماں کے ہاتھوں بلوائے رکھتیں اور کچھ نہیں تو جھوٹے الزامات ہی سہی کہ یہ ٹھیک سے پڑھتا نہیں.....

خود سے بڑی عمر کے اور غلط قسم کے لڑکوں سے دوستی ہے۔
سکول سے بھاگ جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

آپا کو فساد کے بڑے نادر طریقے آتے تھے اور وہ ہمیشہ کامیاب رہتی تھیں۔ وہ جتنا ان سے ڈرتا تھا۔ شاید ہی اور کسی سے کبھی ڈرا ہو۔ وہ میٹرک میں تھا۔ جب مڈل فیل آپا جانے کیسے اچھی خاصی فیکٹری میں جاب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ پھر تو ان کے صحیح معنوں میں رنگ ڈھنگ بدلے تھے کہ ابا کا انتقال بھی ہو چکا تھا۔ وہ دبی ہوئی شخصیت کا عدم اعتماد کا شکار ایسا نوجوان تھا۔ جس سے کوئی دوستی کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ مگر پڑھائی میں چونکہ اچھا تھا جبھی اساتذہ بہت پسند کرتے تھے اور حوصلہ بڑھاتے تھے۔ وہ کالج میں آیا تو رشتہ داروں میں محلے والوں سے آپا کے متعلق چہ مگوئیاں سننے لگا۔ کوئی بھی بات ہوتی۔ اسے بغیر لحاظ کے طعنہ دیا جاتا کہ اس کی بہن کے معاشقے فلاں فلاں سے چل رہے ہیں۔ لوگوں کو الو بنا کر لوٹنا تیری بہن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور تیری ماں ساتھ دیتی ہے اس کا۔''

اُسے بے شرم بے غیرت کہا جاتا۔ ایک دو بار تو اس کا جھگڑا بھی ہوا اور نوبت مار کٹائی تک جا پہنچی۔ پورے خاندان اور محلے میں اس لڑائی اور اس کی وجہ نے خوب شہرت حاصل کی اور مہینوں اس کا ذکر چلتا رہا۔ مگر اماں نے پھر بھی اسے ہی رگیدا تھا۔

''تجھے ضرورت کیا تھی اس کے منہ لگنے کی.....؟ گند کو چھیڑ کر چھینٹے پڑوانے والی بات.....''

وہ برہم تھیں۔ مگر پہلی بار عمر نے جواباً ان سے ساری باتوں کی وضاحت مانگ لی تھی۔ بس پھر تو اماں اور سیما آپا نے جو اس کے لتے لئے۔ اس کو ذلیل کیا۔ طعنے کوسنے اور رونا پیٹا کہ وہ بھی ان پر الزام لگانے لگا۔ واقعی بے شرم ہے۔''

عمر اتنا پریشان اور کنفیوژ ہوا تھا کہ کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ آیا لوگ غلط ہیں یا اس کے گھر والے۔ لیکن یہ فیصلہ اس وقت خود بخود ہوگیا۔ جب اس نے خود آپا کو دو تین بار بہترین گاڑی میں نئے نئے چہروں کے ساتھ دیکھا۔ سیما کا وطیرہ ہی یہی تھا۔ وہ مردوں سے آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرتی اور اداؤں کے جال میں پھانس کر اپنا مقصد حل کیا کرتی تھی۔ تعلیم مکمل ہونے کے فوراً بعد عمر کی نوکری لگی۔ تو اس نے سب سے پہلے سیما کو گھر بیٹھنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کا موقف تھا وہ خود کما سکتا ہے۔ گھر میں ایک بار پھر اختلاف اور جھگڑا شروع ہوا جس کا فیصلہ پھر سے سیما کے حق میں ہوا۔ اس کا ٹرانسفر ساہیوال میں ہوا تو ازخود یہ جھگڑا ختم ہوگیا۔

دوسری طرف سیما نے اپنے سے کئی برس چھوٹے اسد پر ایسا جال پھینکا کہ وہ نکلنا تو درکنار پھڑ پھڑا تک نہ سکا۔ ڈھلتی عمر کے خوف سے سیما نے اسد کو صرف لوٹنے کا نہیں مستقل قبضہ جمانے کا پروگرام بنایا اور

تعویز گنڈوں کے ذریعے ایسا عمل کروایا کہ اسد اس سے شادی کو خود بے چین ہو گیا۔ صرف یہی نہیں ان ماں بیٹی کی خواہش کے مطابق اس نے اپنی بہن بھی اپنے پیر کی ٹھوکر سے ان کی ٹھوکروں میں پھینک دی تھی۔

گو کہ عمر کی علیزے سے شادی کرانے کے حق میں سیما نہیں تھی۔ مگر اماں کو لالچ آ گیا تھا۔ وہ علیزے کے ذریعے اپنا گھر بھی دھن دولت سے بھرنے کی متمنی تھیں اور کسی صورت اس شرط سے دستبرداری پہ آمادہ نہ ہوئیں۔ حالانکہ سیما نے بہت ڈراوے دیئے۔

لڑکی بہت خوبصورت ہے۔ آپ کا بیٹا بھی لے اڑے گی۔ پڑھی لکھی ہے۔ آپ کو دبا لے گی وغیرہ۔

مگر اماں کو اپنی صلاحیتوں پر بڑا ناز تھا۔ دبا کر رکھ سکتیں تھیں۔ صرف یہی نہیں انہیں بیٹی کے مزاج سے بھی آگاہی تھی۔ جو بے حد خود غرض مفاد پرست ذہنیت کی مالک تھی۔ انہیں پورا یقین تھا۔ اتنا بڑا ہاتھ مار کر وہ ایسی خوشیوں میں مگن ہوتی کہ انہیں پوچھتی بھی نہیں جبکہ وہ ہر سودے میں اپنا حصہ وصول کرنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ علیزے سے شادی کی صورت انہیں جہیز میں بہت کچھ ملتا اس کے ساتھ ساتھ مفت کی نوکرانی بھی مل جاتی۔ عمر کی کیا مجال تھی ان کے فیصلوں کے برخلاف چل سکتا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ابھی تک سب کھیل کامیابی سے جاری تھا۔ ان کا بدھو بیٹا ان کا ماتحت اور بہو ان کی توقع سے زیادہ احمق اور بے وقوف ثابت ہوئی تھی۔ وہ یہ بازی جیت کر بہت سرشار تھیں یقیناً۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر ساکت کھڑے عمر کے وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ علیزے اسے بنورو ہیں کھڑے پار ٹھٹھکی تھی اور آگے بڑھ کر اپنے کپڑے الماری میں رکھنے لگی۔ پلٹی تو چکرا سی گئی۔ عمر پانی کا گلاس بھرنے کے بعد اس کی جانب بڑھا چکا تھا۔ علیزے نے بے ساختہ اسے دیکھا۔ وہ متوجہ نہیں تھا۔

''یہ کھانا رکھا ہے۔ کھا لیجئے گا۔''

اس کی جانب دیکھے بغیر وہ ٹرے کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔ علیزے عجیب سے احساسات کا شکار ہوتی گلاس پکڑ چکی تھی۔ بیڈ کے کنارے ٹک کر چند گھونٹ لئے پھر بے دلی سے گلاس رکھ دیا۔ سعدیہ اسے بتا چکی تھی کہ دوپہر کا سب کام نپٹ چکا ہے۔ اب بس وہ آرام کرے۔ مگر عمر کی موجودگی میں سابقہ بے تکلفی یا اطمینان سے بہرحال وہ کمرے میں قیام نہیں کر سکتی تھی۔ جیسا وہ اس کی غیر موجودگی میں ریلیکس رہا کرتی تھی۔

''کھانا.....''

عمر نے چمچ سے ٹرے بجا کر اس کی توجہ حاصل کی تھی۔ علیزے گہری سوچوں سے بہت چونک کر متوجہ ہوئی۔

اور کچھ چڑ بھی گئی۔

''اتنا تردد کیوں کر رہے ہیں.....؟ جب بھوک لگے گی کھا لوں گی۔''

عمر کے سانولے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرانے لگا۔ شاید اسے علیزے سے ایسی بے مروتی کی توقع نہیں تھی۔

''چار بج رہے ہیں۔ ابھی بھی بھوک نہیں لگی تو کب لگے گی.....؟''

خود کو سنبھال کر وہ نرمی سے ٹوک رہا تھا۔ علیزے نے جھنجھلا کر کسی قدر غصے بھری نظروں سے اسے نوازا۔

''میری تو روزانہ کی یہی روٹین ہے۔ آج آپ کو فکر لاحق ہوئی.....؟''

اس کا انداز نہ طعنہ دینے کا تھا نہ جھگڑا کرنے کا۔ مگر وہ دکھی ضرور ہو رہی تھی۔ جھلا ضرور رہی تھی۔ عمر نے بغیر برا مانے کاندھے اچکا دیئے۔

''میں تو جب دیکھوں گا۔ محسوس کروں گا تو فکر کروں گا ناں۔ آج یہاں ہوں تو تردد بھی ہو گیا۔''

وہ مسکرا رہا تھا۔ زبردستی اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتا ہوا۔ علیزے پہلے ٹھٹھکی..... پھر گریزاں ہوئی تھی۔

''یہ آپ کا کھانا ہے۔ میں نیچے خود کھا لوں گی۔''

اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔ دروازے سے نکل گئی۔ عمر نے یوں متاسفانہ آہ بھر کے بال مٹھی میں جکڑے تھے۔ گویا عجیب مشکل میں پھنس گیا ہو۔ چہرے پر بے بسی تھی۔ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے وہ وہیں لیٹ گیا تھا۔ کب آنکھ لگی پتا نہیں چلا۔ علیزے چائے لے کر آئی تو کھانے کی ٹرے یونہی دھری تھی اور وہ خود بے خبر سو رہا تھا۔ وہ ہاتھ میں موجود بھاپ اڑاتے چائے کے مگ کو مایوسی سے دیکھتی تاسف سے سر ہلاتی ٹرے اٹھا کر پلٹ گئی۔

☆☆☆☆

اس کی آنکھ ہی شدید گرمی اور شدید بھوک کے احساس سے کھلی تھی۔ کروٹ بدلی تو منہ سے کراہ نکل گئی۔ جانے کتنے گھنٹوں سے ایک ہی زاویئے سے لیٹے اعصاب مفلوج ہو رہے تھے۔ پورا وجود پسینے سے شرابور تھا۔ لائٹ جانے کب کی گئی ہوئی تھی۔ وہ سر کھجاتا ہوا کسلمندی سے اٹھ بیٹھا۔ پوری شرٹ بھیگی ہوئی تھی۔ اس نے جمائی لیتے ہوئے شرٹ اتار دی۔ علیزے کمرے میں کہیں بھی نہیں تھی۔ اس لئے بھی وہ ریلیکس تھا۔ ماتھے پر بال پسینے سے چپکے ہوئے تھے۔ انہیں انگلیوں میں پھنسا کر اوپر اٹھایا۔ کھڑکی بند تھی۔ بستر سے اتر کر پہلے اس نے کھڑکی کھولی۔ ہوا گرم تھی۔ جو اس کا چہرہ جھلسا کے رکھ گئی۔ وہ بے اختیار پیچھے ہوا تھا۔ بھوک کا احساس اب ہر احساس پر غالب تھا۔ اس نے قدم موڑ کر ٹرے تک رسائی پانی چاہی مگر ٹرے پورے کمرے میں کہیں نہیں تھی۔ اس کا موڈ خراب سا ہو گیا۔ سعدیہ کو کھانے کیلئے کہنے کے ارادے سے دروازے کی جانب آیا تھا کہ دوسری طرف سے آتی علیزے سے بری طرح تصادم ہو کر رہ گیا۔ درمیان میں پردہ کی آڑ کی وجہ سے دونوں ہی ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکے تھے۔ علیزے کراہ کر عمر سٹپٹا کر پیچھے ہوا تھا۔

''چوٹ تو نہیں لگی آپ کو.....؟''

علیزے کی متغیر رنگت دیکھ کر وہ فکرمندی سے سوال کر رہا تھا۔ بلکہ باقاعدہ ہاتھ پکڑ لیا۔ علیزے کے

صحیح معنوں میں چودہ طبق روشن ہو گئے۔ جیسے کوئی راہ فرار ہی نہ رہی۔ خود عمر کو تو شاید اپنی پوزیشن کا خیال بھی نہیں تھا جبکہ وہ پہلی بار اس کی جانب سے ایسی بے تکلفی کا مظاہرہ پا کر گڑبڑا بوکھلا رہی تھی۔ ایک تو شرٹ کے بٹن تھا۔ اس پر ہاتھ بھی پکڑا ہوا تھا۔ وہ تو جب کہ ابھی پہلے تصادم والے جھٹکے سے نکل اور سنبھل نہیں پائی تھی۔

''ک..... کک کچھ نہیں۔ ٹھیک ہوں میں.....''

وہ جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتی تیزی سے پلٹی تھی کہ عمر نے پھر بے ساختہ پکارا۔

''بات سنیں..... لینے کیا آئی تھیں آپ.....؟ اور سعدیہ سے کہئے مجھے کھانا دے جائے۔''

وہ اس کی کیفیت کو سمجھ کر ہی جیسے مسکراہٹ دباتا ہوا دانستہ کہہ رہا تھا۔ علیزے رکی ضرور تھی۔ مگر پلٹ کر نہیں دیکھا اور سر ہلا کر نیچے بھاگ گئی۔

''کپڑے لئے بغیر ہی آ گئیں آپ بھابی.....!''

سعدیہ اسے خالی ہاتھ آتے پا کر حیرانی سے استفسار کرنے لگی کہ وہ مشین میں سرف ڈالے کپڑوں کی ہی منتظر تھی۔

''تمہارے بھائی جان کھانا مانگ رہے ہیں۔ میں گرم کرتی ہوں۔ تم اوپر پہنچا آنا۔ ساتھ کپڑے بھی لے آنا۔''

وہ نظریں چراتی کہہ کر کچن میں جا گھسی۔ سعدیہ نے گہرا سانس بھرا اور اس کے پیچھے آ گئی۔

''اماں کے اٹھنے سے پہلے کام نپٹانا چاہتی تھی میں..... اب دس پندرہ منٹ کہیں نہیں گئے۔''

''کچھ نہیں ہوتا۔ پریشان نہ ہو۔''

وہ چاولوں کی کیتلی چولہے پر دھیمی آنچ میں گرم ہونے کو رکھ چکی تھی۔ پلٹ کر فریج سے سلاد کی پلیٹ نکالنے لگی۔

''اتنے دن بعد اکٹھے ہوئے تھے آپ لوگ..... مگر کھانا الگ الگ کھایا۔ جب سے آئی ہیں۔ مسلسل نیچے کاموں میں مگن ہیں۔ میرا بھائی بیچارا اوپر اکیلا.....''

سعدیہ اتنی بھی معصوم سیدھی نہیں تھی۔ ہر معاملے پر گہری نگاہ رکھتی تھی۔ علیزے جو پہلے ہی کترائی ہوئی تھی اس موضوع کے آغاز کے ساتھ ہی ہونٹ بھینچ گئی۔ اب وہ دوسرے چولہے پر توا رکھے روٹی پکانے کی تیاری میں تھی۔

''رہنے دیں۔ چاول ڈش میں لے جائیے گا۔ بھائی شوق سے کھاتے ہیں۔ روٹی سے منع کرتے ہیں اگر چاول ہوں تو.....''

سعدیہ کے ٹوکنے پر اس نے آٹا واپس فریج میں رکھ دیا اور چاول ڈش میں ڈالنے لگی۔

''یہ بھی لے جائیے گا۔ اماں کو تو شاید خیال بھی نہ آئے کہ بیٹے کی لائی چیزیں اسے بھی کھانے کو دینی ہیں۔''

سعدیہ فریج کھول کر فروٹ اور مٹھائی کے ساتھ لیٹر پیک کولڈ ڈرنک بھی نکال کر ایک الگ سے ٹرے تیار کر چکی تھی۔

''لے جاؤ گی تم ہی..... میں کپڑے دھونے جا رہی ہوں۔''

علیزے نے کھانے کی ٹرے بھی اس کے پاس سلیب پر رکھ دی۔ سعدیہ نے پہلے چونک کر پھر حیرانی میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا تھا۔ اگلا اور دائمی تاثر تاسف و ملال کا تھا۔

''مجھے نہیں پتا ہے بھرجائی کہ آپ بھائی جان سے کیوں بھاگتی ہیں۔ میں بس یہ نہیں چاہتی کہ آپ ایسی ہی زندگی گزاریں..... ایسی قابل رحم زندگی..... جس میں اماں کی بدسلوکی اور آپا کا تسلط ہو..... بھائی جان عدم اعتماد کا شکار ضرور ہیں۔ ممکن ہے اسی وجہ سے وہ کھل کر آپ کو کچھ نہ کہہ سکے ہوں۔ لیکن میں نے ان کی نگاہوں میں آپ کیلئے بے حد پسندیدگی اور محبت دیکھی ہے۔ جو جیسا ہے اگر اسے آپ اپنا نصیب سمجھ کر قبول کر چکی ہیں۔ تو پھر یہ گریز کیونکر.....؟ ان فاصلوں کو ختم کریں۔ ایک دوسرے کے قریب آئیں۔ بلکہ جب بھائی جان آپ کو ساتھ لے کر جانا چاہ رہے تھے تو نہ جانے کی وجہ مجھے قطعی طور پر سمجھ سے باہر رہی۔ آپ کو شکر ادا کرنا چاہئے تھا۔ جان چھوٹ جانے پر.....''

''رہنے دو سعدیہ! یہ خود بہت سمجھ دار ہیں ماشاء اللہ! انہیں نصیحتوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔''

عمر کی آواز پر دونوں ایک ساتھ پلٹیں۔ سعدیہ خفیف سی جبکہ علیزے کے چہرے کے تاثرات میں عجیب سی سرد مہری تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا۔ وہ کب آیا تھا اور کتنی بات سن چکا تھا۔

''انہیں کھانا دے دو سعدیہ! مجھے باہر کام ہے۔''

وہ قدرے خفگی سے کہتی سائیڈ سے ہو کر چلی گئی۔ سعدیہ نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ عمر خاموشی سے اندر آ کر کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ سعدیہ نے کھانا اس کے آگے چن دیا۔

''وہ اگر خفا ہیں یا کسی غلط فہمی کا شکار تو آپ کو انہیں منانا چاہئے تھا بھائی.....''

سعدیہ اس سے الجھنے لگی۔ عمر گہرا سانس بھر کے سر جھٹکنے لگا۔

''تم ابھی بچی ہو۔ اتنی بڑی بڑی باتیں نہ کیا کرو۔''

وہ بزرگانہ سنجیدگی و متانت سے کہتا کھانا شروع کر چکا تھا۔ سعدیہ کو ایک دم غصہ آیا۔

''کسی کو چپ کروانے کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی کمزوری پکڑ لو۔''

''ارے.....''

جواب سے عمر کو بڑی خوشگوار قسم کی حیرت نے آن لیا۔ اسے دیکھتا وہ بے ساختہ ہنسنے لگا۔

''بہت زیادہ سمجھ دار نہیں ہو گی تم.....؟''

''ابھی آپ بھرجائی کو بھی یہی کہہ رہے تھے۔ بس سب کو سن کر داد ہی دے سکتے ہیں۔ خود کچھ نہ کیجئے گا۔ وہ بے حد ناراضگی سے کہتی کچن سے ہی نکل گئی۔ عمر کچھ ثانیوں کو ساکن رہ گیا تھا۔ اسی نہج پر سوچتا ہوا کہ یہ

شکوہ صرف سعدیہ کا ہے یا علیزے کا بھی.....؟

☆☆☆

کھانے کے بعد اس نے چائے بھی خود بنائی تھی اور وہیں بیٹھ کر پیتے ہوئے اسی نقطے پر غور و خوض کرتا رہا تھا۔ چائے کا مگ ختم ہوا تو سوچوں کو بھی جیسے کنارہ مل گیا۔ وہ اٹھ کر باہر آیا تو پہلی نگاہ ہی علیزے پر پڑی تھی۔ جو دھلے ہوئے کپڑوں کی بڑی سی بالٹی بھرے چھت پر جانے کو سیڑھیوں کی جانب جا رہی تھی۔ بالٹی بھری ہوئی اور وزنی تھی۔ اس کا نازک دھان پان سا وجود..... وہ جیسے کچلتی ڈال کی مانند دوہری ہوئی جاتی تھی۔

عمر لمبے ڈنگ بھرتا نزدیک آیا اور بالٹی اس سے لینے کو ہاتھ بڑھایا۔

''چھوڑ دیں۔ میں لے جاتا ہوں۔''

اس کا لہجہ صرف نرم نہیں تھا۔ دوستانہ بھی تھا۔ علیزے نے دستے سے ہاتھ نہیں ہٹایا۔

''ضرورت نہیں۔ میں اپنے کام خود کرنے کی عادی ہوں۔''

وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ آواز میں سختی تھی نہ خفگی..... البتہ بیگانگی ضرور تھی۔

''بہت بھاری ہے۔ آپ کے بس کا کام نہیں.....''

وہ پھر نرمی سے ٹوک رہا تھا۔ البتہ خفگی محسوس کر چکا تھا لہجے میں اصرار تھا۔

''جو بھی ہو..... میں خود ہی کروں گی۔ آپ کی والدہ کی باتیں نہیں سننا مجھے.....''

وہ چڑی۔ عمر نے گہرا سانس بھرتے دستے پر موجود اس کے ہاتھ پر اپنے سخت ہاتھ کی گرفت جما دی۔

''اوں..... ہوں چھوڑ دیں۔ ورنہ بالٹی کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی اٹھا لوں گا۔''

ناراضگی خفگی اور طعنے کے جواب میں ایسا خود سر ہٹ دھرم استحقاقانہ انداز..... علیزے کو چکرا کے رکھ گیا۔ وہ پہلے چونکی تھی۔ پھر ٹھٹکی۔ پھر خائف ہوتے نہ صرف ہاتھ کھینچا بلکہ پیچھے بھی ہٹ گئی کہ عمر کے چہرے کے تاثرات ہی ایسے من مانی کے ہو رہے تھے۔ جو اسے سٹپٹا کے رکھ گئے تھے۔ نظریں چراتی جز بز ہوتی لڑکی کی گلابی رنگت میں موجود تمتماہٹ عمر کو مزہ دے گئی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا بالٹی اٹھا کر سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ علیزے کچھ دیر وہیں کھڑی انگلیاں چٹخاتی رہی۔ پھر خود بھی اوپر آ گئی تھی۔ مگر پہلے ہی مقام پر پھر جھٹکا لگا۔ عمر گنگناتے ہوئے ایک ایک کپڑا اٹھا کر پھیلانے میں مصروف تھا بجائے کمرے میں جانے کے وہ تملا کے آگے بڑھی تھی۔

''آپ آخر کیوں چاہتے ہیں کہ آپ کی والدہ کی شکایتوں میں اضافہ ہو.....؟''

اس کے سر پر چڑھ کر وہ تیکھے چتونوں سے گویا اسے جھاڑ رہی تھی۔ عمر نے گہرا سانس بھر کے اسے عاجز ہو کر دیکھا۔

''میں تو صرف آپ کی مدد کر رہا ہوں۔''

''مگر انہیں ایسے لگے گا آپ میری غلامی کر رہے ہیں.....''

کپڑے خود اٹھا کر نچوڑنے کے بعد تار پہ پھیلاتی ہوئی وہ چڑ کر حقیقت آشکار کر رہی تھی۔ عمر کی اسے

تکتی نگاہوں میں شرارت ہی نہیں عجیب سی حسرت بھی اتر آئی۔

''کاش ہمیں یہ سعادت ہی نصیب ہو جائے.....''

علیزے نے اچھا خاصا چونک کر اسے دیکھا۔ وہ متوجہ ہی تھا۔ نگاہیں چار ہونے پر نرمی سے مسکرایا۔ علیزے گڑبڑا سی گئی۔

''آپ جائیں یہاں سے..... کام کرنے دیں مجھے..... اماں نے دیکھ لیا تو''

''تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اماں نے ہی ضد کر کے ہمیں اکٹھا کیا ہے۔ ورنہ محل کا یہ چاند اس جھونپڑی میں کبھی نہ اترا ہوتا۔''

اس کا لہجہ گھمبیر تر ہوا تھا۔ نظریں کتنی گہری تھیں۔ علیزے کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسے وہ یکسر بدلا ہوا لگا۔ وہ غیر محسوس انداز میں رخ پھیر گئی۔

''دیکھیں ذرا..... لوگ ہمیں اکٹھا کام کرتے دیکھ کر یہی سمجھیں گے نا کہ ہم بہت پیار کرنے والے میاں بیوی ہیں.....''

وہ بالٹی میں موجود آخری کپڑا نچوڑ کر پھیلا رہی تھی جب عمر نے خالی بالٹی اٹھا کر اس کے پیندے میں موجود پانی دور اچھالتے ہوئے اسے کاندھا مارا تھا۔ علیزے ہل کر رہ گئی۔ اس کی حرکت پہ ہی نہیں..... ہمسائے کی چھت پر موجود اک خرانٹ سی خاتون کی موجودگی سے بھی..... اب بھلا اماں تک معاملا نمک مرچ لگ کر کیسے نہ پہنچتا۔ اسے اپنی ذلالت کا پکا یقین ہوا تھا۔ جبھی ساکت و سامت رہ گئی۔

''کھانا وانا بھی کھایا تھا یا کام ہی کئے جا رہی ہیں؟''

عمر نے اس کی کیفیت کو سمجھے بغیر ایک بار پھر اسے کاندھا مارا۔ اب کی مرتبہ وہ کسی طرح بھی خود پر کنٹرول نہیں کر سکی۔

''دماغ خراب نہ کریں میرا..... جتنے ہمدرد ہیں ناں آپ میرے سب پتا ہے مجھے..... اپنی حد میں رہا کریں۔''

وہ اتنا بھڑکی تھی کہ اس پر الٹ پڑی۔ متوقع ذلت کا احساس ابھی سے اس کی آنکھوں میں مرچیں بھر رہا تھا۔ یہ عورت اس سے قبل بھی گھر آ کے اماں کو اس کے خلاف بھڑکا کر جھگڑا کروا چکی تھی۔ ذلت کا یہ سلسلہ جتنا بھی دراز ہو جاتا۔ وہ اس سے سمجھوتہ نہیں کر سکتی تھی۔ ہر بار نئے سرے سے اس کی انا اس کا وقار اس کی نسوانیت زخمی ہوتی تھی۔ مجروح ہوتی تھی۔ مگر عمر کو کسی بات کا احساس نہیں تھا۔ اگر وہ چند دنوں میں اس کی ماں اس کے محلے والوں کو سمجھ گئی تھی۔ تو عمر کیسے نہ سمجھتا ہوگا۔

احتیاط تو انسان کو کرنی چاہئے۔ پھر اس سے قبل تو جیسے وہ ہمیشہ ہی اتنا کیئرنگ یا رومینٹک ہی رہا تھا نا جواب چھت پر آ کر یہ ڈرامہ شروع کر دیا تھا۔ علیزے کو تو کم از کم یہ سب ڈرامہ ہی لگا تھا۔ ضبط چھلکا تھا۔ تو طوفان آ گیا تھا۔ اس نے عمر کا دھواں دھواں ہوتا چہرہ دیکھا نہ آنکھوں میں موجود بکھر جانے والے اس مان کی کرچیاں جو

ابھی پوری طرح مضبوط بھی نہ ہو پایا تھا اور اسی غصے کی کیفیت میں پلٹ کر دھڑ دھڑ کرتی سیڑھیاں اتر گئی۔

☆☆☆

اس کے بعد وہ سارا دن اسے نظر نہیں آیا۔ رات کو جب لوٹا ہوگا تو علیزے کو خبر نہیں ہو سکی۔ اگلے دن وہ واپس جانے کو تیار تھا۔ علیزے ناشتے کی ٹرے لے کر آئی تو اسے بالکل تیار پایا تھا اور شاید اس کا منتظر بھی تھا۔

''یہ کچھ پیسے رکھ لیں۔''

علیزے نے حیران ہو کر اس کے بڑھائے ہوئے نیلے نوٹوں کو دیکھا۔

''یہ کس لئے.....؟''

اس کی صبیح پیشانی پر شکنیں پڑنے لگیں جبکہ وہ جانتی تھی۔ مہینے کا خرچہ وہ اماں کو دیا کرتا تھا۔

''پڑھتی بھی ہیں آپ.....تو ظاہر ہے ضرور پڑتی ہوگی۔''

وہ آہستگی سے بولا۔ پتا نہیں وہ اس سے نظریں چرا کر ہی کیوں بات کرتا تھا۔ اسے غصہ آنے لگا۔ اپنی غلطی کی جانب دھیان نہیں دیا کہ اس کے حوصلوں کو مسمار کرنے والی بھی وہی تھی۔

''بڑی جلدی خیال نہیں آ گیا آپ کو میری ضرورتوں کا.....؟''

علیزے بھی سارا غبار سارا طیش اسی پر نکالنے لگی تھی۔ تو وجہ ظاہر ہے یہی تھی۔ وہ سہتا تھا۔ مگر اسے احساس نہیں ہو سکا۔ عمر اس کوتاہی کی نشاندہی پر شرمندہ و خفت زدہ نظر آنے لگا۔ حالانکہ یہ کوتاہی بھی اس کی نہیں تھی۔ شادی پر ہونے والے خرچوں میں ہی کنگال ہو گیا تھا وہ.....اماں نے ایک دھیلا بھی نہیں رہنے دیا تھا اس کی جیب میں..... واپس جاتے ہوئے وہ کرایہ بھی ان سے مانگ کر لے کر گیا تھا۔

اس پر جو اماں سے سنی وہ الگ..... دوسری جانب علیزے تھی۔ جو کل اس کے غائب ہو جانے کے بعد چھت پر عمر کی اٹھکیلیوں کی داستان اماں کو سنا کر محاذ کھول گئی تھی۔ پھر اماں کی زبان کے جوہر تھے اور علیزے کا ضبط.....ایسے میں وہ اس پر بھی بھڑاس نہ نکالتی تو شاید گھٹ کر مر جاتی۔

''آئی ایم سوری..... مجھے احساس تو تھا مگر.....''

وہ ہچکچا کر خاموش ہو گیا۔ ظاہر ہے بات بتلانے والی بھی نہیں تھی۔ مگر علیزے ضرور استفہامی نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔

''مگر.....؟؟؟''

وہ وضاحت چاہتی تھی۔ عمر جز بز ہوا۔ اب کیا بتاتا اسے.....علیزے کو پھر غصہ آنے لگا۔ جبھی تلخ ہوئی۔

''اس احسان کی قطعی ضرورت نہیں..... مجھے آپ کے پیسے نہیں چاہئیں سنبھال کر رکھیں.....آپ کی والدہ اور بہنوں کے کام آئیں گے۔''

وہ بھڑک گئی تھی۔ عمر کو پھر بھی اس پر غصہ نہیں آیا۔ جبھی بولا تو انداز قائل کرنے والا تھا۔

''ان کے ساتھ ساتھ آپ بھی میری ذمہ داری ہیں علیزے! مجھے اپنے حقوق تو ادا کرنے دیں.....''

گو کہ لہجہ نرم تھا۔ مگر ہلکی سی جھنجھلاہٹ ضرور در آئی تھی' جسے علیزے کا حساس پن ہی محسوس کر سکتا تھا۔ البتہ آخری بات پہ ضرور چونک گئی خفا نظر آنے لگی۔

''کس قسم کے حقوق کی ادائیگی کرنا چاہتے ہیں.....؟ میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے یہاں' جانتے ہیں ناں سب.....؟ کر سکتے ہیں میرا دفاع.....؟''

اس کا کاٹ دار طنزیہ تیکھا لہجہ عمر کا چہرہ پھیکا کر کے رکھ گیا۔ وہ بے اختیار نظریں چرا گیا۔

''اسی لئے میں آپ کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا تھا۔''

''اور آپ کے خیال میں یہ مسئلے کا حل تھا.....؟''

وہ چیخ چیخ کر کہتی اس کا دفاع کند کر گئی۔ عمر عاجز و بے بس سا اسے دیکھنے لگا۔

''پھر آپ بتائیے..... کیا چاہتی ہیں آپ.....؟''

''کم از کم آپ سے کچھ نہیں..... بس اپنے کام سے کام رکھا کریں۔''

اپنا غبار اس پر نکال کر وہ تپتے چہرے سے الماری کھول کر اپنے کپڑے نکالنے لگی۔ عمر نے ہونٹ بے زاری سے کاٹے تھے۔ پیسے واپس رکھنے کو اس نے پینٹ کی جیب سے والٹ نکالا تو والٹ کے ساتھ کوئی اور چیز بھی جیب سے نکل کر زمین پر گری تھی اور لڑھکتی ہوئی کچھ دور چلی گئی۔ پختہ فرش پر پلاسٹک کی ڈبیا کی آواز کا معمولی سا ارتعاش گونجا۔ عمر کے ساتھ علیزے بھی متوجہ ہوئی۔ دل شیپ میرون کلر کی چھوٹی سی ڈبیا کا ڈھکن کھل چکا تھا اور نازک سی گولڈ کی رنگ علیزے کے قدموں سے کچھ فاصلے پر گر کر ساکن ہو چکی تھی۔ عمر نے یہ انگوٹھی عجلت میں اپنی شادی کے دن اس اچانک شادی کے نتیجے میں بہت ایمرجنسی میں سہی مگر ارمانوں سے خریدی تھی رونمائی کیلئے..... مگر اپنے سے بہت اونچے مقام کی دلہن کو پا کر اس کی خوبصورتی کے سامنے وہ اتنا کنفیوژ ہوا تھا کہ یہ معمولی تحفہ اسے دینے کی ہمت نہیں کر سکا اور وہ یونہی جیب میں پڑا رہ گیا تھا۔ پھر دلہن کے چہرے پر اپنے لئے ثبت بے زاری اور لاتعلقی کے تاثرات نے بھی تو اسے کبھی پیشرفت کی جرأت و ہمت نہیں دی۔ وہ جو پہلے ہی گھر کے دباؤ کے ماحول میں ہی پل کر بڑا ہوا تھا۔ ایک دبی ہوئی شخصیت کا مالک تھا۔ اتنی شاندار پرتمکنت لڑکی کے قابل خود کو نہیں پاتا تھا۔ جبھی ان کا تعلق ایک کشیدگی اور تناؤ کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ اس پر یہ آگاہی کہ لڑکی پر جبر اور زبردستی ہوئی ہے۔ وہ اپنے طور پر یہ سمجھ کر بیٹھ گیا۔ اسے علیزے کی واپسی کے راستے کھلے رکھنے چاہئے۔ ایک جبر کے بعد وہ اس پر دوسرے جبر کا قائل نہیں تھا۔ پھر علیزے کے رویئے اور سلوک نے بھی اسے ہمیشہ یہ جتلایا تھا کہ وہ اسے اپنے قابل نہیں سمجھتی۔ خود میں سمٹنے کیلئے یہ احساس کافی تھا۔ ورنہ گھر میں جیسا بھی سہی وہ گھر سے باہر کی حد تک ایک مکمل اور پراعتماد شخصیت تھا۔ علیزے نے انگوٹھی سے نگاہ ہٹا کر عمر کو دیکھا۔ وہ ہونٹ بھینچے بے حد مضطرب نظر آ رہا تھا۔ معاً وہ جھکا اور انگوٹھی اٹھا کر ڈبیا میں بند کی اور والٹ کے ساتھ ڈبیا بھی ڈریسنگ کا

دراز کھول کر بے دلی سے اس میں پھینک کر خود بیگ اٹھائے پلٹ کر باہر نکل گیا' کل کی معمولی پیشرفت کے بعد ہونے والی عزت افزائی کے بعد اب مزید کسی جرأت کی گنجائش تھی نا اس میں ہمت.....

جبکہ اس کے چلے جانے کے بہت دیر بعد بھی علیزے بہت دیر تک اسی پوزیشن میں کھڑی رہی۔ اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور چہرہ جانے جس جذبے کے تحت سرخ پڑتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

انسان کے بکھرے ہوئے اجزائے انا دیکھ
تن اور ہے من اور ہے دل اور ہے زباں اور

اس کے جانے کے بہت دن بعد بھی وہ خود میں عجیب سا محسوس کرتی رہی۔ خالی خالی سا۔ جو کچھ ہوا تھا۔ اس میں اگر اس کا قصور نہیں بھی تھا۔ تو جو کچھ اب ہو رہا تھا۔ اس میں کہیں نہ کہیں اس کا جرم ضرور ثابت ہوتا تھا۔ وہ جب بھی اپنے دل میں جھانکتی خود کو بری ذمہ کبھی قرار نہ دے پاتی۔ عمر کے جانے کے اگلے دن اماں اور سعدیہ دونوں ہی حیران ہوگئی تھیں۔

''مگر بھائی جان تو ایک ہفتے کی چھٹی پر آئے تھے۔ صرف دو دن بعد کیوں چلے گئے.....؟ وجہ بتائی کوئی؟''

سعدیہ کے سوال پر وہ خود ہونق ہو کر رہ گئی۔ اسے تو یہ بھی ابھی معلوم ہوا تھا۔ وہ اتنے سارے دنوں کو آیا تھا۔

''نہیں۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔''

وہ یہی کہہ سکتی تھی۔ اماں کو اگر عمر کے آنے پر تپ چڑھی تھی' تو یوں بنا بتائے چلے جانے پر بھی کم غصہ نہیں تھا۔ وہ سارا دن وقفے وقفے سے بڑبڑاتیں اور اسے مورد الزام ٹھہراتی رہیں۔

''ماں نے کسی سے بھی لگا کر کھانے کا سبق نہیں پڑھایا۔ عجیب لڑکی ہے۔ شوہر سے بھی نہیں بنا کر رکھتی یا پھر کوئی ایسا سبق پڑھایا کہ بھگا دیا۔ ہاں بھئی..... ماں کے پاس بیٹھ جاتا تھا دو گھڑی۔ کہاں برداشت ہو رہا ہوگا اس چلتر عورت سے۔''

وہ اب بھی غبار نکال رہی تھیں۔ علیزے چپکے سے کان لپیٹے اوپر آ گئی۔ بہت دن ہوئے ماما سے بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ انہی سے بات کر کے اپنا ذہن بٹانا چاہ رہی تھی۔ اللہ جانے موبائل کہاں رکھ دیا تھا۔

اس نے پورا کمرا کھنگال مارا نہیں ملا تو دراز کھینچی تھی۔ موبائل کی بجائے نگاہ کی زد پر انگوٹھی کی ڈبیا اور والٹ آ گیا۔ عمر وہ پیسے اور رنگ وہیں چھوڑ گیا تھا۔ دانستہ یا نادانستہ وہ سمجھ نہ سکی۔ کچھ دیر ساکن و سامت بیٹھی رہی۔ پھر جانے کس جذبے کے تحت ہاتھ بڑھا کر رنگ کیس اٹھا کر کھولا۔ سرخ دہکتے نگینے سے مزین بے حد نفیس ڈیزائن کی نازک سی انگوٹھی جگر جگر کر رہی تھی۔ اس نے احتیاط سے نکالی اور بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی پہن میں لی۔ کچھ ڈھیلی تھی۔ مگر اس کے گداز دودھیا ہاتھ پہ بے حد جچی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ اتر

آئی۔ آنکھیں نم نم سی تھیں۔ جنہیں پونچھے بغیر اس نے والٹ اٹھا لیا تھا۔ کھولا تو سب سے پہلی نگاہ اس کی آئی ڈی کارڈ پر گئی۔ دوسری سائیڈ پر وہی رقم تھی۔ اس نے پیسوں کو چھوڑ کر آئی ڈی کارڈ کھینچ کر باہر نکالا۔

سیدھی مانگ میں بنے بالکل سیاہ چمکیلے بال تیکھی کھڑی ناک..... متناسب آنکھیں سیاہی مائل عنابی ہونٹ اور بیضوی چہرہ وہ اچھا خاصا وجیہہ نوجوان تھا۔ یہ ابھی علیزے پر انکشاف ہوا کہ دیکھا ہی اتنے دھیان سے پہلی بار تھا۔ علیزے کو اس کی آنکھیں شکوہ کرتی ہوئی لگنے لگیں۔

جس روز وہ آیا اسی شام بازار سے اسپیشل ان سب کیلئے شاپنگ کر کے لایا تھا۔ تین چار موس کی مناسبت سے لان اور سوئس کے خوشنما رنگوں نفیس پرنٹ کے سوٹ اور ساتھ میں دو ناک سے چپلوں کی جوڑیاں۔ اس نے شاپنگ بیگ لا کر اس کے پاس بیڈ پر رکھا تو علیزے سب کاموں سے فراغت کے بعد ابھی پڑھنے بیٹھی ہی تھی۔ چونک کر متوجہ ہو گئی۔

''کیا ہے یہ.....؟''

وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

''کھول کر دیکھ لیں۔''

عمر کے ہونٹوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ وہ جھک کر جوتے اتار رہا تھا۔ آواز کچھ غیر مبہم سی تھی۔ علیزے نے شاپر الٹ دیا اور سامان دیکھ کر پھر اس کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

''اس زحمت کی کیا ضرورت تھی.....؟''

وہ یونہی سپاٹ اور بیگانی ہو جایا کرتی تھی۔ جیسی اب بے حد سنجیدہ نظر آنے لگی۔ عمر کو اس سے کسی اچھے رسپانس کی تو امید نہیں تھی۔ مگر ایسی لاتعلقی اور سرد مہری ضرور اس کے حوصلوں کو پسپا کر جایا کرتی۔

''پھر کیا کرتا میں.....؟ پیسے آپ نے لئے نہیں تھے۔''

وہ بھی سنجیدہ ہو چکا تھا۔ مدھم آواز میں بولا تو علیزے نے پہلی بار بہت دھیان سے اسے دیکھا تھا۔

''اپنے گھر کے اصولوں کو میری خاطر توڑ کر کیوں ذلیل ہوتے ہیں.....؟''

اسے عمر پہ بیک وقت غصہ بھی آیا تھا۔ ترس بھی۔ کچھ دیر قبل اس نے اماں کے چیخنے کی آوازیں سنی تھیں۔ وہ صاف صاف لفظوں میں عمر کو زن مریدی کے طعنے دے رہی تھیں۔ تب تو معاملہ اور جرم اسے سمجھ نہیں آ سکا مگر اب اندازہ بخوبی ہو رہا تھا کہ انہیں عمر کا یہ ہی اقدام پسند نہیں آیا تھا یقیناً۔

''مجبوری ہے۔ میں نہیں چاہتا جتنی دیر آپ یہاں ہیں۔ کسی قسم کی پریشانی سے دوچار ہوں وہ بھی میری طرف سے.....''

وہ جوتے اتار چکا تھا۔ تھکے ہوئے انداز میں کنپٹیاں دباتا بولا تو علیزے خفیف سا چونکی

''میں کہیں اور بھی جانے والی ہوں کیا.....؟''

وہ واقعی الجھ گئی تھی۔ اس بات کا مطلب ہرگز نہیں سمجھ پائی تھی وہ۔ عمر نے سرد آہ بھری۔

''میں جانتا ہوں..... آپ یہاں ہمیشہ نہیں رہیں گی..... یہ گھر اور یہاں کی کوئی بھی چیز آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ آپ کی واپسی کے سارے راستے میں کھلے رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کا ہر فیصلہ مجھے دل سے قبول ہوگا۔ جس طرح سے میری یا آپ کی فیملی نے آپ کو مجبور کیا میں آپ پر کوئی بھی جبری فیصلہ مسلط نہیں کرنا چاہتا۔''

علیزے کے ایک دم سے دہک اٹھنے والے چہرے پر نگاہ ڈالے بنا وہ سرعت سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تب وہ جو ماحول سے کٹ گئی تھی۔ ایک دم چونکی اور گھبرا کر تیزی سے اس کا والٹ اور کارڈ دراز میں ڈال کر ہاتھ پشت پر چھپا لیا۔ سعدیہ نے اس کے گڑبڑانے کو حیران ہو کر دیکھا۔ پھر اپنی آمد کے مقصد کی طرف آ گئی۔

''بھرجائی لائیں اپنے وہ سوٹ مجھے دے دیں۔ میں سلائی کر دوں گی۔''

''کون سے سوٹ.....؟''

اس نے اچنبھے میں گھر کر یہ سوال کیا تھا۔

''جو کچھ دن پہلے بھائی جان لائے تھے۔ میں سلائی سینٹر جاتی ہوں ناں..... نئی ڈیزائننگ کے سلائی کروں گی۔''

وہ بے حد جوش و خروش سے کہہ رہی تھی۔ علیزے نے سر جھٹک ڈالا۔

''مجھے نہیں سلوانے.....''

''کیوں بھرجائی.....؟ میں نے اپنے اور اماں کے ساتھ آپا کے بھی سلائی کرنے ہیں۔ بھائی جان ہم تینوں کے بھی لائے تھے۔''

سعدیہ فخر سے اپنی کارگزاری بتلا رہی تھی۔

''ابھی مجھے کپڑوں کی ضرورت نہیں۔''

اس نے جیسے جان چھڑائی۔ تو سعدیہ مایوس سی ہو کر پلٹ گئی۔

''سنو..... تم سلائی سینٹر کیوں جاتی ہو.....؟ پڑھائی چھوڑ دی ہے کیا.....؟''

وہ یہ اہم سوال آج اتنے عرصے بعد پوچھ رہی تھی تو خود اپنے آپ میں شرمندگی محسوس کرنے لگی۔

''ہاں جی.....! میٹرک کی انگلش میں سپلی ہی آئی ہر بار۔ آخر چھوڑ دیا۔ اماں نے سینٹر ڈال دیا۔ دو سال ہوئے۔''

وہ منہ بنا کر بولی تھی۔ پھر جیسے اسے قائل کرنے کو مزید اضافہ کیا۔

''میں اپنے سلائی کئے ہوئے کپڑے دکھاؤں گی آپ کو..... پسند آ گئے تو آپ بھی سلوا لینا۔''

''تم پڑھائی دوبارہ شروع کرو سعدیہ!''

علیزے نے باقی باتیں جیسے سنی نہیں تھیں۔ سعدیہ گڑبڑا سی گئی۔

''نہیں نہیں..... مجھے بڑی مشکل لگتی ہے انگلش۔''

وہ گھبرا کر نفی کرنے لگی تو علیزے مسکرا دی۔

''میں تمہیں ہیلپ دیا کروں گی۔ پریشان نہیں ہو۔ تم میٹرک کلیئر کر لو تو کالج میں ایڈمیشن ہو جائے گا۔''

علیزے نے جیسے پکا پروگرام طے لیا۔ سعدیہ کی جان پر بن آئی۔

''مجھے بھائی جان بھی بہت ہیلپ کرتے رہے ہیں پڑھائی میں..... مگر پھر بھی سپلی آئی۔''

سعدیہ پروں پر پانی نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی۔ علیزے نے مگر پھر بھی جان نہیں چھوڑی۔

''تمہارے بھائی جان کے بس کا کوئی کام ہے بھی نہیں..... میں پڑھاؤں گی پھر دیکھنا کیسے کامیابی ملے گی۔ انشاء اللہ۔''

وہ مسکرا کر بولی تھی۔ سعدیہ نے منہ لٹکا کر محض سر ہلایا اور رفو چکر ہو گئی۔

☆☆☆

ان کے ایگزیم ختم ہوئے تو چھٹیاں ہو گئیں۔ اسی روز منیب چودھری آن دھمکا۔ گویا وہ تو اسی دن کا منتظر تھا۔

''میں آپ لوگوں کو لینے آیا ہوں.....''

وہ صلہ سے ہی مخاطب تھا شاید۔ صلہ جز بز ہونے لگی۔

''لیکن میں تو آپ کو منع کر چکی تھی.....''

صلہ نے دامن چھڑانا چاہا۔ جو چھوٹتا نہیں تھا۔

''یہ تو نہیں ہونا چاہئے۔ پھر آپ وعدہ خلافی بھی کر رہی ہیں۔ آپ ہمیں میزبانی کا شرف تو بخشیں یقین کریں شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔''

یہ بحث طول پکڑنے لگی تھی۔ جس سے عاجز ہو کر صلہ نے ہی ہار مانی اور یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ ممی سے بات کرو گی۔ منیب نے خوشدلی سے اجازت دے دی۔

''ہاں تو آپ کر لیں بات اپنی والدہ سے..... چاہیں تو شانزے کو بھی اپنے ساتھ ہی گھر لے جائیں۔ میں شام میں آپ دونوں کو وہیں سے پک کر لوں گا۔''

وہ ہتھیلی پر سرسوں جما رہا تھا۔ بات ایسے کرتا تھا۔ گویا اسی کی مرضی اسی کے حکم کے تابع ہوں سب۔ بے حد اطمینان بھرے انداز میں کہہ کر چلا گیا جبکہ صلہ جھنجھلا کر رہ گئی تھی۔

''یار تمہارا منگیتر بھی کسی لسوڑے سے کم نہیں..... قسم سے جان کو آ جاتا ہے۔ میں تو مروت دکھا کر ہی پھنس گئی ہوں.....''

اور شانزے بس دانت نکالتی رہی۔ بلکہ شرارت پر اتر آئی۔

''چلو اچھا ہے۔ وہی رعب جما لیتے ہیں تم پر..... ورنہ مجھے تو تم کچھ گردانتی نہیں اپنے آگے.....''

صلہ نے محض سر جھٹک ڈالا۔ شانزے اس کے ساتھ ہی اس کے گھر آ گئی تھی۔ منیب کے حکم کے مطابق.....اب اسے ممی کو آگاہ کرنا یا پھر قائل کرنا تھا اور وہ کر رہی تھی۔ مام کے اختلاف کے باعث اس کی ایک بار پھر زور دار بحث ہوئی۔ ممی ہرگز بھی اسے یکسر انجان غیر لوگوں میں اتنی دور بھیجنے پر آمادہ نہیں تھیں اور وہ محض شانزے کی خاطر ضد کیے جا رہی تھی۔

''شازی بھی تو ہمارے گھر آئی ہے نا.....؟''

وہ گھنٹے دو گھنٹے کو آئی ہے۔ ایسے فرینڈز فرینڈز کے گھر جایا ہی کرتی ہیں۔ دوسرے شہروں میں کون جایا کرتا ہے۔''

یہ کوئی تک ہے ہی نہیں۔

مام کے پاس گھڑا گھڑایا جواز موجود تھا۔ جسے وہ ماننے کو تیار نہیں تھی۔

''کیوں تک نہیں ہے.....؟ ویسے تو آپ بہت لبرل بنتی ہیں۔ مجھے اسٹڈی کیلئے تنہا یو کے بھیج سکتی ہیں۔ یہاں اپنی فرینڈ کے گھر نہیں..... وائے.....؟''

مام کی ضد سے اس کا پارہ ہر لمحہ ہائی ہو رہا تھا۔ جبھی مضبوط جواز پیش کر رہی تھی۔

''وہ ایک یکسر مختلف بات ہے۔ پھر وہ لڑکا تم میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے.....؟ فیانسی کی فرینڈ سے بھلا اسے کیا لینا دینا.....؟''

ممی نے اپنے اعتراض کی بالآخر اصل وجہ بیان کر دی اور صلہ نے واقعی سر پیٹ لیا تھا۔ اس نے سوچا تھا۔ اسے اصل بات ممی کو بتانی ہی نہیں چاہئے تھی۔

''مائنڈ اٹ مام! میں لیکن منیب کی وجہ سے نہیں شانزے کی خاطر جا رہی ہوں۔''

وہ تلملانے لگی۔ ممی پہ مگر پھر بھی اثر نہ ہوا۔

''تم اتنے عرصے ہاسٹل بھی شانزے کے ساتھ ہی رہی ہو.....اب بہتر ہے یہ چونچلے ختم کر دو۔ مجھے بالکل پسند نہیں۔''

ممی نے جھڑک ڈالا۔ نہیں اس بے جا ضد سے غصہ آ رہا تھا اب۔

''مجھے ہر صورت جانا ہے ممی.....! بتا رہی ہوں۔ ڈیڈ کو میں کال کر چکی ہوں۔ انہیں آپ کی طرح خوامخواہ پابندیاں لگانے کا شوق نہیں ہے اور میرے لئے ان کی اجازت کافی ہے۔''

بدتمیز انداز میں وہ پیر پٹخ کر کہتی اپنے کمرے میں آ گئی۔ ممی بے بس سی بیٹھی تھیں۔

شانزے وارڈ روب کھولے اس کے کپڑے بیگ میں رکھ رہی تھی۔ گویا اس کی تیاری میں ہی مصروف تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''مل گئی اجازت.....؟''

اس نے کاندھے لاپرواہی سے جھٹک ڈالے۔

''اجازت ہی اجازت ہے یار ڈونٹ یو وری۔''

اس نے اپنا موڈ بحال کرلیا۔ وہ شانزے پر یہ ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی کہ ممی آمادہ نہیں ہیں۔ اس نے شانزے پر ہمیشہ اپنی فیملی کا تاثر براڈ مائینڈڈ لوگوں کا ڈالا ہوا تھا اور یہ تھا بھی سچ ہی.....

بس ممی پہ ہی کبھی کبھار اس کے خیال میں دقیانوسیت کا دورہ پڑ جاتا تھا وہ بھی صرف اس کے معاملے میں..... انہیں تو اس کے شہریار سے ملنے اکیلے اس کے ساتھ باہر جانے پر بھی اعتراض ہوا کرتا۔ حالانکہ شہریار اس کا منگیتر ہی نہیں کزن بھی تھا۔ ایسے میں وہ بھی ضد میں آکر ہر وہ کام لازمی کرتی..... نفع ونقصان کے احساس سے بے نیاز ہوکر۔ اگر اب تک نقصان نہیں ہوا تھا تو اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ کبھی بھی نقصان نہیں ہوگا۔

☆☆☆

چھٹیاں ہوئیں تو اماں نے احسان عظیم کرتے اسے کچھ دنوں کو ماما کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔ اسد اور سیما ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ ان کا ٹور کچھ اور طویل ہوگیا تھا۔ جو شمالی علاقہ جات سے ہوتا ملک سے باہر نکل گیا۔ اب وہ لوگ ہانگ کانگ میں گھوم پھر رہے تھے۔ بزنس ایک بار پھر منیجر کے رحم وکرم پر تھا یہی وجہ تھی کہ سیما کے سارے بھید کھل رہے تھے۔ وہ کس حد تک اور کتنی پراپرٹی پر قابض ہو چکی تھی۔ ماما بے حد پریشان جبکہ زارا ہراساں نظر آتی تھی۔

''آپ زارا کیلئے کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر اس کی بھی شادی کر دیں۔''

علیزے کے پاس ان کے ہر تفکر اور پریشانی کا یہی مناسب حل تھا۔ ماما نے جواباً سرد آہ بھری۔

''کوشش تو کر رہی ہوں بیٹے! اچھے رشتے اتنی آسانی سے تھوڑا ملتے ہیں۔ عمر حیثیت میں کم سہی مگر عادات کا بے حد نفیس ہے۔ اسی سے کہو زارا کیلئے بھی اپنے جیسا لڑکا اپنے حلقہ احباب میں دیکھے.....''

ماما کی بات پر علیزے کے حلق میں جیسے کچھ پھنس گیا۔ وہ کچھ نہیں بول سکی۔ عمر کو پتا نہیں وہ اتنا فرشتہ کیوں سمجھ بیٹھی تھیں جبکہ وہ بھی اتنا قابل بھروسہ نہیں تھا۔ جب جاتا تھا تو پلٹ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ سامنے ضرور حقوق وفرائض یاد آجاتے تھے۔ اس نے ماما سے بہانہ بنایا تھا کہ تعلیم کی وجہ سے ادھر رکی ہے۔ یہ بہانہ بھی کب تک چل سکتا تھا۔ عمر چاہتا تو زبردستی بھی ساتھ لے جا سکتا تھا۔ مگر وہ زبردستی کا ہی تو قائل نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں جلنے سے لگی تھیں۔

''میری تیسری کتاب چھپ گئی ہے آپی! میں چاہتی ہوں کسی اچھے ڈائجسٹ میں سلسلے وار ناول شروع ہو جائے۔ اک سیریل بھی لکھنا چاہتی ہوں ٹی وی کیلئے.....''

زارا کے اپنے پروگرام اور پلان تھے۔ علیزے نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اسے پہلے سے بہت بڑی بڑی اور بہت کمزور بھی لگی۔

''تمہیں ان بکھیڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ ماما شادی کرنا چاہتی ہیں تمہاری۔''

اس نے بڑے پن سے ٹوک دیا۔ زارا نے جواباً ناگواری سے ہونٹ سکوڑ لئے تھے۔

''میں ممی کو کہہ بھی چکی ہوں کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔''

اس کے انداز میں موجود تلخی نے علیزے کو انگشت بدنداں کر کے رکھ دیا۔

''ہائیں۔ کیوں..... کیوں نہیں کرنی بھلا.....؟''

''کرنی بھی کیوں ہے بھلا.....؟ آپ کو شادی کر کے کیا مل گیا.....؟ جو میں بھی اس کنویں میں چھلانگ لگا دوں۔''

وہ پور پور زہریلی ہو رہی تھی۔ علیزے دھک سے رہ گئی۔ رنگ پھیکا پڑا تھا۔

''کیا مطلب.....؟ مجھے کیا ہوا.....؟''

وہ اٹک سی گئی تھی۔ زارا کی مسکراہٹ مزید طنزیہ اور زہریلی ہونے لگی۔

''اب رہنے ہی دیں۔ بھرم قائم ہی اچھے لگتے ہیں۔ سچ پوچھیں نا بجو تو مجھے مردوں سے نفرت ہونے لگی ہے۔ جو کچھ بھا کر رہے ہیں ہمارے ساتھ..... جو کچھ عمر صاحب نے آپ کے ساتھ کیا..... میں نہیں چاہتی میں بھی ایک تجربہ کروں۔ میں کس لئے اپنی ذات کو کھلونا بنا کر کسی کے آگے پیش کروں؟''

''زارا.....!!!''

وہ ٹوکنا چاہتی تھی کہ زارا نے بھرائی ہوئی آواز میں اسے سختی سے منع کر دیا بولنے سے۔

''کوئی وضاحت نہیں کریں آپی..... کوئی صفائی بھی نہیں۔ یونو واٹ..... جو حالات ہیں نا..... جس طرح ہمارے حقوق غصب ہو رہے ہیں۔ آپ دیکھئے گا وہ دن دور نہیں جب بھا ہمیں اس گھر سے بھی نکال دیں گے۔''

''اللہ نہ کرے.....''

علیزے دہل سی گئی۔ زارا نے اس کا فق ہوا رنگ دیکھا مگر اس پر رحم کھانے کو تیار نہ ہوئی۔

''آپ کو کیا پتا..... جب سے آپ کی شادی ہوئی..... بھا نے ہمارا خرچہ بند کر دیا ہے۔ پہلے ماما کے زیور اور اب میری کہانیوں کے پیسوں سے ہمارا گزارا چل رہا ہے۔ آپ سوچیں حالات بگڑیں گے یا سنبھلیں گے؟''

وہ ایک کے بعد دوسرا واشگاف انکشاف کر رہی تھی۔ علیزے کو سکتہ سا ہو گیا' اسے اندازہ ہوا ماما اور زارا کے دکھوں کا.....

ان کے حساب سے تو وہ بہت امن میں تھی اور وہ خود کو مظلوم سمجھتی رہی۔ زارا نماز پڑھنے لگی تب وہ اٹھی تھی۔ کمرے میں آ کر لیٹنے کے بعد دل میں روح میں گونجتے سناٹے کو سن رہی تھی جب اس کے سیل پر وائبریشن ہونے لگی تھی۔ اس نے چونک کر فون دیکھا۔ کال کسی انجان نمبر سے تھی۔ اس نے بے خیالی میں اٹینڈ کر لی۔

''السلام علیکم!''

آواز جانی پہچانی تھی مگر وہ خود بے حد غائب دماغ ہو رہی تھی۔

''وسلام.....! کون.....؟''

اس کے مدھم لہجے میں گریز بھی تھا۔ احتیاط بھی۔ دوسری جانب عمر یکدم سکتہ زدہ ہو گیا تھا۔ یہ تو اسے توقع تک نہیں تھی۔ وہ اسے سرے سے پہچانے گی نہیں۔

''عمر بات کر رہا ہو۔ شاید آپ کو ڈسٹرب کر دیا میں نے.....''

خاصی دقت سے وہ بولا تو اپنے خول میں سمٹ رہا تھا۔ علیزے ایک دم حیران رہ گئی۔

''نہیں ایسی بات نہیں۔ ایکچولی آپ کا نمبر نہیں تھا میرے پاس.....''

علیزے نے نرمی سے وضاحت کی تھی۔ تب کہیں جا کر وہ کچھ ریلیکس ہوا۔

''سعدیہ سے لیا ہے آپ کا نمبر..... دراصل آپ کی خیریت معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔''

علیزے اس بات کے جواب میں کیا کہتی۔ گہرا سانس بھر کے خاموش ہو رہی تو عمر ہی پھر گویا ہوا تھا۔

''سعدیہ بتا رہی تھی۔ آپ نے اس کی پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا ہے۔''

علیزے اس تذکرے پر چونک کر سیدھی ہوئی۔

''کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا.....؟''

وہ سرد مہری سے استفسار کر رہی تھی۔ عمر گڑبڑا سا گیا۔

''ارے..... نہیں بھئی..... بلکہ سچ پوچھیں تو مجھے بہت اچھا لگا۔ میرے کہنے پر تو وہ کبھی مانی ہی نہیں تھی۔ مجھے تو آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا۔''

علیزے کا دل یکدم بجھ گیا۔ تو فون کرنے کی اصل وجہ یہی تشکر تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ بس اپنی ذمہ داری نبھائی ہے۔''

اس کی آواز مزید سرد ہو گئی تھی خود بخود ہی۔ جسے محسوس کرتا عمر قدرے چپ سا ہوا۔

''کب تک ادھر رہنے کا پروگرام ہے آپ کا.....؟''

وہ خاصی تاخیر سے دوبارہ گویا ہوا تو انداز جھجکا ہوا تھا۔

''کیوں..... آپ کیوں پوچھ رہے ہیں.....؟''

علیزے نے نروٹھے پن سے سوال داغا تھا۔ تو شاید دوسری جانب وہ مسکرایا تھا۔

''مجھے گھر کا چکر لگانا تھا۔ سوچ رہا ہوں جب آپ آ جائیں گی میں بھی تب.....''

''آپ مجھ سے بندھے ہوئے تھوڑی ہیں.....؟ آنا چاہ رہے ہیں تو آ جائیں۔ پہلے ہی آپ کی اماں کو مجھ سے کم شکایتیں نہیں ہیں۔''

اس کی بات کاٹ کر وہ بے حد غصے میں کہہ گئی تھی۔ دوسری جانب یکلخت خاموشی چھا گئی۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ اوکے میں لگا لوں گا چکر..... آپ آرام کریں۔ میں یقیناً ڈسٹرب کر چکا ہوں آپ کو.....''

اگلے لمحے بے حد تکلف آ گیا تھا اس کے لہجے میں..... علیزے نے حیران ہو کر سیل فون کو دیکھا۔ جہاں سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ اس نے ہونٹ بھینچے ہوئے فون پٹخ دیا۔

''ایک تو انا کے بنڈل ختم نہیں ہوتے بادشاہ سلامت کے.....''

وہ بری طرح سلگ اٹھی تھی۔ کتنی دیر کڑھتی رہی اسی ایک بات کو لے کر۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا۔ فضا پرندوں کے پروں کی کاٹ سے بوجھل تھی۔ دور سے کہیں کولہو کے چلنے کی یاسیت آمیز آواز بھی فضا میں اپنا احساس بخش رہی تھی۔ ماحول میں حبس تھا اور چہار سو غبار سا پھیلا ہوا تھا۔ یہ تینوں اگلے دن سہ پہر تک حویلی پہنچ سکے۔ یہ حویلی ویسی نہیں تھی۔ جیسی حویلیاں صلہ کے تصور میں آباد تھیں۔ بڑے بڑے دلانوں اور برآمدوں والی روایتی حویلیاں.....

جس کی دیواریں سنگ مرمر کی تو رنگین شیشوں کی بڑی بڑی کھڑکیاں ہوا کرتی ہیں۔ یہ اس سے ہٹ کر عام سی حویلی تھی۔ البتہ صحن بہت وسیع تھا اور یہاں ہر قسم کے درختوں کی بہتات تھی۔ انہی درختوں کے قسم قسم کے پتے صحن کے فرش پر اڑے پھرتے تھے۔ جنہیں ایک ملازمہ لمبے جھاڑو کی مدد سے وقفے وقفے سے سمیٹتی مگر ہوا کا ایک ہی زور دار جھونکا پھر سے اس وسیع رقبہ پر پھیلے آنگن کو خشک پتوں سے بھر جاتا۔ انہی درختوں کی گہری چھاؤں میں بہت سی چارپائیاں بچھی تھیں۔ جن پر حویلی کی بزرگ اور جوان خواتین براجمان دکھائی دیتی تھیں۔ جو روایتی ریشمی ملبوسات اور زیورات سے لدی پھندی نہیں تھیں۔ اس کے برعکس ان کے ملبوسات بہت سوفٹ کلرز اور موسم کی مناسبت سے تھے۔ شانزے کے تعارف کروانے پر معلوم ہو سکا کہ بزرگ خواتین میں ایک شانزے کی والدہ دوسری منیب کی اماں تھیں۔ تیسری خاتون ان کی نند یعنی شانزے اور منیب کی پھوپھی جان تھیں۔ تین چار نوجوان لڑکیاں تھیں۔ جن کا تعارف منیب اور شانزے کی بھابیوں کے طور پر سامنے آیا تھا۔ موسمی پھلوں کے ٹوکرے دالان میں موجود تھے اور اس وقت خواتین پھلوں کو دھلوا کر اندر فریج میں رکھوانے کے ساتھ آس پڑوس میں بھی بھجوانے کا کام نپٹا رہی تھیں۔ بزرگ خواتین اچار ڈالنے کی تیاری میں تھیں۔ رنگ برنگے مسالہ جات بھی کھلے نظر آ رہے تھے۔ صلہ کا ان سب نے بہت والہانہ استقبال کیا تھا کہ شانزے اس کی آمد کا پہلے سے بتا چکی تھی۔

''تیری شہرن سہیلی واقعی بہت سوہنی ہے شازی! میم لگتی ہے بالکل.....''

تائی اماں نے خاص طور پر صلہ کو گلے لگا کر بھینچ بھینچ کر پیار کیا تھا۔ ان کی سادگی و خلوص کے باوجود صلہ کو ملاپ کا یہ اجڈ طریقہ گراں گزرا تھا۔

''ہاہ..... کاش میں اماں ہی ہوتا' تو میرے بھی بھاگ کھل جاتے.....''

وہ تائی ماں سے اپنا آپ چھڑا کر پیچھے ہوئی تو منیب سے ٹکراتے بچی تھی۔ جو وہیں کھڑا ہوا تھا ابھی تک۔

اس پر یہ عجیب سطحی سا جملہ..... اس کے کان تپنے لگے۔ گردن موڑ کر اس نے بروفراختہ انداز میں اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کی بجائے شانزے کو تک رہا تھا۔ جو تائی ماں کے گلے لگی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود صلہ کو یقین ہوا یہ بازاری فقرہ اسی کیلئے کہا تھا اس نے۔

''ایسے کیوں گھورے جا رہی ہیں مجھے.....؟''

وہ بڑا بن کر بولا تھا۔ کنپٹی کھجاتے ہوئے انداز طیش دلانے والا ہی تھا۔

''ہاؤ ڈیئر یو.....''

وہ مٹھیاں بھینچ کر مدھم آواز میں غرائی۔ تو منیب نے جواباً تیکھی ترش نظروں سے اسے دیکھا۔

''اگر آپ اس خوش فہمی میں ہیں کہ آپ کیلئے کہہ چکا ہوں تو سوائے غلط فہمی کے کیا کہہ سکتا ہوں۔ شانزے منگیتر ہے میری۔ اس کیلئے ایسے جذبات عامیانہ بات نہیں۔''

وہ اس کا مزاج واش بھی کر رہا تھا اور مکر بھی گیا تھا۔ صلہ محض دانت کچکچا کر رہ گئی۔ جانے کیوں اسے شدت سے کچھ غلط ہو جانے کا احساس ہوا تھا۔ یہ آنکھیں اسے اسی منیب کی لگی تھیں جس سے وہ پہلی بار الجھی تھی۔

''میں بہت تھک گئی ہوں شانزے.....!''

وہ وہاں سے ہٹ کر شانزے کے قریب آ گئی۔ یہ بھی اتنی عورتوں سے جان چھڑانے کا بہانہ سمجھی تھی شانزے جبھی کھسیا سی گئی اور اپنے رشتوں سے معذرت کرتی اٹھ گئی۔

''سوری یار.....! مجھے خود خیال کرنا چاہئے تھا۔ آؤ اندر چلتے ہیں۔''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے گئی۔

''چائے پیو گی یا بادام کا شربت بنوا لوں.....؟''

اسے کمرے میں لا کر شانزے نے پنکھا اور اے سی ایک ساتھ چلا دیا تھا۔

''شربت..... نہیں نہیں۔ تم چائے بنواؤ۔ میں تب تک باتھ لے لوں۔''

وہ بیگ سے اپنا ایک جوڑا نکال کر واش روم میں گھس گئی۔ نہا کر باہر آئی تو شانزے کمرے میں نہیں تھی۔ نیم تاریک کمرا اور اے سی کی کولنگ.....

اس کے اندر سکون اترنے لگا۔ سوئچ بورڈ کے قریب آ کر اس نے کچھ بٹن دبائے تو کمرا روشنیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ اس نے بال تولیے کی قید سے آزاد کر کے جھٹکے سے پشت پر گرائے اور ہیئر برش اٹھا لیا۔ تب ہی ہلکی سی تھپتھپاہٹ دروازے پر ہوئی تھی۔

''آ جاؤ بھئی..... تمہیں اجازت کی بھلا کیا ضرورت.....؟''

اس نے بال سلجھاتے ہوئے اپنے تئیں شانزے کو جواب دیا تھا۔ مگر اس وقت گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی جب اس کی بجائے منیب چودھری اندر داخل ہوا تھا۔

''جی خیال تو میرا بھی یہی تھا مگر یہ نوبت کچھ عرصے بعد.....''

صلہ نے اسے گھورتے ہوئے گویا اسے اس کی حد سمجھانی چاہی۔ اسے اس کا یکسر بدلا ہوا رویہ حیرانی میں مبتلا کر رہا تھا۔

''میں سمجھی شانزے ہو گی اور آپ کو اجازت کی ضرورت بھی اس وقت نہیں ہو گی۔ جب اس کمرے میں میرے بجائے صرف شانزے ہو۔''

اس نے جتلانا ضروری خیال کیا اور برش رکھ کر دوپٹہ اٹھا کر سائیڈ پر ڈال لیا۔ منیب کی مسکراہٹ مبہم اور پراسرار تھی۔ وہ آگے بڑھ کر اس کا بیگ سائیڈ پر رکھ رہا تھا۔

''مگر مجھے تو شانزے میں اور تم میں کوئی فرق نہیں لگتا.....''

صلہ کھٹک ہی نہیں گئی۔ حق دق بھی رہ گئی۔ اس نے ٹھٹھک کر دیکھا۔ منیب کی مسکراہٹ پھر خوفناک سی ہو رہی تھی۔ اس بدلے ہوئے انداز و اطوار لہجے و نظروں نے اسے جھلسا کر رکھ دیا۔

''ک..... کیا مطلب.....؟'' کیا کہنا چاہتے ہیں.....؟''

جواباً وہ جتنا بھی خائف ہوئی مگر بھڑک کر پوچھا تھا۔ منیب نے اسے پراسرار چمکتی نظروں کے فوکس میں لے لیا۔

''غصہ کیوں کرتی ہیں مادام! اس اہم بات سے آپ یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتی ہیں کہ آپ میرے لئے شانزے کی طرح ہی قابل احترام ہیں..... بات کا مطلب سیدھا سمجھا کریں۔ پھر کہیں گی غلطی ہماری ہے۔''

نظروں کے بھیدوں سے برعکس اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ صلہ بری طرح شرمندہ نظر آنے لگی۔

شرم

سبکی

خفت کا احساس اسے منجمد کر کے رکھ گیا تھا۔ اسے قطعی سمجھ نہیں آ سکی یہ ہو کیا رہا تھا۔ ایک گھنٹے کے اندر وہ دوسری مرتبہ اسے ذلیل کر کے رکھ گیا تھا۔

☆☆☆

''عمر بھائی آئے ہوئے ہیں آپ کو لینے.....''

وہ صلہ سے رابطہ نہ ہونے کی صورت میں اس سے ملنے اس کے گھر گئی تھی۔ ماما جتنی زارا کیلئے پریشان تھیں۔ اسی پریشانی کو دیکھتے وہ صلہ سے کوئی مناسب رشتہ دکھانے کا کہنا چاہتی تھی۔ عمر سے کہنے کا اس کا ارادہ نہیں تھا۔ لے دے کر ایک صلہ ہی رہ جاتی تھی۔ وہ اس جانب رخ کر چکی تھی۔ مگر وہاں جا کے معلوم ہوا تھا صلہ کی حماقت کا۔ اسے گئے دو دن ہو چکے تھے۔ اس کی ممی بھی اسی وجہ سے پریشان تھیں کہ اس سے رابطہ بھی

بحال نہیں ہو رہا۔

''آپ کو اسے جانے نہیں دینا چاہئے تھا آنٹی.....''

علیزے بہت زیادہ اپ سیٹ ہوگئی تھی صلہ کے اس اقدام پر۔

''وہ میری کہاں سنتی ہے بیٹے! پھر اس کے ڈیڈ بھی اسے میرے مقابلے میں فیور کرتے ہیں۔ پتا نہیں۔ میری کوئی کیوں نہیں سنتا۔ اب جانے کیوں دل گھبرائے جا رہا ہے۔ نہ اتا نہ پتا۔ کیا کروں.....؟''

وہ اتنی پریشان تھیں۔ ایسے میں علیزے کیا کہتی بھلا ان سے..... انہیں محض تسلی دلاسے ہی دے کر آ گئی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی ملنے والی اطلاع نے اس کی پریشانی اور تھکاوٹ میں اضافہ کر دیا تھا۔

''کہاں ہیں.....؟''

اس نے گلاس میں جگ سے پانی ڈالتے ہوئے استفسار کیا۔

''ابھی ہی آئے ہیں۔ ماما کے پاس بیٹھے ہیں۔''

زارا کے جواب پر اس نے ہنکارا بھرا اور اٹھ کھڑی ہوئی تو زارا نے پھر ٹوکا۔

''جا کہاں رہی ہیں.....؟ سلام تو کر آتیں پہلے..... ماما مائنڈ کرتی ہیں پتا بھی ہے آپ کو۔''

''افوہ..... سلام کہیں بھاگا جا رہا ہے نہ ہی عمر صاحب.....! فریش ہونے دو مجھے۔''

وہ بے نیازی سے کہتی باہر نکل گئی۔ اسی پل دوسرے دروازے سے عمر اندر داخل ہوا تھا۔ جس کے سامنے زارا کو خفت اٹھانا پڑی کہ وہ آخری فقرہ سن چکا تھا۔

''آپ تشریف رکھئے بھائی! بجو ابھی آتی ہیں۔''

وہ مودب ہو کر بولی۔ عمر نے نرمی سے ٹوک دیا۔

''نہیں میں ادھر آنٹی کے پاس ہی ہوں۔ آپ اپنی بجو سے کہہ دیں ذرا جلدی تیار ہو کر آ جائیں۔ اماں نے بلوایا ہے انہیں.....''

وہ واپس پلٹ رہا تھا کہ زارا نے گھبرا کر پکارا۔

''مم مگر بھائی ماما تو کھانے پہ اہتمام کر رہی ہیں۔ آپ کھا کر جائیے ناں پلیز.....''

عمر رواداری سے مسکراتا اس کا سر تھپکنے لگا۔

''نہیں گڑیا! کھانے کیلئے معذرت.....! پھر کبھی سہی۔''

''مگر بیٹے.....!!!''

اسی وقت مما اندر آئی تھیں۔ کچھ کہنا چاہا تو وہ ان کے آگے ذرا سا جھک گیا۔

''پرامس..... انشاء اللہ! جلد اکٹھے کھانا کھائیں گے ہم۔ مگر اس وقت اجازت چاہوں گا۔''

وہ واقعی جلدی میں لگتا تھا۔ ماما نے فرمانبرداری و عاجزی کے اس مظاہرے پر مسکرا کر معذرت قبول کر لی۔ زارا نے ہی اس اچانک پروگرام کا علیزے کو بتایا تو اس کا موڈ کچھ اور آف ہو گیا تھا۔ اماں اور زارا سے مل

کر وہ گیراج میں منتظر عمر کے پیچھے بائیک پر آ کر بیٹھی تو مزاج ہنوز برہم تھا۔ خود عمر بھی ضرورت سے زیادہ خاموش تھا۔

''ایسی کون سی افتاد آ گئی تھی اچانک.....؟''

وہ بالآخر بھڑک گئی۔

''اماں کا حکم تھا۔ آپ کو ورنہ معلوم ہوگا کہ اپنے لئے میں آپ کو کبھی زحمت نہیں دیا کرتا۔''

جواباً وہ بے حد ٹھہرے ہوئے لہجے میں جتلا کر کہتا بائیک اسٹارٹ کر چکا تھا اور علیزے کا شدتوں سے دل چاہا تھا۔ اس پتھر دل شخص کا واقعی سر توڑ دے۔ کتنے دھڑلے سے وہ اپنی لاتعلقی ظاہر کر گیا تھا۔ یعنی بے حسی بے اعتنائی کی حد تھی۔ اس کا دل جانے کیوں بھرانے سا لگا۔ سارے رستے وہ بار بار اترنے والی آنکھوں کی دھند کو رگڑ کر صاف کرتی آئی تھی۔ عمر نے بائیک گھر کے سامنے روکی تو وہ چادر سنبھالتی نیچے اتری اور پلٹ کر دیکھے بنا دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔ اماں جیسے اس کے سواگت کیلئے الفاظ کا چناؤ کئے منتظر ہی بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی بھڑک کر شروع ہوئیں۔

''شاباشے ہے بہو.....! ایسی غفلت پر کیا کیا نہ تمغے پہناؤں تجھے..... اتنے دن ہو گئے شوہر کو گھر آئے مگر بیگم صاحبہ کو احساس تک نہیں..... کانوں میں تیل ڈالے ماں کے گھر بیٹھی ہے..... سب جانتی ہوں اس گریز کی وجہ..... اتنی بھولی نہیں ہوں۔ نہ بال دھوپ میں سفید کئے ہیں۔ دونوں کان کھول کر سن لو..... مجھے پوتے پوتیاں چاہئیں۔ اپنے بیٹے کی شادی اس لئے نہیں کی تھی کہ تو میری نسل ختم کرنے کا سوچ لے.....''

اماں کی گوشمالی وہ بھی ایسے واشگاف انداز میں اس کا چہرہ ہی نہیں پورا وجود جل جل اٹھا۔ ہونٹ بھینچے وہ اوپر جانے کو مڑی تو عمر سے ٹکراؤ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس نے نمناک نظروں سے اک نظر اسے دیکھا اور منہ پر ہاتھ رکھے اوپر بھاگ گئی۔ ایسی خبر گیری وہ بھی عمر کے سامنے اسے زمین میں گاڑھ کر رکھ گئی تھی۔ اس کا دماغ یہ سوچ کر ابل رہا تھا اماں نے اگر ایسی باتیں کیں تو اس کے پیچھے آخر وجہ کیا تھی اگر واقعی عمر نے کچھ ایسا ویسا کہا تھا تو اس کی نظروں سے مزید گرے گا وہ.....

''آپ پریشان نہ ہوں..... اماں کی باتوں کو بھی دل پر لینے کی ضرورت نہیں.....''

وہ جلتی آنکھوں کو مسل رہی تھی۔ اس کی آواز پر ایک جھٹکے سے پلٹی..... اس کی آنکھوں میں شرارے پھوٹ رہے تھے۔

''اگر یہ آپ کی حرکت ہے تو.....''

''حد ہو گئی ہے علیزے! اتنا گرا ہوا سمجھتی ہیں مجھے.....؟ آپا کی طرف سے انہیں خوشخبری ملی ہے۔ اس کا اثر ہے۔ فطری طور پر وہ ادھر سے منتظر تھیں شدتوں سے..... اوپر سے میرا یہاں آنا اور آپ کا نہ ہونا بھی غصے کی زیادتی کا باعث ٹھہرا۔ لیکن آپ زیادہ اثر نہ لیں۔ نارمل ہو جائیں گی خود ہی.....''

وہ نارمل انداز میں ڈھارس بندھا رہا تھا۔ مگر علیزے کے آنسو پھر بھی بہہ نکلے تھے۔

''آپ یہاں آ گئے اور میں موجود نہیں تھی۔ اس میں بھی میرا قصور تھا.....؟''

وہ بے حد دکھی سی بولی۔ اس کے ساتھ پہلی بار اس طرح بات کر رہی تھی۔ عمر کو تو بہت اچھا لگا یہ انداز۔

''اسی لئے میں نے آپ سے کہا تھا۔ آپ آئیں گی تو میں چکر لگاؤں گا۔ مگر آپ نے منع کر دیا جبکہ مصلحت کا یہی تقاضا تھا۔''

وہ نرمی و رسان سے کہہ رہا تھا۔ علیزے نے آنکھیں پونچھتے اسے بے حد خفگی سے دیکھا۔

''مجھے نہیں نبھانی آتی مصلحت۔ آپ اتنے سمجھ دار تھے تو مجھے منع کر دیتے۔''

وہ چڑی تھی۔ عمر ہلکا پھلکا سا ہوتا ہولے سے ہنس پڑا۔

''چلیں آئندہ میں آپ کو اپنی مرضی پر چلا لیا کروں گا۔ ٹھیک.....؟''

اس کا لہجہ ذو معنی ہوا۔ علیزے کا دل اس کی نظروں کے بدلے زاویئے اور گہرائی پر ہی دھڑکا تھا۔ اتنا سا رونے سے اس کی آنکھیں کیسے نکھر گئی تھیں۔ شفاف ہو کر جگر جگر کرنے لگی تھیں۔ رنگت دہکی ہوئی تھی۔ حسن دو آتشہ ہو رہا تھا۔ علیزے کو اس کی نظروں سے پہلی بار حیا محسوس ہوئی تو کترا سی گئی۔۔

''میں کھانا لاتی ہوں۔''

اگلے لمحے وہ باہر نکل گئی تھی۔ سعدیہ کچن میں مصروف تھی۔ اسے دیکھ کر خوشدلی و تپاک سے سلام کیا۔

''وسلام! کیا پکا ہے.....؟''

فریج کھول کر وہ سلاد کیلئے سبزیاں نکال رہی تھی۔

''کورمہ اور چکن پلاؤ۔ آپ کھانا لگائیں۔ سب کچھ بس تیار ہے۔''

سعدیہ نے روٹی سینکتے ہوئے کہا۔ وہ سر ہلا کر برتن نکالنے لگی۔

''اماں آج بہت غصے میں تھیں۔ مگر پہلی بار مجھے ان کے غصے سے اختلاف نہیں ہوا۔ بھرجائی اب اس گھر کو کسی نومولود کی آمد کی خبر ملنی چاہئے۔''

سعدیہ نے وہی موضوع چھیڑ دیا۔ جس سے کترا کر آئی تھی۔ اس نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''کہیں آپ واقعی اپنی پڑھائی کی وجہ سے تو اس معاملے کو التواء کا شکار نہیں کر رہیں.....؟''

سعدیہ کو بھی اماں والے خدشات ستا رہے تھے۔ علیزے کو البتہ بے حد نازیبا لگی تھی یہ بات اس کے منہ سے

''سعدیہ آپ ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی کہ یہ موضوع ڈسکس کریں۔ پلیز لیو دس.....''

اس نے ڈانٹ ڈالا تھا اسے۔ سعدیہ خفت کا شکار ہوتی خاموش ہو گئی۔ ابھی وہ کھانا لگا ہی رہی تھی کہ سیما آ گئی۔ وہ ورلڈ ٹور سے سیدھی ادھر ہی آئی تھی۔ اسد بھی ہمراہ تھا۔ دونوں بے حد خوش باش اور اک دوجے میں مگن تھے۔ انہیں دیکھ کر علیزے کے پتا نہیں کون کون سے زخم لو دینے لگے۔ اک افراتفری سی پھیلا دی تھی

سیما نے آتے ہی یہ مینیو اسے پسند نہیں آسکا تھا۔ جبھی عمر ہوٹل سے جا کر کئی قسم کے کھانے لایا اور جیب خوب ہلکی کی۔ اسد نے علیزے سے بڑھ کر سعدیہ پر توجہ دے لی تھی۔ اسے کسی قابل نہیں سمجھا تھا جبکہ ہر خدمت کیلئے اس کو پکار پڑ رہی تھی۔

کھانے کیلئے کسی نے بھی اسے نہیں پکارا۔ پھر عمر کی کیا مجال تھی۔ سعدیہ بھی ایک دو بار کہہ کر خاموش ہوگئی۔ علیزے اوپر کے کام ہی نپٹاتی رہی اور کھانا کھا لیا گیا۔

''چائے بنالاؤ۔''

سیما بڑا سا تحائف کا سوٹ کیس کھولتے برتن اٹھاتی علیزے سے تحکمانہ بولی تھی۔ علیزے برتن سمیٹ کر باہر لائی اور چائے چولہے پر چڑھا دی۔ ساتھ ساتھ برتن دھونے شروع کر دیئے۔ چائے تیار ہو چکی تھی۔ جب سعدیہ کچن میں آئی۔

''آپا اتنے اتنے پیارے گفٹ لائی ہیں کہ کیا بتاؤں۔''

وہ چہک رہی تھی۔ علیزے کچھ نہیں بولی۔ اس کی آنکھوں کی جلن یکدم بہت بڑھ گئی تھی۔

''چائے تیار ہے سعدیہ.....! اندر دے آؤ۔''

سیما کی پکاروں پر اس نے سعدیہ کو یہ کام سونپ دیا۔ وہ خود اب ان کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتی تھی۔ سعدیہ نے سر ہلایا اور تعمیل کی۔ مگر کچھ دیر بعد پھر بلاوے سمیت آ گئی۔

''آپا آپ کو بلا رہی ہیں۔ گفٹ دینے کو..... مگر آپ کا گفٹ تو ذرا بھی اچھا نہیں۔ اتنا سستا سا جوتا ہے۔ جیسے لنڈے بازار سے لیا ہو۔''

سعدیہ کے انداز میں ناپسندیدگی بھی تھی۔ افسوس بھی۔ وہ قدرے بجھی ہوئی لگ رہی تھی اس غیر امتیازی سلوک پر۔

''مہنگا بھی ہوتا تو مجھے نہیں چاہئے تھا۔ اپنے پاس سنبھال کر رکھیں اپنے تحفے.....''

اس کا ضبط چھلک گیا تھا جبھی زور سے پھنکاری۔ مگر اس پل ٹھٹھک گئی تھی۔ جب عمر نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر ہولے سے دبایا تھا۔

''ریلیکس..... پلیز کام ڈاؤن۔''

اس پر خفیف سا جھک کر وہ سرگوشی کے انداز میں بولا تھا۔ علیزے کو ناگواریت و تنفر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔

''آپ کون ہوتے ہیں مجھے سبق پڑھانے والے.....؟''

وہ بپھرنے لگی۔ عمر نے عاجزانہ انداز میں اسے دیکھا۔

''علیزے..... علیزے پلیز..... اپنا بھرم نہ کھوئیں۔ آپ اب تک بہت صبر کر چکی ہیں۔ کئے کرائے پر پانی نہ پھیریں۔ یہ لوگ آپ کی معمولی سی بھی لغزش کو بھولیں گے نہ معاف کریں گے جبکہ میں نہیں چاہتا آپ

کا امیج خراب ہو۔ اتنی سی بات ہے۔''

وہ اسی مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔ علیزے کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ وہ اسے شکوہ کناں نظروں سے دیکھتی الٹے قدموں پیچھے ہٹی تھی اور ایک دم مڑ کر دوڑتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔ عمر یکدم بہت تھک سا گیا۔ اندر کمرے سے سیما اور اماں کے اونچا اونچا بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اسد جا چکا تھا۔

''ارے نخرے کیوں نہ دکھائے گی.....؟ ہر لحاظ سے مکمل شوہر ملا ہے۔ زن مریدی ایسی کہ بیوی کی خاطر یو پی ایس لگوا دیا۔ وہ ہمیں آنکھیں نہیں دکھائے گی تو کس کو دکھائے گی.....؟''

اماں برہم تھیں۔ سیما نے انہیں ٹوک دیا۔

''مت چیخ کر بری بنا کریں اماں! جوگڑ سے مرتا ہو اسے زہر دینے کی کیا ضرورت ہے۔ عمر کو بس قابو میں رکھو۔ ساری تنخواہ اس سے اپنے ہاتھ میں لیا کرو۔ علیزے سے زیادہ گھلنے ملنے نہ دو۔ اس کے خلاف بھڑکاتی رہو۔ اپنے پاس سے بھی دو سچی جھوٹی لگا کر بھڑکا دو۔ ویسے بھی علیزے بی بی میں وہ کوالٹی ہی نہیں ہے جو مردوں کو گرویدہ بنانے کیلئے کام آتی ہے۔ سوفکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ عمر کے سامنے علیزے کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں۔ ورنہ وہ تم سے ہی بدگمان ہوگا۔''

سیما دھیمی آواز میں اماں کو پٹیاں پڑھا رہی تھیں۔ عمر وہیں سے پلٹ گیا۔ وہ صرف ایک بات سے متفق ہوا تھا۔ علیزے میں واقعی وہ صلاحیت نہیں تھی۔ جس سے مرد گرویدہ ہو جاتے۔ وہ گواہ تھا اس نے کوئی ادا نہیں دکھائی تھی۔ کوئی جال نہیں پھینکا تھا عمر پر..... پھر بھی پتا نہیں وہ کیوں گرفتار بھی ہو گیا تھا۔

پابند سلاسل بھی۔

واپسی کا ہر راستہ کھو گیا تھا۔ وہ چاہتا بھی تو اس نادیدہ جال سے نہیں نکل سکتا تھا۔ اسے اندازہ تھا وہ خوب رو چکی ہو گی۔ کھانا کھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جبھی اس کیلئے ٹرے میں کھانا سجا کر اوپر چلا آیا۔ اسے پہلی بار یہ خوف نہیں محسوس ہوا کہ اماں دیکھ لیں گی۔ سیما نے پوچھ لیا تو.....

''علیزے.....! اٹھیں کھانا کھائیں۔''

عمر نے ٹرے سائیڈ پر رکھ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالتے ہوئے اسے زبردستی سیدھا کر دیا۔ علیزے جو واقعی رو رہی تھی۔ اس کی جانب حیران نظروں سے تکنے لگی۔ اس سے قبل عمر نے کبھی اس پر اس انداز میں حق نہیں جتایا تھا۔ اگر کچھ دیر قبل کچن میں ہاتھ تھاما بھی تھا تو اس کے پیچھے وجہ بھی ایسی تھی۔

''اب یہ نہیں کہئے گا کہ نہیں کھانا یا بھوک نہیں..... مجھے معلوم ہے آپ نے نہیں کھایا۔''

اس کی حیرانی کو خاطر میں لائے بغیر وہ بے حد اعتماد سے بات کر رہا تھا۔

''مجھے واقعی نہیں کھانا.....''

وہ غصے میں چیخی۔ عمر نے ذرا سا بھی اثر نہیں لیا اور ٹرے اٹھا کر اپنے اور اس کے درمیان خالی جگہ پر رکھ لی۔

''اور مجھے ہر حال میں آپ کو کھلانا ہے۔ نہیں تو زبردستی کروں گا۔ بس بہت ہوگئی آپ کی من مانی.....''

اس کا لہجہ و انداز یکسر تبدیل ہو چکا تھا ایکا ایکی۔ علیزے کو سکتہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

''کیا مطلب.....؟''

وہ واقعی سٹپٹا گئی تھی۔ عمر نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں سے چھلکتے خوف کے رنگوں کو دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔

''فکر نہ کریں۔ یہ زبردستی بس کھانے کی حد تک ہی ہوگی۔''

وہ جتا کر بولا تو علیزے کو اس کے لہجے سے آنچ آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی لانبی پلکیں لرز کر جھکی تھیں۔ عمر نے نوالا اس کی جانب بڑھایا تب وہ ہڑبڑا سی گئی۔

''دیں..... میں خود کھا سکتی ہوں۔''

وہ خفیف سی ہوگئی اور اس کے ہاتھ سے پلیٹ لے لی۔ عمر نے جواباً سرد آہ بھری پھر کاندھے اچکا دیئے۔

''جو حکم.....! اگر آپ یہ سعادت بھی ہمیں بخشنے پر راضی نہیں تو کیا کر سکتے ہیں۔''

اب کے اس کے لہجے کے ساتھ اس کی نظریں بھی آنچ دینے لگیں۔ علیزے کا دل بے تحاشہ دھڑک اٹھا۔ چہرے پر تمتماہٹ سی بکھر گئی۔ پورا وجود سنسنی خیز احساس سے لبریز ہونے لگا۔ عمر جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ بے ساختہ نظریں چرا گیا۔ وہ اتنی حسین لگ رہی تھی۔ اسے لگا وہ اگر وہاں سے نہ اٹھا تو خود پہ کنٹرول نہ کھو دے۔ علیزے نے حیرانی سے باہر جاتے عمر کو دیکھا اور کاندھے اچکا کر کھانے کی سمت متوجہ ہوگئی۔

☆☆☆

اگلے دو دن وہ اسے نظر نہیں آ سکا۔ صلہ تو اس بات کو بھی زیادہ حواسوں پر سوار نہ کر سکی تھی۔ بھول بھال بھی گئی۔ شاید یہ تاثر ختم نہ ہوتا اگر منیب سے دوبارہ سامنا ہوا ہوتا۔ یہ بات بھی منیب کے حق میں گئی۔ شانزے کی ساری فیملی ہی اسے بے حد محبت سے نواز رہی تھی۔ سادہ پرخلوص بے ریا لوگ تھے۔ منیب کی بدتمیزی یا پھر گستاخی کا تاثر زائل ہونے کی وجہ انہی لوگوں کا رویہ بھی تھا۔ ان کے ساتھ وہ بہت مگن ہو چکی تھی۔ اسی شام جب ملازمہ آنگن میں دھلائی کر رہی تھی۔ اس نے موج میں آتے ملازمہ سے پانی کا پائپ پکڑتے شانزے پہ گرفت کر لی تھی۔

''تم مجھے یہاں اس لئے لے کر آئی تھیں کہ یہاں لاکر مجھے قید کر دو' اپنے پنڈ کی سیر نہیں کرائی تو آج ہی واپس جا رہی ہوں میں.....''

مصنوعی خفگی سے کہتے اس نے پائپ کا رخ شانزے کی طرف کر دیا۔ اگلے لمحے پانی کی موٹی دھار شانزے کو شرابور کر چکی تھی۔ شانزے تو بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی مگر اسی پل اچانک وہاں آ جانے والا۔ منیب

چودھری ضرور اس کی زد میں آ گیا۔ صلہ کو جب تک احساس ہوا وہ سرتاپا بھیگ چکا تھا۔ پائپ صلہ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ منہ پہ ہاتھ رکھے وہ خفت سے دوچار ہوتی بوکھلا کر منیب کو دیکھ رہی تھی۔ جو مجال ہے ذرا بھی اپنی جگہ سے ہلا ہو۔

''آئی ایم سوری.....''

وہ یہی کہہ سکی تھی۔ منیب چودھری جو اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''اٹس اوکے..... ڈزن میٹر۔ اور جا کے تیار ہو جائیں۔ میں آپ کو کھیت اور باغات دکھانے کیلئے لے چلتا ہوں۔''

اپنی بات مکمل کر کے وہ لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔ شانزے جواب تک ساکن تھی۔ اس کی حیران متحیر نظروں نے اس کا تب تک پیچھا کیا جب تک کہ وہ نظر آتا رہا تھا۔ پھر لمبی سانس بھر کے صلہ کو تکنے لگی۔ جو اس آفر کو پا کر کھل اٹھی تھی۔

''تبدیلی آ نہیں رہی..... تبدیل آ گئی ہے۔ دیکھو ذرا..... کتنا بدل گئے ہیں یہ..... میں قسم کھا کر بھی کہہ سکتی ہوں کہ تمہاری جگہ اگر یہ غلطی یا پھر گستاخی مجھ سے سرزد ہوئی ہوتی تو پھر کتنا ذلیل کرتے یہ مجھے.....''

صلہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتی وہ ہنوز متحیر نظر آ رہی تھی۔ صلہ نے تب بھی پروا نہیں کی۔ بلکہ بڑے زعم سے یہ کریڈٹ قبول کیا تھا۔

''مہمان کو اتنی رعایت تو ملنی چاہئے۔''

وہ ہنس رہی تھی۔ شانزے نے سر نفی میں ہلانا شروع کیا۔

''وجہ صرف یہی نہیں ہے۔ یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں۔''

اس کا انداز پرسوچ تھا۔ صلہ چونک اٹھی۔

''کیا مطلب.....؟''

اس کے روم روم سے سوال پھوٹ پڑا۔ شانزے نے گہرا سانس بھرا تھا پھر اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ بڑا شوخ انداز تھا اس کا۔

''مطلب جو بندہ کسی لڑکی کی سرسری فرمائش پر مونچھیں کٹوا دے..... جبکہ ''وہ مچھ نہیں تو کچھ نہیں'' کی کہاوت پر پورا اتفاق بھی کرتا ہو پھر ناک پر غصہ دھرا رہنے کے باوجود اس کڑی کی ہر بدتمیزی کو فراخ دلی سے معاف کر دے اور اس کی گستاخی یعنی پانی میں بھگو ڈالنے والی حرکت پہ خوش اخلاقی کے عالمی ریکارڈ قائم کرتے ہوئے سیر کرانے کی آفر بھی کرے تو تو اس کے دل کی دال میں کچھ تو کالا ہو گا ناں.....؟''

وہ مچلتی مسکراہٹ لئے ڈرامائی انداز میں باقاعدہ افسانہ گھڑ چکی تھی۔ گو کہ انداز شریر قسم کا تھا۔ اس کے باوجود صلہ کو ناگوار خاطر ہوا۔ اس نے پہلے اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے جھٹکا پھر اسے اچھا خاصا گھورا۔

''کچھ شرم ہے تو کر لو..... وہ بندہ تمہارا منگیتر ہے اور تم زبردستی اسے مجھ سے نتھی کرنے کی کوشش کر

رہی ہو۔''

''وہ اچھا خاصا برا مان چکی تھی۔علیزے اس کی خفگی کے پیش نظر موضوع بدل گئی۔

''اوکے.....کر لی شرم! اب تم جاؤ اور تیار ہو جاؤ۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کا کہہ گئے ہیں۔''

شانزے نے مسکرا کر کہتے اسے کمرے کی جانب دھکیلا تو وہ حیرت زدہ سی پھر اس کی جانب پلٹ آئی۔

''کیا مطلب.....؟ تم ساتھ نہیں چلو گی.....؟''

''نہیں۔ ہمارے ہاں کھلے عام یوں خواتین کا پھرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔''

جواب شانزے کی بجائے منیب چودھری کی جانب سے آیا۔ وہ لباس تبدیل کر کے آ چکا تھا۔سفید براق لباس اس کی دراز قامت کو نمایاں کر رہا تھا۔ بالوں کی نمی تازہ غسل کی گواہ تھی۔اس کی جانب رخ پھیرتے صلہ کی پیشانی شکنوں سے پر ہو چکی تھی۔

''یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں منیب چودھری کہ شانزے آپ کی نظر میں عزت دار ہے اور میں.....''

''دیکھیں صلہ.....! میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ اس سے بڑھ کر اس عزت افزائی کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ میں آپ سے.....

وہ برہمی و طیش میں کہہ رہی تھی کہ منیب نے اس کی بات کاٹ دی۔مگر اپنی بات بھی ادھوری چھوڑ دی تھی جبھی صلہ کو بہت زیادہ الجھن محسوس ہوئی۔

''ہاں بولئے.....کیا ثبوت ہے آپ کے نزدیک اس کا.....؟''

اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔منیب نے اک نظر شانزے کو دیکھا۔جس کے چہرے پر ٹھہراؤ تھا۔مگر آنکھوں میں ان کی متوقع لڑائی کے خیال سے اضطراب سا بھر رہا تھا۔

''شانزے تم جاؤ۔اماں بلا رہی ہیں تمہیں.....''

وہ پرسکون انداز میں گویا تھا۔شانزے چونکی۔اک نظر بے چین پریشان نظر آتی صلہ کو دیکھا۔اس کے انداز میں تذبذب لگتا تھا۔گویا وہ صلہ کو یہاں تنہا نہ چھوڑنا چاہتی ہو۔مگر منیب کے سامنے کسی بھی اختلاف کی اس میں ہمت ناپید تھی۔جبھی سخت بے بسی محسوس کرتے پلٹ کر بے دلی سے وہاں سے گئی۔منیب نے اس کے دروازے سے نکلنے کا انتظار کیا تھا۔پھر اسی اطمینان و سکون کے ساتھ صلہ کی طرف مڑا جس کا چہرہ پتا نہیں غصے سے سرخ ہو رہا تھا یا کسی اور احساس سے۔اس نے دلچسپی سے اس اکھڑ مگر بہت دلکش لڑکی کو سرتاپا دیکھا اور مسکرانے لگا۔

''مس صلہ.....میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔کریں گی اس عزت کو قبول.....؟''

منیب کی مسکراہٹ تاؤ دلاتی تھی یا اسے محسوس ہوئی۔اسے سر پر لگی تھی اور جیسے کہیں نہیں بجھی۔صحیح معنوں میں اس پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔اس دھچکے سے سنبھلی تو ہونق نظروں سے اسے دیکھا۔اس توقع سے

شاید وہ پھر کوئی فضول مذاق کر رہا ہو۔ اسے سنجیدہ پا کر وہ جیسے غصے کی زیادتی سے پاگل ہو گئی۔

''دماغ تو خراب نہیں ہو گیا آپ کا.....؟ یہ کیا بیہودگی ہے.....؟''

وہ چیخنے سے خود کو روک نہیں سکی۔ منیب پر مطلق جو اثر ہوا ہو۔ اس کے غصے کا اس کے اشتعال کا۔ وہ اس سکون اس اطمینان سے اسے دیکھتا ہنس پڑا۔

''آپ بتائیں اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے آپ کو.....؟ شادی کی خواہش کرنا بے ہودگی ہے آپ کے نزدیک.....؟ یا دماغ کے صحیح نہ ہونے کی علامت.....؟'' تو پھر آپ ایسے ہی رہ لیں گی میرے ساتھ.....؟''

اس کا لہجہ طنزیہ بھی تھا۔ تلخ بھی۔ تمسخر اڑاتا ہوا بھی تھا۔ آگ لگاتا ہوا نیچا دکھاتا ہوا بھی۔ صلہ کو اس پل اس کی کمینگی کا صحیح معنوں میں اندازہ ہوا گویا۔ بے بسی اور سبکی کا احساس اس کے حلق میں آنسوؤں کی صورت اترنے لگا۔ چہرہ شدید ترین ذلت کے احساس سے جھلس رہا تھا۔

''اس سے بڑھ کر تم کیا کمینگی دکھاؤ گے.....؟ شانزے کے فیانس ہونے کی حیثیت سے میں تمہارا مزید لحاظ نہیں کر سکتی۔''

وہ بولی تو اس کی آواز بھینچی ہوئی اور بھیگی ہوئی تھی۔ آنسو بے اختیار گالوں پر اتر آئے تھے۔

''بس.....؟ اتنی ہی ہمت تھی آپ میں.....؟''

وہ ہنسا۔ گویا اس کا مذاق اڑایا۔ صلہ نے آنسوؤں سے جل تھل آنکھوں سے اسے ایک نگاہ دیکھ کر سائیڈ سے ہو کر گزرنے لگی تھی کہ منیب نے سرعت سے پھر راستہ روک لیا۔

''میری بات ابھی مکمل تو نہیں ہوئی۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ شانزے کے تعلق کے صدقے ہی کچھ عنایت اور کر دو..... یعنی مجھ سے شادی کی عنایت.....''

وہ مسکراہٹ دباتا اس کی بے بسی سے بے کسی سے پورا حظ اٹھا رہا تھا۔ صلہ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر پھپھک کر رو پڑی۔ وہ یقیناً اس سے اپنا بدلہ چکا رہا تھا۔ اس طرح ذلیل کر کے' دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ ابھر رہی تھی۔ منیب مزید کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے پلٹ گیا۔ صلہ البتہ اسی وقت اپنا سامان سمیٹ کر وہاں سے جانے کا ارادہ کر چکی تھی۔ شانزے اندر آئی تو یہ تیاری دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''یہ سب کیا ہے صلہ.....؟''

وہ بھونچکی سی بولی۔ صلہ نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

''مجھ سے بات مت کرو۔ مجھے ابھی اسی وقت جانا ہے۔''

وہ مشتعل تھی۔ چیخ پڑی۔ شانزے بیچاری کا رنگ اڑ سا گیا۔

''کوئی بات بری لگی ہے.....؟ کچھ بتاؤ تو.....؟''

شانزے ہراساں و بیکل تھی۔ بالکل رو دینے کو تیار۔

''بتا دوں گی پھر کبھی۔ فی الحال تم مجھے یہاں سے جانے دو۔''

اس نے آخری سوٹ بھی بیگ میں پھینک کر زیب کھینچی۔

''ٹھیک ہے۔ میں تائی جان سے کہتی ہوں۔ منیب چھوڑ آئیں گے تمہیں۔''

شانزے کا چہرہ بجھ گیا تھا۔ وہ اگر کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھی تو شانزے زبردستی نہیں کر سکتی تھی۔ صلہ وہ ہستی تھی جو اس پر حکمرانی کرتی تھی۔ وہ ہمیشہ اس کے موڈ اور مرضی کے تابع رہی تھی۔ اس کی خوشی پر سر جھکاتی آئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی دوستی یہاں تک بڑھ آئی تھی۔ ورنہ صلہ کے مزاج کی حاکمیت کب کا اسے صلہ سے دور کر چکی ہوتی۔ صلہ خود پسند تھی اور صرف خود سے محبت کرتی تھی۔ خود کو اہمیت دیتی تھی اور بس اور شانزے نے اپنی زندگی میں اگر سب سے زیادہ کسی سے محبت کی تھی تو وہ صرف صلہ تھی۔ باقی خون کے رشتے بھی بعد میں آتے تھے۔

''نہیں۔ مجھے اس بدمعاش کے ساتھ نہیں جانا۔ میں ممی کو کال کرتی ہوں۔ ڈرائیور بھیج دیں گی۔''

وہ اپنا سیل فون اٹھا کر بٹن پش کرنے لگی۔ شانزے نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ پتھرا رہا تھا

''کہیں تمہاری اس اچانک واپسی کی وجہ منیب تو نہیں.....؟ خدانخواستہ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی تم سے.....؟''

وہ سراسیمہ تھی۔ ہراساں تھی۔ صلہ تھم سی گئی۔ اس نے جلتی آنکھوں سے شانزے کو دیکھا۔

''صرف ایک بات کا جواب دینا مجھے۔ تمہارا منگیتر ڈرنک بھی کرتا ہے؟''

وہ اس کی آنکھیں پڑھ رہی تھی۔ شانزے سرد پڑ گئی۔

''تمہیں کچھ کہا انہوں نے.....؟''

اس کی آواز میں سرسراہٹ اتر آئی۔ صلہ نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی۔

''سوال نہیں۔ صرف جواب۔''

وہ آنکھیں نکال کر غصیلے انداز میں پھنکاری۔ شانزے مزید خائف ہوئی۔

''مم..... مجھے نہیں پتا۔ اگر ایسا ہوگا بھی تو میں.....''

صلہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ اسے اس کی بات کا جواب مل گیا تھا۔

''اب ذرا بچ کر رہنا اس سے۔''

وہ سرد انداز میں کہتی پھر نمبر ملانے لگی۔ شانزے کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا دوسرا جا رہا تھا۔

''مم میں اماں وغیرہ کو تمہارے جانے کا بتا دوں۔''

وہ مضطرب سی باہر نکل گئی۔ صلہ کی کال نہیں مل رہی تھی۔ سگنل پرابلم تھی۔ وہ پلٹ کر باہر آئی تو پہلا سامنا ہی منیب چودھری سے ہو گیا

''تو مجھ سے ڈر کر بھاگ رہی ہو آپ.....! حالانکہ اتنی بزدل تو کبھی نہیں لگیں تھیں تم.....''

صلہ کو اس نے کترا کر نکلنے نہیں دیا اور اپنے لمبے چوڑے وجود کے ساتھ اسی کے راستے کی دیوار بن گیا تھا۔ ہر تاثر بہت تمسخرانہ قسم کا تھا۔ صلہ کا ضبط جواب دینے لگا۔

''راستہ چھوڑو میرا''

وہ ضبط کرتے کرتے بھی پھٹ پڑی۔ منیب چودھری بے ساختہ سر کو نفی میں ہلانے لگا۔

''مس صلہ! آپ کا ہر راستہ مجھ پر آ کر ختم ہوتا ہے۔''

اس کی نظروں میں اپنی ذات کا زعم بولتا تھا۔ صلہ کا ہاتھ اٹھتا اٹھتا رہ گیا۔

''اپنی بکواس بند کرو سمجھے.....؟ یہ تھرڈ کلاس ڈائیلاگ اپنے معیار کی کسی تھرڈ کلاس لڑکی کے سامنے بولنا۔ وہی خوش ہو سکتی ہے۔ میں نہیں۔''

وہ غم و غصے سے جیسے پاگل ہوئی تھی۔ اسی لحاظ سے بنا مروت کے بولی۔ منیب چودھری کا چہرہ یوں سلگ اٹھا گویا کسی نے آگ دہکا دی ہو۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا۔ خود پر بڑی مشکل سے قابو پائے ہے۔

''بہت غرور ہے تمہیں اپنی ذات پر.....؟ اس غرور کو اپنے قدموں کی ٹھوکر پر نہ اڑایا تو نام بدل دینا۔ اب اگر تم یہاں سے بھاگ بھی جاؤ تو منیب چودھری سے نہیں بچ سکتیں۔''

وہ پھنکار پھنکار کر کہتا ایک جھٹکے سے پلٹ کر چلا گیا۔ صلہ نے نفرت انگیز انداز میں زمین پر تھوکا انداز ایسا تھا گویا اس پر تھوکا ہو۔

☆☆☆

دل مسیحا ہے سمجھتا ہے طبیعت اس کی
نرم گفتار سہی تلخ ہے عادت اس کی
تم ذرا پیار سے پوچھو کہ یہ قصہ کیا ہے؟
کیوں بھلا چاند نے اوڑھی ہے شباہت اس کی
حسن بکنے پہ جو آئے تو طوائف بن کر
اک تماشائی نے طے کی تھی یہ قیمت اس کی
لوگ اتنے بھی تیرے شہر کے سچے تو نہیں
سن تو لینی تھی ذرا دیر وضاحت اس کی
دل یہ کہتا ہے محسن لوٹ چلیں اس کے نگر
یاد آتی ہے جب سرشام رفاقت اس کی

عمر نے گہرا سانس بھرا اور نگاہ اس سے ہٹا لی۔ علیزے اسائنمنٹ بنانے میں اتنی محو تھی کہ اس کی نگاہوں کے تسلسل سے بھی نہیں چونکی اور وہ توجہ کا طالب صبر کے گھونٹ بھر کے رہ گیا۔ چائے کا بھاپ اڑاتا مگ اس کے بالکل سامنے رکھا تب اس کی محویت بالآخر ٹوٹ گئی تھی۔ اس نے چونک کر پہلے چائے کے مگ پھر عمر کو دیکھا تھا۔ ہلکی بڑھی ہوئی شیو میں اس کی سانولی رنگت بے حد نمایاں تھی۔ آرمی کٹ ہیئر سٹائل اور نظر کا سلور چشمہ اسے سوبر بناتے تھے۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد اور مضبوط جسم! وہ بہت باوقار مگر بجھا ہوا لگتا تھا۔ علیزے نہ جانے کیوں اسے دیکھے گئی۔

''میں نے سوچا آپ کو اس کی ضرورت ہو گی۔ کیا آپ ہر روز اتنی رات تک ہی پڑھتی ہیں.....؟''

وہ فاصلے پر ہٹ کر صوفے پر جا بیٹھا۔ علیزے سنبھل کر نفی میں سر ہلا گئی۔

''نہیں۔ روز تو نہیں۔ آپ ڈسٹرب ہو رہے ہیں تو لائٹ بند کر دیتی ہوں۔''

وہ اس کا خیال کر رہی تھی۔ عمر رواداری سے مسکرایا۔

''نہیں۔ آپ بے فکر ہو کر پڑھیں۔ میرا تو ویسے بھی آج چھت پر سونے کا موڈ ہے۔''

وہ چائے کا گھونٹ بھر کے نرمی سے ٹوک گیا۔

''میں آپ کا بستر.....''

وہ تیزی سے اٹھی تھی۔ جب اسے روکنے کو عمر نے عجلت میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر احساس ہونے پر اگلے لمحے چھوڑ بھی دیا۔

''سوری۔ مگر میرے لئے پلیز تکلفات میں نہ پڑا کریں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اس سے نظریں ہٹا کر وہ سنجیدگی سے بولا تھا اور پلٹ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ علیزے گم صم بیٹھی تھی۔ اس نے اسی کھوئی ہوئی کیفیت میں اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ جہاں اس کی سخت مردانہ گرفت کا احساس ہلکی سرخی کی صورت رقم تھا اور اس لمس نے جو شرارے اس کے وجود میں بھرے تھے۔ وہ علیزے کو مضطرب کر کے رکھ گئے تھے۔ وہ تنہائی کے اس سفر میں بہت تھک گئی تھی۔ ہانپنے لگی تھی۔ اس کے ساتھ اس کے احساس کی کب طالب ہوئی۔ اسے خود بھی احساس نہیں تھا۔ مگر وہ شخص محافظ تو تھا۔ مگر مہربان نہیں ہوتا تھا۔ فاصلے برقرار رکھتا تھا۔ کبھی پیشرفت نہیں کرتا تھا۔ وہ عورت ہو کر کیسے جھولی پھیلاتی۔ اسے یہ گوارا نہیں تھا۔ وہ اتنی ڈسٹرب ہوئی تھی کہ پڑھ نہیں سکی۔ لائٹ بند کر کے بستر پر آئی تو اس کی جلتی آنکھوں میں برسات اتر آئی تھی۔ وہ خود کو بہت دکھی بہت تنہا محسوس کر رہی تھی۔

حلق میں کانٹے سے اگ رہے تھے۔ بہت بے چین تھی وہ۔ اسی بے چینی میں جانے کب آنکھ لگی۔ نیند بھی اسی بے تابی کا شکار تھی۔ یہاں تک کہ پھر سے آنکھ کھل گئی۔ وہ ساکن پڑی رہی۔ خاصی تاخیر سے پھر حلق میں چبھتے کانٹوں کا احساس جاگا تو اندازہ ہوا پیاس لگی ہوئی ہے۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ دونوں کہنیوں پر جسم کا بوجھ ڈالتے وہ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ پھر ٹانگیں نیچے لٹکا دیں۔ دوپٹہ ٹٹولا۔ جو نہیں ملا۔ وہ اندھیرے میں ہی اندازے سے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ فرش پر کسی شے سے ٹھوکر کھا کر بری طرح گری۔ سنبھلنے کی کوشش میں اس کے دونوں بازو پھیلے تھے اور منہ سے کراہ نکلی گئی تھی۔ گرنے سے تو جو حواس مختل ہوئے سو ہوئے خود کو کسی انسانی وجود کے اوپر بلکہ اس کی بانہوں کے حصار میں مقید پا کر صرف اس کا دل ہی دہشت کے حصار میں نہیں گھرا۔ حلق سے دلخراش گھٹی گھٹی خوفزدہ سی چیخیں بھی نکلی تھیں۔ بری طرح تڑپ کر اس حصار سے نکلنے کو مچلی تھی کہ عمر کی بھاری آواز پہ اسے سکتہ سا ہونے لگا۔

''بائی ماڈ علیزے! ڈریں نہیں۔ میں ہوں عمر!''

وہ اسے بری طرح جھٹک رہی تھی۔ اس ڈھارس آمیز آواز پہ جیسے یک دم ٹھنڈی پڑ گئی۔ بلکہ جیسے تھک کر اس کے اوپر گر سی گئی۔ عمر نے سنبھل کر اسے آہستگی و نرمی سے خود سے الگ کیا تھا۔ پھر اٹھ کر لائٹ آن کر دی۔ علیزے ہنوز وہیں بیڈ اور صوفے کے درمیان خالی جگہ پر بیٹھی گہرے گہرے سانس بھر رہی تھی۔ بکھرے

ہوئے ریشمی بالوں کا حسن اس کا لو دیتا ہوا ملکوتی چہرہ کچھ بھی نظر انداز کرنے والا نہیں تھا۔ وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ چاہنے کے باوجود نگاہ نہیں ہٹا سکا۔ ابھی کچھ دیر قبل اس کا نرم گداز خوشبوؤں میں بسا سراپا کتنا قریب تھا اس سے اب دور ہوا تھا۔ تب بھی حواسوں پر چھا رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی تو آ کر لیٹا تھا وہ..... کہ یہ حسین افتاد ٹوٹ پڑی تھی۔ وہ ہر مصلحت بھول گیا۔ یاد رہا تو بس یہ..... علیزے اس کی بیوی ہے۔

مگر اس کی بے قراری بھری مزاحمت اسے پھر سے اس کے خول میں بند کر گئی تھی۔

''آئی ایم سوری! میری وجہ سے آپ کو پریشانی ہوئی۔ ڈر گئی تھیں آپ.....؟''

وہ وہیں کھڑا پوچھ رہا تھا۔ نظریں جھکی تھیں۔ علیزے نے سر اٹھا کر اسے خاص خفگی سے دیکھا۔

''ظاہر ہے ڈر گئی تھی۔ آپ تو چھت پر گئے تھے نا سونے..... پھر یہاں.....؟

''بارش کی وجہ سے مجھے نیچے آنا پڑا۔''

وہ جل جل سا وضاحت دے رہا تھا۔ علیزے کی ناراضگی کم نہیں ہوئی۔

''پھر بھی صوفے کی بجائے یہاں سونے کی کیا تک ہے؟''

نظریں چراتی ہوئی وہ بکھرے بال سمیٹنے لگی۔

''صوفے پر نہیں سویا جاتا مجھ سے..... ٹانگیں سیدھی نہیں ہوتیں۔ جبھی یہاں لیٹا تھا۔ ایگین سوری کہ آپ کو زحمت.....''

علیزے نے ایک دم سر اونچا کر کے اسے دیکھا۔ پھر گہرا سانس بھرا۔

''آپ اتنے فارمل کیوں ہو رہے ہیں.....؟ اٹس اوکے..... اور بیڈ پر لیٹ جائیں آ کر..... معذرت..... مجھے خود خیال کرنا چاہئے تھا۔''

وہ نرمی سے کہہ گئی۔ عمر نے اب کے اسے بغور دیکھا۔

''تو کیا آپ یہاں نیچے لیٹیں گی.....؟ نہیں مناسب نہیں لگتا۔''

وہ متامل تھا۔ علیزے نے پلکیں اٹھا کر اسے دھیان سے دیکھا۔ اس کی رنگت بے تحاشہ دہک سی گئی۔ کیا شک تھا۔ وہ اس کی ایک بار پھر انسلٹ کر چکا تھا۔ حالانکہ اس آفر کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ بیڈ پر آنے کی دعوت دے رہی تھی۔ اس کے باوجود عمر نہ سمجھتا یہ ممکن نہیں تھا۔ ایسے میں اس قسم کے الفاظ کا چناؤ صاف جتلاتا تھا کہ وہ نہ صرف ان فاصلوں کو سمیٹنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا بلکہ اسے بھی یہ باور کرانا چاہتا تھا۔ علیزے کے اندر الاؤ سے دہک اٹھے۔ اس کا جی چاہا وہ اندر کی ساری تپش اس پر نکال دے۔ اسے بتائے کہ وہ اس کی بہن کے جیسا مزاج نہیں رکھتی کہ ایک کے بعد دوسرا مرد بدلتی پھرے۔ مگر اس طرح تو یہ خود بتانے والی بات تھی کہ وہ اس کی پیشرفت چاہتی ہے۔ اس کی منتظر ہے۔ وہ کیوں ایسا کرے۔ اس پر اس کی اہمیت آشکار کرے جبکہ وہ اسے اہمیت دینے پر آمادہ نہیں تھا۔

''میں بھی نیچے نہیں سوؤں گی۔ صوفہ پر پوری آ جاتی ہوں۔''

اسے نارمل انداز میں بات کرنے پر باقاعدہ خود پر جبر کرنا پڑا تھا۔ عمر کی شکل پر بھی ممنونیت ثبت

ہونے لگی۔

''بہت شکریہ۔نوازش.....''

وہ قدرے شریر ہوا تھا۔

علیزے نے جلتی آنکھوں سے ہونٹ بھینچتے رخ پھیر لیا۔

''کہاں جا رہی ہیں آپ.....؟''

عمر جو بستر پر دراز ہو کر چادر اوپر پھیلا رہا تھا۔اسے باہر جاتے پا کر چونک سا پڑا۔

''پانی پینے..... پیاس کی وجہ سے ہی آنکھ کھلی تھی میری.....''

وہ رکی نہیں تھی۔البتہ پلٹے بغیر کہہ کر باہر نکل رہی تھی کہ عمر نے پھر بے ساختہ ٹوکا۔

''آپ ٹھہریں۔میں لے کر آتا ہوں۔باہر ابھی بھی بارش ہو رہی ہے۔''

وہ بستر سے بھی نکل آیا تھا۔مگر علیزے نے قطعی اہمیت نہیں دی۔

''نہیں..... میں چلی جاؤں گی۔مجھے کسی کو اپنے لئے زحمت دینا پسند نہیں ہے۔''

اس کا لہجہ و انداز سختی سمیٹ لایا تھا۔عمر کے اعصاب کو جھٹکا لگا۔وہ حیران سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

علیزے کے لہجے کی تلخی صاف چغلی کھاتی تھی۔کسی بات کے برا ماننے کی.....کیا.....؟

یہ پک نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کا ذہن۔وہ وہیں کھڑا اس کا انتظار کرتا رہا۔زیادہ تاخیر ہوئی تو تشویش میں مبتلا ہوتا پیچھے جانا چاہتا تھا کہ اس پل وہ کس حد تک بھیگی اندر آ گئی۔

''اتنی دیر''

وہ سوال کئے بغیر نہ رہ سکا۔علیزے چڑ سی گئی۔اس کی نظریں خود پر جمے پا کر۔

''آپ سوئے کیوں نہیں.....؟''

وہ جیسے کڑھنے لگی۔ایک طرح سے اعتراض اٹھایا تھا۔عمر کچھ نہیں بولا۔اس کا بھیگا چہرہ دیکھتا رہا۔جو صرف بارش سے نہیں بھیگا تھا۔صاف لگتا تھا خوب رو چکی ہے۔

''آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہے۔علیزے تو.....''

''ہرٹ انسان اس کی باتوں سے ہو سکتا ہے عمر صاحب جسے وہ اہمیت دے۔غالباً اتنے سمجھ دار تو ہیں آپ.....؟ اس کے اندر جو آگ بھڑکی تھی۔اب ممکن ہی نہیں تھا۔باہر نہ آتی جبکہ وہ اسے خوامخواہ پھر چھیڑ بھی چکا تھا۔بات منہ سے نکلی تھی اور وہ صوفے پر لیٹ کر چادر تان چکی تھی۔عمر کو سکتہ سا ہو گیا تھا جیسے۔سنبھلا تو چہرے پر پسینہ اتر رہا تھا۔اب اسے شک نہیں یقین تھا۔وہ اس کی بات کو مائنڈ کر چکی ہے۔جبھی سرد آہ بھر کے اپنی جگہ پر گیا تھا۔

☆☆☆

یہ اس کا حد سے بڑھا ہوا ضرورت سے زیادہ اعتماد ہی تھا کہ ماما سے رابطہ بحال نہ ہونے کی صورت میں شانزے کی اماں کے کہنے پر اس نے واپسی کا ارادہ موقوف کر دیا تھا۔مقصد محض منیب چودھری پر جتلانا بھی

تھا کہ وہ اس سے خائف نہیں ہے اور یہ اس کی غلطی تھی۔ عورت چاہے جتنی بھی پر اعتماد مضبوط

اور بولڈ ہو جائے مگر منیب جیسے شیطان صفت مرد اپنے ناپاک ارادوں سے اسے زیر کر دیا کرتے ہیں۔ عورت کی سب سے بڑی نادانی ہی اس کا یہ زعم ہے کہ وہ مرد کو شکست دے سکتی ہے۔ مرد کو شکست دینے کا یہ انداز یہ سوچ ہی غلط ہے کہ اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو جاؤ۔ وہ نادان تھی۔ اسے اپنی عقل پہ ناز تھا۔

''شکر ہے اللہ پاک..... تم نے ارادہ تو بدلا ورنہ میں اتنی پریشان ہو چکی تھی قسم سے۔''

اسے اطمینان آمیز انداز میں پلنگ پر بیٹھ کر ٹانگیں جھلاتے تربوز کھاتے پا کر شانزے خوشی سے نہال ہوئی جاتی تھی۔ صلہ نے سر جھٹک رہا۔

''اچھا چھوڑو۔''

''تمہیں پتا ہے.....؟ شہرام کی رسم بسم اللہ! دو دن بعد ہے۔ میری خواہش تھی تم اس میں ضرور شریک ہو..... ساتھ میں ہماری باقاعدہ منگنی کی رسم بھی ادا کی جائے گی۔''

شانزے کے چہرے پر حجاب کا سنہرا رنگ اتر رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

''ہاں تو ہوں گی ناں..... ڈونٹ یو وری۔''

وہ منیب پر بہت کچھ جتلانا چاہتی تھی۔ شانزے کے ساتھ باہر باغات میں جا کر وہ منیب چودھری پر یہ بھی جتلانا چاہتی تھی کہ اس میں اور شانزے میں ہرگز کوئی فرق نہیں ہے۔ شانزے کو اس نے اس امر پر جیسے تیسے مجبور کر لیا تھا۔ اس کی رضا کی خاطر شانزے منیب کی ناراضگی بھی مول لینے پر آمادہ تھی۔

''اب چلیں.....؟''

''کیوں نہیں۔ تم چلو..... میں ابھی اماں کو بتا کر آتی ہوں۔ میرا خیال ہے منیب کہیں شہر سے باہر ہیں۔ یہ بہترین وقت ہے۔''

شانزے خاصی سرگرم اور پرجوش تھی۔ صلہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکان اتر آئی۔ یوں جیسے منیب چودھری کو نیچا دکھا دیا ہو۔

یوں گویا منیب چودھری کا سر جھکا دیا ہو
ایسے جیسے منیب چودھری کو ٹھوکر مار دی ہو

''تم مجھے کیا نقصان پہنچاؤ گے منیب چودھری.....! تمہاری دکھتی رگ تو میرے ہاتھ میں ہے۔ دیکھنا میں کیسے تمہیں شکست سے دوچار کرتی ہوں۔''

وہ مطمئن تھی، سرشار تھی، نہیں جانتی تھی۔ چوہے بلی کے اس خونخوار کھیل میں جیت کس کا مقدر بنی ہے۔ اگلے چند لمحوں میں دروازے پر دستک ہوئی اور ملازمہ نے سر اندر ڈالا تھا۔

''بی بی صاحبہ! آپ کو شانزے بی بی بلا رہی ہیں۔ کہتی ہیں چادر اوڑھ کر بہت خاموشی سے آیئے گا۔''

اس کا انداز سرگوشی سے مشابہہ تھا۔ صلہ کو حیرت نہیں ہوئی۔ وہ جانتی تھی۔ شانزے اب گھر والوں کی

مرضی کے بغیر خاص کر منیب چودھری سے چھپ کر اس کے ساتھ باہر جائے گی۔ وہ اٹھی اور اپنا دوپٹہ کھول کر ذرا سلیقے سے اوڑھ لیا۔ مختلف راہداریوں سے ہوتی وہ دونوں حویلی کے پچھلے باغ میں آئی تھیں۔ وسیع باغ کے اطراف چادر دیواری اتنی بلند تھی کہ سرے گویا آسمان کو چھوتے محسوس ہوتے تھے۔ دھول مٹی میں اٹے امرود اور مالٹوں کے درختوں کے پتے ساکن تھے۔ بیشتر خشک ہونے کے بعد زمین پر ڈھیر تھے۔ جوان کے پیروں تلے آکر چرمراہٹ کی آواز نکالتے اپنا وجود کھو رہے تھے۔

''اب آپ جائیے۔ سڑک کی دوسری جانب کالی گاڑی کھڑی ہے۔ بی بی اس میں آپ کی منتظر ہیں۔ ملازمہ لکڑی کے سال خوردہ پھاٹک کے چھوٹے دروازے پر آکے رک گئی اور اسے باہر جانے کا اشارہ کرتی سرگوشی میں بول رہی تھی۔ صلہ نے اس ہدایت نامے کو دھیان سے سنا تھا اور محض سر ہلا دیا۔ پھر اس پر اعتمادانہ انداز میں قدموں کو آگے بڑھا دیا تھا۔ ملازمہ کی بتائی ہوئی بلیک مرسڈیز واقعی سڑک کی پرلی جانب بوہڑ کے درخت کے نیچے موجود تھی۔ اس کے ہونٹوں پر کھیلتی مسکان مزید گہری ہوگئی۔

''یار.....! اتنی راز داری..... اف مجھے تو قسم سے ایسا ہی لگ رہا ہے۔ گویا اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ ڈیٹ پر جانے کو نکلی ہوں۔''

دروازہ کھول کر دھپ سے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے وہ بے ساختہ کھلکھلائی تھی۔ جواب میں خاموشی تھی۔ گاڑی کا ماحول نیم تاریک پرسکون اور اے سی کی کولنگ کے باعث باقاعدہ خنک تھا۔ کچھ وہ کڑی دھوپ اور چلچلاتی دھوپ سے ایک دم اس ماحول کا حصہ بنی تھی۔ جبھی فوری طور پر صورتحال سمجھنے سے قاصر رہی لیکن اگلا لمحہ کڑا اور اعصاب شکن ثابت ہوا۔ جب اس نے اپنے مقابل منیب چودھری کے لمبے تڑنگے وجود کو سیٹ پر براجمان پایا تھا۔ اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی نہیں ہوئیں بلکہ ان میں اندھیرے چھانے لگے تھے۔ دماغ سنسنا اٹھا۔

''اس میں ہرگز کوئی شک بھی نہیں۔ آپ بلاشبہ ڈیٹ پر جا رہی ہیں وہ بھی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ منیب چودھری نہ اس کی طرح سکتہ زدہ تھا نہ اس کیلئے یہ صورتحال ہی غیر متوقع تھی۔ جبھی بے حد اطمینان آمیز انداز میں کہتے اس کا گال چھوا تو جیسے صلہ کا یہ سکتہ ٹوٹ گیا۔ وہ نہ صرف بپھرے ہوئے انداز میں پیچھے کی جانب ہوئی بلکہ گھن کھائے انداز میں اس کا ہاتھ بھی تنفر سے جھٹکا تھا۔ اس کا چہرہ بیک وقت سراسیمگی و وحشت کے ساتھ گھبراہٹ کا بھی اشتہار بنا ہوا تھا۔

''تت..... تم..... تم نے مجھے چیٹ کیا.....؟''

اس کی آواز لرز رہی تھی۔ آنکھوں میں ہراس کے ساتھ نمی کا غلبہ تھا۔ وہ مسکراتا رہا۔ اسے نظروں میں ناپتا اور تولتا رہا۔ صلہ کا وجود خوف کی سل تلے دفن ہو رہا تھا ہر لمحہ۔

کہاں لے جا رہے ہو مجھے اس طرح.....؟''

اب کے وہ روہانسی ہوئی تھی۔ دل دھڑکنا چھوڑ رہا تھا۔ صورتحال کا اس طرح پلٹ جانا۔ اس کے اوسان خطا کر گیا تھا۔ دماغ ماؤف تھا۔ بس خوف تھا۔ وحشت تھی۔ اس کے ساتھ بہت غلط ہو چکا تھا۔ یہ احساس

اس کی جان نکالنے والا تھا۔

''کم آن بریو گرل! مجھے بولڈ لڑکیاں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں۔ تم کچھ زیادہ کر گئیں۔ سوچا اس بہادری پہ تمہیں سراہوں' میڈل شیڈل پہناؤں..... بس اس خیال کو عملی جامہ پہنا رہا ہوں۔ دنیا کی نظروں سے دور کچھ وقت تمہارے ساتھ گزاروں گا۔ ایسے سراہوں گا تمہیں کہ آج تک کسی نے تمہاری صلاحیتوں کو نہ سراہا ہوگا۔ تم پر رشک آئے گا تمہیں۔ پھر ہم واپس آ جائیں گے۔ ڈونٹ یو وری..... کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

وہ ایک ایک جملہ حظ لے لے کر ادا کرتا تھا۔ اس کے انداز میں تمسخر زیادہ تھا یا کاٹ دار طنز آنکھوں میں حقارت کا عنصر نمایاں تھا یا مضحکہ خیز رنگ۔ وہ سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھی۔ خوف سے پھٹی نظروں سے اسے غیر یقینی سے تکتی جیسے جان کنی کے عالم میں تھی۔ دھڑکنیں ساکن تھیں..... معاً وہ شدتوں سے کانپنے لگی۔ بے ساختہ رو پڑی۔

''تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے.....''

یہ بے بسی تھی یا خوف کی انتہا۔ اسے خود سمجھ نہیں آتی تھی۔ منیب طنزیہ ہنسی ہنسا۔ بہت دیر ہنستا رہا۔ وہ خوف سے سرد پڑتی رہی۔

''میں تمہارے ساتھ ایسا کر چکا ہوں۔ باقی سب باتیں بھی اس گاڑی کے رکتے ہی منزل پر پہنچتے ہی پوری کروں گا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی۔ ہمت ہو گی تو روک لینا۔''

کاندھے جھٹک کر وہ کتنے دھڑلے سے بات کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں صرف زعم و نخوت نہیں تضحیک بھی تھی۔ تحقیر بھی تھی۔ صلہ کو پہلی بار اپنا آپ اتنا کمزور اتنا بے بس محسوس ہوا۔ تو ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سرد لہریں دوڑنے لگیں۔ وہ سر کو نفی میں ہلاتی بے اختیار دروازے کی جانب سرکی۔ ارادہ یہی تھا۔ وہ خود کو چلتی گاڑی سے نیچے گرا دے گی۔ اس کے مذموم مقاصد کو روکنے کا اس کے سوا اور کوئی حل اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔ منیب چودھری البتہ اس سے غافل نہیں تھا۔ جبھی اس کا ارادہ بھانپتے ہی اسے بے دردی اور جارحیت سے اپنی طرف کھینچا کہ وہ پوری نہیں تو کسی حد تک ضرور اس کی گود میں سما گئی تھی۔ صلہ کو اس سے اس چابک دستی کی کہاں توقع تھی۔ رہے سہے حواس بھی جواب دے گئے۔

''باہر کودنا چاہتی ہو.....؟ ہڈی پسلی ٹوٹ جائے گی تمہاری..... یہ شوق واپسی پر پورا کر لینا کہ شاید یہی بہتر ہوگا تمہارے لئے..... مگر ابھی نہیں ابھی تو تمہاری بڑی ضرورت ہے مجھے.....''

وہ اس کے بالوں میں منہ دیئے سرگوشیانہ بوجھل آواز میں کہہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی جارحانہ گرفت میں کوئی لحاظ و مروت نہیں تھا۔ صلہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا تو آنکھیں میں جیسے مرچیں جھونک دی گئیں۔ جو اس وقت اس کی پوزیشن تھی۔ وہ اس قدر آکورڈ تھی کہ مارے سبکی کے اس کے آنسو بھی ٹھہر گئے۔ منیب چودھری کمینگی و شیطانیت کی انتہا پر تھا کہ اس کی مزاحمت کے جواب میں مزید گستاخی پر اتر آیا۔

''شرافت سے بیٹھی رہو۔ اگر تم انسان نہیں بنیں تو میں ڈرائیور کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر تم سے بدتمیزی شروع کر دوں گا۔ جو تمہاری تمام تر بولڈنیس کے باوجود یقیناً تمہیں گوارا نہیں ہو گی۔ بہتر ہے فضول

حرکتیں بند کرو۔''

وہ بولا نہیں تھا' غرایا تھا۔ اس کی آواز واقعی اس وقت کسی وحشت سے بھرے بھڑیئے سے مشابہ لگی تھی صلہ تو شدید ترین ذلت کے اس مظاہرے پر خفت سے شرم سے پتھرا سی گئی۔ آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں آ کر پھنس گیا تھا۔ وہ اتنی ساکن تھی کہ ایک لمحے کو منیب نے بھی حیران ہو کر اس کا جائزہ لیا کہیں واقعی مر مرا تو نہیں گئی۔

''شکر ہے زندہ ہو۔ ورنہ سارے ارمان دل میں ہی رہ جانے تھے۔''

اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں جھانک کر وہ خباثت سے بھرپور آواز میں کہتا ہنسنے لگا۔ صلہ کے آنسو پھر بہہ نکلے۔

''مجھے چھوڑ دو..... میں باہر نہیں کودوں گی۔''

اس نے بامشکل گلے سے آواز برآمد کی تھی۔ تو سسکیاں سی پھوٹ پڑیں۔ منیب چودھری نے بہت دھیان سے اس کا چہرہ پڑھا۔ پھر ہاتھ ہٹا لئے۔ وہ بہت سرعت سے فاصلے پر ہوئی۔ منیب جو اسے بغور تک رہا تھا۔ سرد آہیں بھرنے لگا۔

''ہاہ.....! کاش تم نے کہا ہوتا۔ میں تمہاری ہر بات مانوں گی۔ ہر بات.....''

اس کا انداز سطحی تھا۔ صلہ نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ رخ پھیر لیا۔ اس کے ذہن میں اس وقت صرف ملال تھا۔ پچھتاوا تھا۔ اسے خبر نہیں تھی۔ گاڑی کتنی دیر یونہی فراٹے بھرتی رہی۔ وہ تو بس سراسیمہ سی خود پر بیت جانے والی اس قیامت پر لرزاں و پریشان تھی۔

معاً گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس نے سہم کر دل تھام لیا۔ خوفزدہ نظریں کھڑکی کے باہر بھٹکیں آس لئے کاش کوئی مددگار مل جائے۔ نجات دہندہ مل جائے۔ مگر یہ ایک ویران علاقہ تھا۔ سرسبز مگر سنسان فضا میں درختوں کے پتوں کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ دروازہ کھٹاک کی آواز سے کھلا۔ صلہ نے دہل کر وحشت زدہ نظریں اٹھا کر منیب کا چہرہ دیکھا۔ جہاں رحم اور نرمی جیسے کسی تاثر کا دور دور تک احساس نہیں ملتا تھا۔

''باہر آؤ گی یا پھر میں زحمت کروں؟''

اس کا لہجہ بھی اس کے چہرے کی طرح کرخت تھا۔ وہ پوری طرح بے جان ہو کر رہ گئی۔ شکست خوردہ

''مم..... مجھے معاف کر دو۔ مم..... مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھ اعتراف ہے۔ پلیز مجھے واپس لے چلو اور.....''

اس کے ارادوں کی سفاکیت کا خیال صلہ کا سارا غرور سارا طنطنہ بہا لے گیا تھا۔ وہ اس کے آگے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگی۔ منیب بجائے ریلیکس ہونے کے مزید تنفر سے بھر گیا۔ بے بسی ظلم پر ابھارتی ہے۔ کوئی شک نہیں۔

ارے..... اے میرے قدموں میں کیوں بیٹھ رہی ہو.....؟ یار تمہارا معیار اتنا پست نہیں ہونا چاہئے۔''

اس کے زخمی وجود پر تازیانے مارنے سے باز نہیں آیا۔ انداز ہنوز تحقیر آمیز تھا۔ الفاظ کے بالکل برعکس..... صلہ کو جیسے کوئی راہ فرار نہیں مل رہی تھی۔ جبھی دل دھڑکنیں گم کرتا جا رہا تھا۔

''پلیز..... منیب معافی مانگ رہی ہوں نا.....''

وہ بے اختیار سسک پڑی۔ بے کسی بے بسی لاچاری کے شدید احساس سمیت۔ جب وہ اسے بازو سے پکڑ کر زبردستی گھسیٹتا ہوا فارم ہاؤس کے اندرونی حصے میں لے کر آیا اور ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیلا تھا۔ صلہ کی ہر مزاحمت اس کے طاقت اور بپھرے انداز کے سامنے کسی حقیر تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

لفظ معافی میری لغت میں نہیں ہے صلہ ڈارلنگ! سو معذرت..... تمہارے غرور کا سر نیچا کیے بغیر سکون حاصل نہیں ہو سکتا ہے مجھے..... یاد کر لو۔ تبھی عزت دینا چاہی تھی۔ جو راس نہیں آئی تمہیں۔ اب یہ ذلت تمہیں سمجھائے گی اچھائی اور برائی کا فرق۔''

وہ اسے بستر پر اچھالتے ہوئے آنکھیں نکال کر غرائے گیا۔ صلہ کو جیسے موت سامنے نظر آنے لگی۔ جبھی رنگت ہلدی کی مانند بالکل پیلی پڑ گئی۔

''ایسا مت کرو منیب! میں بہت شرمندہ ہوں۔ دوبارہ کبھی شکایت نہیں ہو گی مجھ سے..... فار گاڈ سیک..... فار گاڈ سیک مجھے یہاں سے جانے دو.....''

وہ حواس کھوتی زور زور سے رونے لگی۔ اسے منیب کی آنکھوں میں رحم کی کوئی رمق نظر نہیں آ رہی تھی۔ عزت داؤ پر لگی تھی تو اس پر نزع کا عالم طاری ہونے لگا تھا۔

مگر منیب پر اثر نظر نہیں آ رہا تھا نہ اس کی گریہ وزاری کا نہ منت سماجت کا۔

''تمہیں یہاں سے جانا ہی ہے۔ ساری زندگی میں تمہیں اپنے سر پہ بٹھا بھی نہیں سکوں گا۔ اتنی پسند نہیں ہو تم مجھے.....''

اس کا تند لہجہ تنفر اور تضحیک آمیز تھا۔ وہ جن نظروں سے جن الفاظ سے اسے نواز رہا تھا۔ صلہ ہر لمحہ ذلت کی پستیوں میں دھنستی جا رہی تھی۔

''میں خودکشی کر لوں گی..... تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا یہ سب کرنے کا.....''

کوئی پیش نہ چلتی دیکھ کر وہ غم و غصے سے چیخنے لگی۔ منیب پر یہ دھمکی بھی کارگر نہ گزری۔ الٹا وہ قہقہہ لگاتا ہوا اس کا مذاق اڑانے لگا۔

''ہاں تو کر لینا خودکشی..... مجھے کیا فرق پڑتا ہے.....؟ بلکہ ابھی تمہارے ساتھ جو کروں گا میں اس کے بعد تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔ خودکشی ہی کرو گی۔''

سفاکی و بے حسی کے اس عظیم الشان مظاہرے نے صلہ کو شل کر دیا۔ وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔ کتنی بری پھنسی تھی وہ..... کہ کوئی راستہ ہی نجات کا نظر نہیں آتا تھا۔ معاً وہ ایک دم اس کے پیروں پر جھک گئی۔

''تم شادی کرنا چاہتے تھے ناں مجھ سے..... منیب کرلو شادی..... خدا کیلئے نکاح کرلو۔ ایسے مجھے گنہگار نہ کرو۔ میری نظروں میں نہ گراؤ۔''

ایک ہی بات کو بار بار دہراتی وہ اتنی وحشت سے روئی تھی کہ منیب اسے دیکھتا رہ گیا۔ صاف لگتا تھا اس نے اپنی عزت کی حفاظت کی خاطر

اپنی پسند

اپنی زندگی

اپنی خواہشات

سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔ اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔

منیب نے ہونٹ بھینچ لئے۔ کچھ دیر کھڑا رہا۔ پھر اس کے ہاتھ اپنے پیروں سے جھٹک کر اسی خاموشی سے باہر نکل گیا۔ صلہ اسی طرح دوہری پڑی روئے جاتی تھی۔

☆☆☆

بہت سے دن بہت خاموشی سے گزر گئے۔ وہ سعدیہ کی امتحان کیلئے اچھی تیاری کی خاطر خاص محنت کر رہی تھی اس پر..... مگر وہ محسوس کرتی سعدیہ کا ذہن پڑھائی میں نہیں تھا۔ ایک دوبار اس نے موبائل پر بھی چپکے چپکے اسے باتیں کرتے دیکھا۔ اس کے سوالوں پر وہ ٹال گئی تھی اور ہر بار سیما کا نام لے کر ٹال جاتی۔ یہ قیمتی موبائل بھی اسے سیما نے ہی تحفہ دیا تھا۔ جس پر وہ انٹرنیٹ بھی چلانا سیکھ رہی تھی۔ علیزے کو اور فکریں کم تھیں کہ ایک یہ بھی آ لگی۔ جانے کیوں اسے لگتا تھا۔ سعدیہ غلط راہوں کی مسافر ہو رہی ہے۔ کہتی کس سے..... عمر سے اس کے تعلقات ہی ایسے تھے۔

اماں ہر وقت بدگمان رہتی۔ ایسی بات سن کر الٹا اس پر الزام لگا دیتیں۔ ویسے بھی جو سیما کے اطوار تھے۔ اس حساب سے تو سعدیہ بہت پاکباز تھی۔ یہ اضطراب اور پریشانی کم نہیں ہوئی تھی کہ ایک اور اعصاب شکن خبر اسے مل گئی۔

اسد نے سیما کی خواہش کی تکمیل کی خاطر زارا اور ماما کو گھر سے نکال دیا تھا۔ ایک معمولی بات پر آدھی رات کو انہیں بے سروسامانی کی حالت میں جیسے گھر سے نکالا۔ اگر انہیں ہمسائی خاتون پناہ نہ دیتیں تو کہاں جاتیں۔ زارا نے فون پر روتے ہوئے اسے جس وقت یہ اطلاع دی۔ علیزے کو صحیح معنوں میں لگا تھا۔ زمین اس کے قدموں تلے نہیں رہی۔ وہ اتنی ہی سراسیمہ ہوگئی تھی کہ اور کچھ بھی پوچھنا اسے یاد نہیں رہا۔ ننگے سر ننگے پیر وہ نیچے بھاگی تو سیڑھیوں پر اس کا ٹکراؤ اسی سمت آتے عمر سے ہوگیا تھا۔

''خیریت.....؟ کیا ہوا آپ کو.....؟''

آنکھوں میں آنسو..... چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ عمر خود پریشان نظر آنے لگا۔

''ماما..... ماما..... کو نکال دیا ہے بھائی نے..... آپ کی بہن کی ایما پر..... اللہ غارت کرے انہیں برباد کرے.....'' اس کا ضبط بالآخر جواب دے گیا تھا۔ غم و غصے کا زبردست ریلا اسے اپنے ساتھ بہالے گیا۔

باقاعدہ بددعائیں دیتی وہ زاروقطار رونے لگی۔ عمر نے کچھ سمجھی کچھ ناسمجھی کی کیفیت میں مگر گھبرا کر پہلے اسے پھر نیچے دیکھا اور اس خیال سے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ کہیں اماں تک اس کی آواز پہنچ گئی تو انہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔

''علیزے..... پلیز کول۔ ریلیکس رہیں۔''

وہ اسے زبردستی بازو کے حلقے میں لے کر ایک طرح سے گھسیٹ کر اوپر لایا تھا۔ حالانکہ وہ مسلسل مزاحمت کر رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔ عمر نے اس کی کوئی پیش نہیں چلنے دی اور کمرے میں لا کر ہی چھوڑا۔ پھر پہلے پلٹ کر دروازہ لاکڈ کیا پھر پانی کا گلاس اسے پھر سے باہر جانے پا کر تھامتے ہوئے اس کے منہ سے لگایا تھا۔ علیزے نے بے حد درشتی سے ہاتھ پرے کیا۔ ایسے کہ عمر کے اوپر پانی بھی چھلکا اور گلاس بھی چھوٹ کر زمین بوس ہو گیا۔

تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے.....؟ انہی کے ساتھی ہو ناں..... یعنی ہم پر ظلم کے پہاڑ توڑنے والے؟

''وہ واقعی حواسوں میں نہیں تھی۔ اسے زور سے دھکا دیتے ہوئے وحشت زدہ سی چیخی۔ عمر کے اعصاب شدید کشیدگی سمیٹ لائے۔ اس نے پھر سے باہر دوڑتی علیزے کو بھاگ کر قابو کیا۔ بلکہ اب کے بغیر کسی لحاظ کے بازوؤں میں کس لیا۔ ایسے کہ وہ پھڑ پھڑا تک نہ سکی تو خوف سے پھٹتی نظروں سے اسے تکنے لگی۔

''تم بھی چاہتے ہو..... میری ماما مر جائیں.....؟''

زاروقطار رو پڑی تھی۔ عمر کے اعصاب شل سے ہوئے۔ وہ بے بسی کے شدید احساس سمیت سر نفی میں ہلانے لگا۔

غلط نہیں سمجھیں علیزے! بدگمان مت ہوں۔ میں آپ کی مدد کرنا چاہ رہا ہوں۔ مگر ہر کام کا کوئی طریقہ بھی ہوتا ہے۔ جیسے آپ بھاگ رہی تھیں۔ ماں آپ کی کیفیت نہیں سمجھتیں بلکہ الزام عائد کر دیتیں کہ لڑکی گھر سے ہی دوڑ گئی۔ میں خود لے کر چلتا ہوں آپ کو۔ اپنے حواس بحال کریں بلکہ مجھے ساری بات بتائیں۔ ٹرسٹ می علیزے..... ٹرسٹ می۔''

آہستہ آہستہ نرمی سے رسان سے کہتا وہ جیسے اسے سمجھا رہا تھا۔ اسے بازوؤں میں بھرے سینے سے لگائے کتنے پیار سے بات کر رہا تھا۔ علیزے کا دل ذرا سا ٹھہرا تھا بات سمجھ آئی تو مگر اس کی قربت نے بھی دل و دماغ پر محشر برپا کیا تھا۔ جبھی کسمسا کر فاصلے پر ہوئی۔ عمر نے بغیر کسی ردوکد کے اسے چھوڑ دیا۔ پھر مزید اس کی مشکل آسان کی کہ اسے دوپٹہ تھمایا۔ جس کی تلاش میں اس کی نظریں بھٹک رہی تھیں۔ علیزے کی رنگت سرخ اور دہکی ہوئی تھی جبکہ پلکیں لرز رہی تھیں۔ عمر کھنکارا مجھے بتائیں..... کیسے پتا چلا اس بات کا آپ کو.....؟''

اس کا لہجہ گھمبیر تھا۔ نرمی کا رچاؤ لئے۔ علیزے کا دل پھر سے بھرانے لگا۔

''زارا کی کال آئی تھی۔ وہ رو رہی تھی۔ انہیں سیما کے کہنے پر بھائی نے گھر سے رات کے وقت نکال دیا ماما کی طبیعت خراب ہے بہت.....''

وہ بہتے آنسو صاف کرتی دلگیر آواز میں بول رہی تھی۔ عمر نے محض ہنکارا بھرا۔ انداز متاسفانہ تھا۔

''آنٹی کہاں ہیں اب.....؟ آئی مین کس ہاسپٹل میں.....؟''

اس کا انداز پرتشویش تھا۔ علیزے ایک دم چونک گئی۔

''یہ تو نہیں بتایا زارا نے.....''

''آپ نے پوچھا بھی نہیں.....؟''

عمر کو اچنبھا ہوا تھا۔ علیزے ایک دم خفت دہ نظر آنے لگی۔

''شاید بتایا ہو..... مم میں بہت پریشان ہوگئی تھی تو.....''

اس نے نظریں چرائیں۔ عمر اس سے اگلے مرحلے کا چشم دید گواہ تھا۔ جبھی گہرا سانس بھر کے اپنا سیل فون جیب سے نکالتا اس سے سوال کر گیا تھا۔

''زارا نے اپنے نمبر سے کال کی تھی.....؟''

''جی.....!!!''

علیزے نے جیسے ذہن پر زور دے کر اثبات میں جواب دیا۔ عمر نے زارا کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ دوسری سمت بیل جا رہی تھی۔ وہ انتظار کرنے لگا۔

''کون..... عمر بھائی.....؟''

کال ریسو ہوئی تو زارا کی مدھم شکستہ آواز سنائی دی۔ روئی روئی سی آواز۔ عمر مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم تصور کرنے لگا۔ ضمیر زندہ ہوں۔ احساسات مردہ نہ ہو چکے ہوں تو خود سے وابستہ رشتوں کے جرم سے آپ خود کو بری الزمہ قرار نہیں دے سکتے۔ وہ بھی شرمسار تھا۔ جبھی بات نہیں کر سکا فوری۔

''زارا..... گڑیا.....! آنٹی کیسی ہیں.....؟''

''ماما کا بی پی شوٹ کر گیا ہے بھائی.....! ہم اس وقت بھی سائرہ آنٹی کے گھر پر ہیں۔ آپی کو بتایا تھا میں نے وہ بوجھل آواز میں کہہ رہی تھی۔ عمر نے اک نظر علیزے کو دیکھا۔ جو بے تاب منتظر نظروں سے اسے ہی دیکھتی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ میں کچھ دیر میں آتا ہوں آپ کی آپی کو لے کر.....''

اس نے فون بند کر دیا۔ علیزے تیزی سے قریب آئی۔

''ماما.....!!!''

''بہتر ہیں۔ ریلیکس۔ آپ چلیں میرے ساتھ۔''

سیل فون جیب میں ڈالتا ہوا وہ خود اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ علیزے نے عجلت میں اٹھ کر چادر اوڑھی چپل پہنی۔ عمر بائیک کی چابی اٹھا رہا تھا۔ اسے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا باہر نکل گیا۔

''کہاں کی تیاری ہے.....؟''

علیزے سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تو عمر کو اماں کڑے تیوروں سے گھیرے کھڑی تھیں۔

''علیزے کو کچھ خریداری کرانی تھی۔ بتایا تھا نا آپ کو دوست کی شادی ہے۔ اسی لئے تو انہیں لینے آیا ہوں۔ عمر کے جواب پر علیزے نے ٹھٹھک کر بے چین ہو کر عمر کو دیکھا۔ جس کا چہرہ سپاٹ اور سنجیدہ تھا۔ اسے گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ عمر نے اس سے جھوٹ کیوں بولا۔

''لیکن میں نے تمہیں اجازت تو نہیں دی اسے لے جانے کی پھر.....؟''

اماں کی تیوری چڑھ گئی۔ انداز نوکیلا تھا۔ علیزے سخت جز بز ہوئی۔ اب پتا نہیں وہ کتنی جرح اور بحث کرتیں جبکہ اس کے دل کو پنکھ لگے ہوئے تھے۔ بس نہ چلتا تھا اڑ کر ماما کے پاس جا پہنچے۔

''اماں کیا ہو گیا ہے۔ میں ہمیشہ کو تھوڑی انہیں لے جا رہا ہوں۔ آپ کے پاس ہی رہ رہی ہیں۔ اگر دوست فیملی کیلئے اتنا فورس نہ کرتا تو میں مجبور نہ ہوتا۔ آپ خود منع کر چکی ہیں کہ نہیں جا سکتیں۔ سعدیہ کو بھی بھیجنے پر آمادہ نہیں۔ علیزے کیلئے تو اعتراض نہ کریں۔ صرف چند دنوں کی تو بات ہے۔''

وہ نرمی سے رسان سے کہتا گویا قائل کر رہا تھا۔ علیزے کا دماغ ابلنے سا لگا۔ سیما نے جو کچھ کہا تھا۔ اس کے بعد اس کا دل ہر مصلحت ہر لحاظ بھول جانے پر آمادہ تھا۔ ظلم سہنے کو صرف وہی کیوں.....؟

''سارے بہانے ہیں تیرے..... بدل گیا ہے تو بھی۔ پورا پورا زن مرید ہو چکا مگر شرم نہیں آتی۔''

انہوں نے پٹڑی بدل لی۔ علیزے نے ہونٹ بھینچے۔ عمر نے گہرا سانس بھرا۔

''کیا ضرورت تھی پیسے کو آگے لگانے کی.....؟ بری و جہیز کے اتنے کپڑے لتے موجود تو تھے۔ وہی پہن لیتی..... مگر نہیں۔ آج کل کی عورتوں کو شوہروں کی کمائی کو لٹا کر ہی سکون ملتا ہے۔''

سیما کے کارناموں پر اس کی پیٹھ ٹھونکنے والی یہاں سوئی کے ناکے سے خرچہ کرا کے بھی ناخوش تھیں۔ رویوں کا یہ تضاد ہی نفرت کے بیج بوتا ہے۔ مگر دھیان ہر کوئی نہیں دیتا۔

''کپڑے تو وہی استعمال کریں گی۔ بس جوتے وغیرہ چاہئیں۔''

عمر نے تسلی دی۔ اماں مگر ان سنی کر گئیں۔

''دو دو ہمارے لئے بھی جوڑے لے آنا اچھے پرنٹ کے..... کجا صرف بیوی کو ہی نوازتے رہو۔''

انہوں نے فرمائش نوٹ کرائی۔ عمر تابعداری سے سر ہلاتا جان بخشی پر بائیک باہر نکالنے لگا۔ علیزے خاموشی سے اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ اس کا دل تنفر سے بھرا ہوا تھا۔

''کیا ضرورت تھی غلط بیان کی.....؟''

وہ سخت خفا نظر آئی۔ عمر دھیرے سے کھانسا۔

''یہ غلط بیانی نہیں تھی۔ میں آج آپ کو واقعی لینے آیا تھا اسی مقصد سے.....''

علیزے ٹھٹھک سی گئی۔ ایک دم اس کا بازو غصے سے دبوچ لیا۔

''یعنی آپ مجھے ماما کے پاس نہیں لے کر جا رہے.....؟

عمر نے بے اختیار سرد آہ بھری۔ وہ کتنی جلدی بدگمان ہو جایا کرتی تھی۔

''بندی خدا.....! ہم آپ کی ماما کے پاس ہی جا رہے ہیں فی الحال۔ اس کے بعد ساہیوال چلیں

گے۔''

وہ رسان سے تحمل سے جواب دے رہا تھا۔علیزے کی تشفی پھر بھی نہیں کر سکا۔

''جب تک ماما کی طبیعت نہیں سنبھلتی..... اور بھائی سے حساب کتاب نہیں ہوتا۔ میں شادیوں میں شریک نہیں ہوسکتی۔''

اس نے صاف جواب دے دیا تھا۔عمر نے اب کے جواب نہیں دیا۔علیزے منتظر رہی تھی مگر زیادہ نہیں۔اس کا سارا ذہن ماما اور زارا کی طرف الجھا ہوا تھا۔

☆☆☆

''السلام علیکم!''

وہ کمرے میں اندھیرا کئے تکیے میں منہ گھسیڑے ساکن پڑی تھی۔شانزے کی آواز سن کر بری طرح خائف ہوگئی۔منیب چودھری کے سامنے پوری طرح ہتھیار ڈال کر اس کی مان کر وہ ایک دم جیسے نڈھال اور شکستہ ہوگئی تھی۔نکاح کے بعد وہ ایک دم کیسے پینترا بدل گیا تھا۔

طیش

غیض وغضب

غصے واشتعال اور برہمی کی جگہ

سرشاری

ترنگ

اور فاتحانہ خمار نے لے لی تھی۔وہ ایک دم سے چہکنے لگا تھا۔

''تھنک گاڈ تم نے اللہ کا واسطہ دے کر مجھے شادی کرنے کا کہا۔واپس چھوڑ آنے کو نہیں.....''

وہ کیسے قہقہے لگا رہا تھا۔صلہ پہلے تو ہونق ہوئی تھی پھر جیسے اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔یعنی اس نے یہ سارا ڈرامہ ہی اس سے شادی کیلئے رچایا تھا۔اسے ہراساں ہی اس انداز میں کیا تھا کہ وہ ازخود شادی کیلئے مان جائے۔بلکہ منت پر اتر آئے۔وہ اس شاک سے نکلی تو ڈری سہمی صلہ سے پھر پہلے والی بپھری ہوئی شیرنی بن گئی۔

''تم ہوتے کون ہو میرے ساتھ یہ گھٹیا سازش کرنے والے.....؟ اور شانزے..... شانزے بھی ملی ہوئی ہے تمہارے ساتھ.....؟''

اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتی وہ ایک بار پھر ہر خوف سے آزاد لگ رہی تھی۔بپھری ہوئی بھی' مشکوک بھی' منیب کے چہرے سے مسکراہٹ اور شرارت ایک دم سے غائب ہوئی اور اس کی جگہ نخوت وتلخی نے لے لی۔

''اپنے آپ کو قابو میں رکھنا سیکھ لو صلہ بیگم! تمہاری انہی حرکتوں کی وجہ سے تمہیں آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔شکر ادا کرو کہ میں گھٹیا ذہنیت اور کمزور نفس کا انسان نہیں ہوں۔اگر واقعی ایسا ہوتا تو اس وقت

تمہاری حیثیت میری منکوحہ کی بجائے داشتہ کی ہوتی۔ آئندہ مجھ سے کوئی بھی پنگا لینے سے قبل ہزار بار اس کے نتیجے کو سوچ لینا۔ ورنہ ہر نقصان کی ذمہ داری تمہاری ہوگی۔''

اسے تنفر زدہ انداز میں جھٹک کر وہ شعلہ ساماں انداز میں انگارے برسا چکا تھا۔ صلہ کا رنگ فق ہوا تھا۔ چہرہ بھاپ چھوڑنے لگا۔ الفاظ کے سنگ ریزوں نے اس کا وجود لہولہان کر یا تھا۔ وہ ایک دم گم صم سی ہو گئی۔

''جہاں تک شانزے کی بات ہے۔ تو میری بجائے تمہارا ساتھ نبھانے پر اس کے بھی حساب کتاب چکتا کروں گا۔ ابھی تو تمہاری گمشدگی پر خطرہ ہے ہارٹ فیل نہ کرا بیٹھے۔ آؤ چلتے ہیں۔''

اسے سکتہ زدہ کھڑا دیکھ کر وہ اسی مشتعل انداز میں کہتا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹ لے گیا تھا اور وہ سارے رستے خالی ذہن کے ساتھ پر ملال سوچتی رہی۔ منیب کا پلان پہلے سے تیار تھا۔

جبھی تو نکاح خواں اور گواہ تک وہاں موجود تھا۔ وہ واقعی اسے ڈرا سہا کر اپنا اصل مقصد حاصل کر چکا تھا۔ یعنی اس پر قانونی و شرعی حق حاصل کر چکا تھا اور بقول اس کے شانزے شامل نہیں تھی۔ سوچیں تکلیف دہ تھیں اس کے اعصاب شل..... سارے راستے وہ پتھر کی طرح سیٹ پر ایستادہ رہی۔ حویلی ان کی واپسی شام ڈھلے ہوئی تھی۔ جہاں اس کی غیر موجودگی نے ایک سنسنی خیز اضطراب پھیلا رکھا تھا۔ شانزے کا تو باقاعدہ رو رو کر برا حال تھا۔ اسے دیکھ کر وہ بے اختیار اس سے لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگی۔

''اکیلی کہاں چلی گئی تھیں.....؟ کچھ دیر اور نہ آتیں تو مجھے پتا نہیں کیا ہو جاتا۔''

وہ ہنوز سراسیمہ تھی۔ لرزاں خیز تھی۔ صلہ کچھ بولنے کے قابل ہی کہاں تھی۔

''اب اچھی طرح سنبھال لو اپنی سہیلی.....! دیکھ لو صحیح سالم ہیں ناں ہر طرف سے.....''

منیب سنجیدگی و متانت سے بات کر رہا تھا۔ مگر شرارت و شوخی آنکھوں سے پھوٹتی تھی۔

''کہاں چلی گئی تھیں میری بچی.....! میرا تو دل بند ہوا جاتا تھا۔ ہم تیرے ماں باپ کو کیا منہ دکھائیں گے.....اتنے اعتماد کا یہ نتیجہ.....''

شانزے سے الگ کر کے شانزے کی اماں نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ وہ خود بھی کچھ کم ہراساں نہیں تھیں۔ اسے روبرو پا کے بھی یہ گھبراہٹ ہنوز انہیں جکڑے تھی۔ ساری خواتین کا مجمع سا اس کے گرد لگ گیا۔ ملازماؤں سمیت..... ایسے میں منیب من گھڑے کہانی سنا کر اس کی پوزیشن کلیئر کر رہا تھا۔

''گاؤں کی سیر کے شوق میں محترمہ اکیلی نکل کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ تو شکر کرو بھٹک گئیں تو میرے ہی ہاتھ لگیں..... ورنہ پتا نہیں کیا ہوتا.....''

وہ اپنا کارنامہ سنائے بغیر نکل گیا تھا۔ صلہ کے اندر سناٹے گونجتے رہے۔ احساس صرف زیاں و ملال کا ہی تو نہیں تھا۔ شرمندگی و سبکی بھی تھی۔ کتنی آسانی سے وہ اس کے پھیلائے جال میں پھنس گئی تھی۔ کتنی آسانی سے اس نے اسے کامیابی سے ہمکنار کر دیا تھا۔ اس کا مقصد صلہ پہ قانونی و شرعی اجارہ داری حاصل کرنا تھا۔ صلہ نے خود سے کہہ کر یہ اجارہ داری اسے سونپ دی۔ عزت کے بچاؤ کا صرف یہی ایک طریقہ تو نہیں تھا۔ وہ جان

دے کر بھی عزت محفوظ رکھ سکتی تھی۔ اب..... اب معاملہ کسی حد تک الجھاؤ کا شکار تھا۔ گھمبیرتا سمیٹ لایا تھا۔ منیب کی آئندہ حکمت عملی کے متعلق وہ آگاہ نہیں تھی۔ آیا اس نے یہ نکاح اسے نیچا دکھانے کو کیا یا کوئی اور مقصد بھی تھا۔ وہ کیسے اب اس جال سے نکلے گی.....؟

اپنی فیملی کو کیا بتائے گی؟

سب سے بڑھ کر شہریار کو

پھر شانزے اور شانزے کی ساری فیملی۔

یہ بندھن کسی کیلئے بھی قابل قبول نہیں تھا ماسوائے منیب چودھری کے یہاں تک کہ خود اس کے بھی۔ وقتی گھبراہٹ و پریشانی میں کوئی راستہ نہ پا کر جان چھڑانے کو جذبائیت میں یہ قدم اٹھا تو لیا تھا۔ مگر وہ کسی طور بھی منیب جیسے آدمی کو اس رشتے میں قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ ایک پریشانی میں اگر یہ قدم اٹھا لیا تھا۔ تو اس سے بہر طور نکلنا چاہتی تھی۔ کیسے.....؟ یہی سمجھ سے بالاتر تھا۔

شانزے اماں کے کہنے پر اسے کمرے میں لے آئی تو اس نے بستر پر گرتے ہی تکیے میں منہ دے لیا۔

''لائٹ بند کر دو شانزے!''

وہ بولی تو اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ شانزے جو اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی ہچکچا سی گئی۔

''پہلے لائٹ بند کی پھر اس کے نزدیک آئی۔''

''تم اکیلی کیوں چلی گئی تھیں باہر.....؟ میر انتظار بھی نہیں کیا۔ کتنی پریشان ہوئی میں..... کتنی خوار.....''

شانزے ہنوز مضطرب تھی۔ اس کے ہر انداز سے سوال پھوٹ رہے تھے۔ صلہ کے اندر موجود بے چینی بڑھ گئی۔ اسے ملازمہ کا خیال آیا۔ وہ منیب کے ساتھ ملی ہوئی تھی یا شانزے کا بھی اس سازش میں کہیں نہ کہیں کوئی حصہ نکلتا تھا۔ اسے یاد آیا۔ وہ اسے منیب کے حوالے سے کیا کچھ نہ کہہ چکی تھی۔ اس کے اندر کانٹے سے اگ آئے۔

''بات کروں گی تم سے بھی..... مگر فی الحال مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

وہ دہکتے انگارے کی مانند چیخی۔ شانزے کو شاید اس سے ایسی بے اعتنائی کی توقع نہیں تھی۔ رکھائی کے مظاہرے پر پھیکا پڑتا چہرہ لئے آہستگی سے پلٹ گئی۔ مگر وقفے وقفے سے جس طرح وہ کمرے میں آ کر اسے دیکھتی تھی۔ صاف لگتا تھا وہ سخت بے چین اور مضطرب ہے۔ صلہ نے کروٹ بدلی تو شانزے پھر قریب آ گئی۔

''طبیعت کچھ سنبھلی.....؟''

وہ شکل سے ہی پریشان لگتی تھی۔ صلہ کچھ کہے بغیر اسے تپتی نظروں سے دیکھتی بلکہ گھورتی رہی۔

''ملازمہ کو تم نے بھیجا تھا..... مجھے بلانے کو.....؟''

وہ پھنکاری تھی۔ شانزے متحیر رہ گئی۔

''نہیں تو..... کب.....؟''

''جب ہم دونوں باہر جانے والے تھے صبح.....''

اس نے ایک ایک لفظ چبایا۔ شانزے بے اختیار سر نفی میں ہلانے لگی۔ پھر جیسے چونکی۔

''کیا تمہیں کسی ملازمہ نے بلایا تھا.....؟ کیا کہا تھا.....؟ تم اس ملازمہ کو پہچان لو گی.....؟''

اتنے سوال..... ہر سوال میں بے خبری عیاں تھی۔ سچائی رقم تھی۔ صلہ کو وہ بے گناہ لگی۔ اس کا دامن شفاف نظر آیا تو نفرت کا سارا رخ منیب چودھری کی جانب ہو گیا۔

''ہاں..... ملازمہ بلانے آئی تھی۔ میں سمجھی تم نے بھیجی ہے.....''

وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑے بولی۔ شانزے ششدر رہ گئی۔

''میں ایسا کیوں کرتی۔ میں تو خود آئی تھی تمہیں لینے..... تم ملازمہ کے ساتھ کہاں گئیں.....؟ کون سی ملازمہ تھی؟''

وہ جواب دیتی پھر سوال کر رہی تھی۔ صلہ کا سر پھر سے چکرانے لگا۔ اس نے ذہن پر زور دیا۔ مگر اسے ملازمہ کی صورت یاد نہیں آ سکی۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس سے قبل اس نے ملازمہ کو حویلی میں نہیں دیکھا تھا۔ یعنی منیب کا ہی یہ بھی کارنامہ تھا۔ ملازمہ فارم ہاؤس سے ہی لائی گئی تھی۔

''مجھے پانی پلاؤ پلیز.....''

اس کا حلق خشک ہو کر تڑخنے لگا۔ شانزے الجھن آمیز نگاہوں سے اسے تکتی اٹھی۔ روم فریج کھول کر جوس کا پیکٹ نکالا اور گلاس میں نکال کر خود اس کے منہ سے لگایا۔ صلہ نے چند گھونٹ لے کر گلاس پیچھے کر دیا۔

''اور لو.....''

صلہ نے سر کو نفی میں ہلا دیا اور تھکے ہوئے انداز میں لیٹ گئی۔

''تم کہاں گئی تھیں.....؟ وہ ملازمہ لے کر گئی تھی تمہیں.....؟''

شانزے کے سوال ختم نہیں ہوئے تھے۔ صلہ کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی۔ وہ شانزے سے نظریں نہیں ملا سکی۔ وہ کیا بتاتی اسے..... مذاق میں کہی اس کی بات سچ ہو گئی تھی۔ منیب کی مکاری سے ہی سہی چاہے صلہ کی اپنی حماقت و بے وقوفی سے..... مگر یہ جو کچھ بھی ہوا تھا قابل قبول نہیں تھا۔ ''میں تمہیں بتا دوں گی شانزے۔ بس اتنا جان لو کہ واقعی بھٹک گئی ہوں۔''

وہ رو پڑی تھی۔ شانزے کی جان پر بن آئی۔ جبھی اسے خود سے لپٹا لیا۔ وہ شکل سے ہی پریشان لگ رہی تھی۔

''اچھا خود کو سنبھالو..... میں تمہارے کھانے کو کچھ لاتی ہوں.....''

شانزے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ صلہ کا دھیان پھر بھٹک چکا تھا۔

''مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔ تم بیمار نہ پڑ جاؤ۔ کل کی تقریب یاد ہے.....؟''

شانزے کی آواز پر وہ چونک اٹھی۔ پھر پھیکے انداز میں اس کا دل رکھنے کو مسکرائی۔

''پریشان نہ ہو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔تمہاری منگنی میں پوری سج دھج سے تیار ہوں گی۔''

اس نے دل پر دھرے بوجھ کو سرکانا چاہا۔ یہ طے تھا کہ منیب صرف شانزے کا مقدر تھا۔ وہ اس سے نہیں ہارے گی۔

''اوں ہوں.....اتنی سج دھج آپ نے صرف اپنی رخصتی پہ کرنی ہے اور اس پر صرف ہمارا حق ہوگا۔''

دروازہ کھول کر منیب چودھری اندر آ چکا تھا اور نہایت بے تکلفی سے اس کے بستر کے نزدیک کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں ایسے بولا کہ صرف صلہ سن سکی۔ اس کے باوجود صلہ سہم کر شانزے کو تکنے لگی۔ کہیں اس کی سماعتوں تک تو یہ فضول گوئی رسائی نہیں پا گئی۔

''بھئی شانزے سہیلی صاحبہ کو کچھ کھلاؤ پلاؤ.....تب ہی بستر سے اٹھیں گی۔''

وہ صلہ کے تاثرات سے حظ اٹھاتا ہوا شانزے کو وہاں سے ٹرخانے پہ تلا تھا۔ شانزے نے فی الفور سر ہلایا۔

''میں سوپ بنا چکی ہوں۔ابھی لاتی ہوں۔''

اس سے پہلے کہ صلہ کچھ بولتی شانزے لپک کر باہر نکل گئی۔ منیب چودھری نے محظوظ کن نظروں سے صلہ کی گھبراہٹ ملاحظہ کی۔ جو سراسیمہ سی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیوں آئے ہو.....''

اس کی آنکھوں سے خوف ٹپکتا تھا۔ منیب اسے گہری نظروں سے دیکھتا خبیث انداز میں مسکراہٹ دبا گیا۔

''میری بیوی کا کمرا ہے۔ پابندی تھوڑی ہے۔اب آنے پر.....''

اس کا انداز واقعی طیش دلانے والا تھا یا صلہ کو محسوس ہوا۔خوف کی جگہ نفرت و تلخی لینے لگی۔

''میری مجبوری سے خوش فہم نہ ہو۔ مجھے یہ بندھن قابل قبول نہیں ہے۔ سن لو مجھے ہر صورت تم سے چھٹکارا پانا ہے۔''

اپنا نظریہ اس پر واضح کرتی وہ ایک ایک لفظ چبا رہی تھی۔ منیب قدرے چونک سا گیا۔ کچھ دیر اسے تولتی نظروں سے مسلسل دیکھتا رہا۔ صلہ کا اعتماد مگر متزلزل نہیں ہو سکا۔ تو گہرا سانس بھر کے کاندھے اچکا دیئے تھے۔

''چلو ٹھیک ہے۔تم کر لو جو کرنا چاہتی ہو۔ دیکھتے ہیں کون جیتتا ہے۔ میں تو رخصتی کروانے کا سوچ رہا تھا۔تم نے بڑی زیادتی کی صرف نکاح پڑھا کر.....''

اس کی آنکھیں کتنے گستاخ رنگ سمیٹ لائیں۔صلہ کو اس سے بے تحاشہ گھن محسوس ہونے لگی۔

''اپنی شکل دیکھی ہے تم نے کبھی غور سے جو اتنی آگے کی پلاننگ کیے بیٹھے ہو.....؟اس نازک سچوئشن میں مجھے اگر مجبوراً یہ طوق گلے پہننا پڑا ہے تو اسے عمر بھر کا روگ بنانے کا ارادہ نہیں ہے میرا۔''

اس کے لہجے کا غرور و تکبر اور نخوت ایک بار پھر وہی تھی۔ بلکہ اس سے بھی سوا تر.....

منیب کا چہرہ توہین کے احساس سے لہو رنگ ہو کر رہ گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تھا۔ پھر اس پر جھک کر اس کے بال بے دردی سے مٹھی میں جکڑ کر چہرہ زبردستی اٹھاتا ہوا سفاکیت سے گویا ہوا تھا۔

''اس کا مطلب ہے تمہارا تکبر ختم نہیں ہوا..... غرور ہنوز قائم ہے۔ میں سرزنش کر چکا تھا کہ مجھے طیش نہ دلانا..... مگر تمہیں خود اپنی عزت کی پرواہ نہیں ہے غالباً..... مت مجھے اکساؤ کہ میں وہ کر گزروں تمہارے ساتھ جو نہیں کرنا چاہتا۔ رحم کھاؤ خود پر..... مت بھولو کہ تم کل میرے رحم و کرم پر تھیں۔ بھیک مانگ رہی تھیں۔ یہ وقت دوبارہ بھی آ سکتا ہے۔''

دروازے پر کھٹکا ہوا۔ تب منیب نے مٹھی میں جکڑے اس کے بال آزاد کئے اور اسے گھورتا پلٹ کر چلا گیا۔ صلہ کے چہرے پر سبکی کے احساس نے گویا آگ سی بھڑکا دی تھی۔ آنکھوں میں موجود آنسو بھی جل رہے تھے۔ شانزے اندر آئی تو وہ ہونٹ کاٹ کاٹ کر زخمی کر چکی تھی۔

''منیب کو کیا ہوا.....؟ اتنے غصے میں کیوں گئے ہیں.....؟ تمہیں کیا کہہ رہے تھے؟''

شانزے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ وہ منیب پر ایک نگاہ ڈال کر ہی اندر تک لرز گئی تھی۔ صلہ کچھ نہیں بولی۔ اس کا ذہن ہنوز سنسنا رہا تھا۔

☆☆☆

ماما کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔ مگر وہ نڈھال بہت تھیں۔ علیزے اسد سے بات کرنا چاہتی تھی۔ حساب مانگنا چاہتی تھی۔ مگر ماما نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اسے روک دیا تھا۔ ان کی حالت جس طرح بگڑنے لگی علیزے ڈر سی گئی۔ انہیں کچھ ہو نہ جائے۔ ہمسائے کے گھر سے عمر کے توسط سے وہ لوگ ایک کرائے کے گھر میں منتقل ہو گئی تھیں۔ علیزے مسلسل ساتھ تھی اور بے حد دکھی بھی۔ کیا نصیب تھے ان سب کے کیا سے کیا ہو گئی تھیں تینوں۔ صحیح معنوں میں رل گئی تھیں۔ اتنی کمزور نہ پڑتیں اگر ماما انہیں یوں پابند نہ کر دیتیں۔ علیزے کو غصہ بھی آتا۔ انہیں شاید ابھی بھی اسد سے ہی زیادہ محبت تھی۔ جو ہر زیادتی چپ چاپ سہہ رہی تھیں۔

''بجو اس مکان کا کرایہ بہت زیادہ ہے۔ میں افورڈ نہیں کر سکتی۔''

زارا نے دبے ہوئے انداز میں علیزے سے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ علیزے کو چپ لگ گئی تھی۔ وہ کیا کہتی۔''

کہنے کو جیسے کچھ باقی بچا ہی نہیں تھا۔ زارا کا ایک معروف ڈائجسٹ میں سلسلے وار ناول شروع ہو گیا تھا۔ محض دس ہزار قسط کے ملتے تھے۔ یہ تو مکان کا کرایہ ہی تھا۔ باقی خرچے کہاں سے نکلتے..... جبکہ دیگر رسالوں میں اکا دکا ہی کہانیاں چھپتی تھیں باقاعدہ آمدنی کا ذریعہ تو قسط وار ناول ہی تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر ایک اور ناول کتابی صورت میں لکھ کر چھپوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ آج کل اسی پر دن رات ایک کر رہی تھی۔ نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا..... پڑھائی بھی چھوٹی ہوئی ہی تھی۔

''آپ لوگ میرے ساتھ ساہیوال چلیں آنٹی! علیزے کو بھی لے جا رہا ہوں۔ ہم سب اکٹھے رہیں گے۔ پلیز انکار نہیں کیجئے گا۔ بیٹا ہوں میں آپ کا۔''

عمر نے کرائے کا مکان ڈھونڈنے سے قبل باقاعدہ زور دیا تھا۔ تمام تر خلوص و محبت بے شک تھی۔ نیت پہ بھی شبہ نہیں تھا۔ مگر ماما کو ہرگز یہ گوارا نہیں تھا۔ پھر اس کے حالات سے بھی آگاہ تھیں۔ وہ کیونکر بھلا ماں بہن کا مقابلہ کر پاتا۔

انہیں تو کچھ نہ لے کر بھی علیزے کی جانب سے دھڑکا لگا رہتا۔ کہیں علیزے کا گھران شاطر عورتوں کی کسی سازش کی وجہ سے برباد نہ ہو جائے۔ وہ کہاں دو دو جوان لڑکیوں کو سنبھالے پھرتیں۔

''نہیں بیٹے! ہمارا اللہ مالک ہے۔ فکر نہ کرو۔ ہاں البتہ زارا کیلئے کوئی لڑکا تلاش کرو..... اس کی شادی ہو جائے تو سکون سے مر سکوں گی۔''

انہوں نے دل گرفتگی سے کہا تھا۔ مگر زارا بھڑک اٹھی۔

''میں شادی وادی نہیں کروں گی عمر بھائی! ماما کو بھی بتا چکی۔ بھا کی طرح میں انہیں تنہا نہیں چھوڑوں گی۔''

زارا غصے میں بنا سوچے سمجھے سچوئشن کا خیال کئے بنا بول پڑی تھی۔ ماما کے چہرے پر تکلیف دہ رنگ اترا۔

انہوں نے بے چارگی سمیت علیزے کو دیکھا تھا۔

''اسے سمجھاؤ بیٹا! میری فکر نہ کرے۔ چار دن کی زندگی گزر ہی جائے گی۔ اپنی صحت برباد کر رہی ہے دن رات آنکھیں پھوڑ کر.....''

ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ علیزے اٹھ کر ان کے قریب آ گئی۔ پیار سے ہاتھ سہلایا پھر جھک کر بوسہ ثبت کیا۔

''میں سمجھاؤں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ سب بہتر کرے گا۔''

زارا تنا ہوا چہرہ لئے وہاں سے چلی گئی۔

''زارا میری بہن ہے۔ میری ذمہ داری..... آپ زیادہ ٹینشن نہ لیا کریں۔''

عمر نے بھی تسلی سے نوازا۔ ماما مسکرا دیں۔ بہت زخمی تھی یہ مسکان۔

''کیوں ماما کو تکلیف دیتی ہو.....؟''

علیزے اٹھ کر زارا کے پیچھے آ گئی۔ وہ لکھنا شروع کر چکی تھی۔ قلم روک کر اسے دیکھا۔

''اور جو ماما مجھے تکلیف دیتی ہیں.....؟ بھا نے جو کچھ کیا اس میں صرف سیما ہی قصوروار نہیں۔ ماما نے اپنی محبت میں پلٹ کر ان سے کچھ نہیں پوچھا۔ ہر زیادتی خاموشی سے سہی۔ نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ ہم ایک ایک پیسے.....''

''ریلیکس زارا.....''

علیزے نے اٹھ کر اسے ساتھ لگایا۔ وہ خود کو سنبھال نہیں سکی۔ ہچکیاں بھر کے روئے گی۔

''مائیں بیٹوں کے معاملے میں اتنی فراخ دل کیوں ہوتی ہیں۔ باجو! اس بیٹے کی خاطر انہوں نے

تمہیں داؤ پر لگا دیا۔ اسی بیٹے کی خاطر انہوں نے دربدری قبول کر لی۔ مگر غصے میں کبھی میں ان لوگوں کو کچھ کہہ دوں تو تڑپ اٹھیں گی۔ مجھ پر خفا ہوں گی۔ ہم جو ہر لمحہ تکلیف سے دو چار ہیں۔ جن لوگوں کی وجہ سے ہیں۔ انہیں برا بھلا بھی نہ کہہ سکیں تو کیسا غبار اندر پھیلتا ہے اندازہ ہے.....؟

ماما میں بہت صبر ہو گا۔ بہت تحمل ہو گا۔ مگر یہ سارا بھا کیلئے ہی کیوں.....؟ ہم ان کی اولاد نہیں ہیں.....؟ جتنا صبر جتنا برداشت میں نے چند مہینوں میں کیا۔ پوری زندگی میں نہیں کیا ہوگا۔ مگر حاصل وصول کیا.....؟ ہمیں یوں بے دخل کر دیا گیا۔ ہمارے حقوق غصب کر لئے گئے۔

''کس سے کہیں.....؟''

وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ علیزے کی اپنی آنکھیں بھر آئیں۔

''اللہ سے..... اس سے بڑھ کر کوئی غمگسار نہیں۔ زارا وہ اپنے انہی بندوں کو آزماتا ہے۔ جنہیں پسند کرتا ہے۔ مت گھبراؤ۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا ایک دن۔''

وہ اسے تسلی دیتی رہی تھی۔ ڈھارس بندھاتی رہی تھی۔ پھر اس سے قلم رکھوا دیا۔

''اپنی صحت کا خیال بھی رکھا کرو۔ بہت ویک ہو گئی ہو۔ اٹھو۔ اب لیٹ جاؤ۔''

وہ اسے بستر پر لٹا کر ہی آئی تھی۔ ذہن بہت افسردہ تھا۔ کمرے میں آئی تو عمر صوفے پر نیم دراز سگریٹ پھونک رہا تھا۔ علیزے کو اس کی موجودگی کی توقع نہیں تھی۔ حیران ہونے لگی۔

''آپ گئے نہیں.....؟''

عمر اس کی آواز پر چونکا۔ پھر سگریٹ کھڑکی سے باہر ٹیرس پر اچھال دیا تھا۔

''آپ لوگوں کو تنہا چھوڑ کر کیسے.....''

''عمر صاحب یہ ان لوگوں کے نصیب کے کانٹے ہیں۔ جو جس نے بھی ان کی راہوں میں بچھائے انہیں خود ہی اٹھانے دیں۔ ہماری خاطر آپ اپنا راستہ کیوں کھوٹا کرتے ہیں.....؟ جائیے والدہ خفا ہوں گی۔''

اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی خود بخود رکھائی سے بھرپور ہو گیا۔ عمر نے اسے دیکھا تو نگاہوں میں شکایت تھی۔ گویا بنا جرم کے سزا ملنے پہ حیران بھی ہونا شاد بھی۔

ان سے جو بھی سہنا پڑا میں خود دیکھ لوں گا۔ ہاں البتہ اگر آپ کو میری یہاں موجودگی سے اعتراض ہے تو کھل کر کہیں..... چلا جاؤں گا پھر.....''

وہ خفا خفا سا بولا تھا۔ علیزے نے گہرا سانس بھرا اور سر جھٹک ڈالا۔

''مجھے بس اتنا اعتراض ہے کہ آپ کی خطاؤں پر بھی الزام مجھ پہ صادر کئے جاتے ہیں اور ہر برداشت کی حد بھی ہوتی ہے کوئی.....''

اس کا انداز اب کے بے حد تیکھا تھا۔ عمر اسے سنجیدگی سے دیکھتا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''ٹھیک ہے۔ دروازہ بند کر لیں۔ چلتا ہوں۔''

بے حد خفگی سے کہتا اگلے لمحے وہ یہ جا وہ جا..... علیزے اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی۔ اس میں تو کوئی

شک نہیں تھا۔محترم کا مزاج خاصا نازک تھا۔

''گھر پہنچ کر مجھے فون کر دیجئے گا۔''

وہ بائیک گھسیٹ کر باہر نکال چکا تو علیزے نے دروازے پر رک کر اسے دیکھا۔عمر بائیک کو کک لگاتے لگاتے رک گیا۔

''خیریت کی اتنی فکر ہوتی تو آپ مجھے اس وقت گھر سے نہ نکالتیں۔''

وہ نروٹھے پن سے کہتا بائیک بھگا لے گیا۔علیزے ساکن کھڑی رہ گئی۔صاف لگتا تھا وہ برا مان چکا ہے۔وہ مضمحل سی ہوگئی۔اللہ جانے وہ کس حد تک اس کے ساتھ زیادتی کی مرتکب ہوئی تھی۔وہ خود فیصلہ نہیں کر پائی۔یہ تو طے تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ جو بھی برا ہوا اس میں اس شخص کا حصہ بس اتنا تھا کہ اس کا اہم رشتہ ان لوگوں سے جڑا ہوا تھا اور بس.....''

''عمر چلا گیا.....؟''

وہ دروازے بند کر کے اندر آئی تو ماما نے حیرانی سے استفسار کیا تھا۔

''جی.....!!!''

وہ مختصراً بولی۔ماما کی حیرانی دو چند ہوگئی تھی۔

''مجھے تو اس کا ارادہ رکنے کا لگ رہا تھا۔اگر جانا تھا تو ٹائم سے چلا جاتا۔شہر کے حالات کا تو پتا ہے اسے.....تم ہی روک لیتیں.....''

انہوں نے اس کو گھر کا۔وہ نظریں چرا گئی۔اب کیا بتاتی انہیں۔

''اماں نے طوفان اٹھا دینا تھا اگر وہ رکتے تو.....''

وہ یہی کہہ سکی۔ماما نے پھر اختلاف کیا۔

''مگر بیٹے میں یہی تو کہہ رہی ہوں۔تم اسے ٹائم سے بھیجتی۔''

انہیں اس کی کوتاہی پر تاؤ آ رہا تھا۔

''فون کر دیں گے جا کے.....آپ پریشان نہ ہوں۔''

وہ خود پریشان ہوگئی تھی۔انہیں تسلی دے کر دوسرے کمرے میں آ گئی۔سونے کو لیٹی تو نیند کو تفکر اور بے چینی نے نگل لیا تھا۔لاشعوری طور پر اسے عمر کے فون کا بھی انتظار تھا۔جتنا بھی خفا سہی مگر وہ اس کی بات نہیں موڑ سکتا نہ جانے کیوں یہ یقین تھا۔مگر انتظار طویل ہوتا گیا بے چینی بڑھتی گئی۔تب اس نے خود اس کا نمبر ڈائل کر لیا تھا۔بیلز ہوتیں رہی۔کال ریسو نہ ہوئی۔اس نے تشویش میں گھرتے دوبارہ کوشش کی۔ایک سے دوسری بیل پر اس کی خفا خفا آواز سنائی دی تھی۔

''جی فرمائیے.....؟''

علیزے کے سینے میں کب سے اٹکا سانس بحال ہوا۔

''گھر پہنچ گئے آپ.....؟''

''نہیں۔سڑک کے درمیان لیٹا ہوا ہوں۔خودکشی کے خیال سے.....''

''وہ جل کر بولا تھا۔علیزے ایک دم خاموش ہوگئی۔اس کے موڈ کی تباہی کا اندازہ بخوبی ہوا۔

''ظاہر ہے بھئی.....پہنچ گیا اور فون اس لئے نہیں کیا کہ میں خود کو اتنا اہم نہیں سمجھتا تھا کہ آپ کو میری خیریت کی اطلاع کے بغیر نیند نہیں آئے گی۔''

علیزے نے اس کی پوری بات بھی نہیں سنی اور سلسلہ منقطع کر دیا۔پتا نہیں کیوں مگر آنسو ایک دم بہہ نکلے تھے۔اس بندے کی اتنی سی بے رخی بھی اس سے برداشت نہیں ہوسکی تھی۔عمر بھی یقیناً اس کا ہرٹ ہونا محسوس کر چکا تھا۔جبھی خود کال کر رہا تھا اب.....علیزے نے بات نہیں کی۔بلکہ سیل آف کر کے تکیے کے نیچے سرکا دیا تھا۔اس کے بعد بھی وہ بہت دیر تک جاگی۔بہت سارا روئی تھی۔

☆☆☆

تقریب کا انتظام بہت اعلیٰ پیمانے پہ تھا۔مہمان اتنے تھے کہ اتنی بڑی حویلی میں بھی تل دھرنے کی جگہ نہیں بچی تھی۔صلہ شانزے کی اتنی منت سماجت کے نتیجے میں ہی اتنا تیار ہوئی تھی۔سلور لہنگا ساتھ میں سلور جیولری.....وہ صحیح معنوں میں کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔کھلے تراشیدہ بال کاندھوں سے پھیل کر کمر سے نیچے تک گر رہے تھے۔دھکتی پیشانی پر بندیا لشکارے مار رہی تھی۔اس سارے اہتمام میں کہیں لاشعوری احساس منیب چودھری پر یہ جتلانا بھی مقصود تھا کہ اس آب تاب چاندنی جیسے روپ کی مالک لڑکی کا انتخاب اس جیسا بندہ نہیں ہوسکتا تھا۔وہ اسے اپنا شریک حیات تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔اور یہ بات وہ اسے کچن میں بھی جتلا چکی تھی۔یہ محض اتفاق تھا کہ ان دونوں کا سامنا اس وقت وہاں ہوگیا تھا جب منیب چودھری چائے کی طلب میں وہاں آیا تھا اور صلہ شانزے کی ہدایت پر فریج سے گجروں کا پیکٹ اٹھانے کو وہاں آئی تھی۔جو بھابی نے نوکر سے منگوا کر وہیں رکھ دیئے تھے۔آہٹ پر وہ اپنے دھیان میں سرسری سا مڑی تو مقابل منیب چودھری تھا۔مبہوت اور گنگ سا اسے دیکھتا ہوا۔صلہ کے چہرے پر پرزعم فاتحانہ قسم کی مسکان بکھر گئی۔یوں جیسے مقصد پورا ہوگیا ہو۔ویسے وہ بھی عجیب تھی۔عقل کی خاصی سے زیادہ کوری۔ہر کام کرنے کا اپنا انداز تھا اور خاصا بے ڈھنگا۔وہ نقصان اٹھا کر بھی نصیحت اور عقل نہیں حاصل کر رہی تھی تو تف تھا۔

''تم حسین ہو میں جانتا تھا۔مگر اتنی حسین ہو گی یہ تو بالکل اندازہ نہیں تھا۔''

اس کی نظروں میں ستائش ہی ستائش تھی۔البتہ اپنی اس درجہ بے خودی پہ ضرور لہجے میں کچھ کھسیاہٹ تھی۔صلہ آہستگی سے کھنکاری۔

''اچھا ہوا تمہیں اندازہ ہوگیا۔ممکن ہے اب فیصلہ آسانی سے کر لو گے۔''

اس کا لہجہ خود بخود طنز سمیٹ لایا۔منیب چونکے بنا نہیں رہا۔

''کون سا فیصلہ.....؟''

وہ حیران حیران سا بولا جبکہ صلہ کی نظروں کی تلخی اور تپش ایک ساتھ بڑھی۔

طلاق مانگی تھی تم سے میں نے.....یاد ہے.....؟''

''میں ایسی فضول باتوں پر کان نہیں دھرا کرتا۔''

''حیدر کا موڈ غارت ہوا تھا۔ جبھی زہر خند سے کہہ گیا۔

''کچھ میں نے بھی تمہیں کہا تھا۔ بہتر ہے وہ بھی یاد رکھو.....''

اس کا انداز ہنوز کڑوا و ترش تھا۔ صلہ نے سر جھٹک دیا۔

''میں کچھ یاد نہیں رکھنا چاہتی۔''

وہ بھڑک اٹھی۔ منیب چودھری اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھے گیا۔

''نقصان میں رہو گی۔ خطا کھاؤ گی۔''

''میری اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھے.....؟''

وہ جھڑک کر ڈانٹ کر بولی۔ جواباً منیب کی نگاہیں بہت تفصیلی اسے پرکھنے لگیں۔

''فکر تو بہت ہے تمہاری..... احمق لڑکی..... جبھی تو تمہیں اپنے اختیارات کے دائرے میں لے لیا ہے۔''

وہ مونچھیں مروڑتا ہوا گھمبیر آواز میں کہہ گیا۔ صلہ چونک گئی تھی۔ بلکہ ڈر گئی تھی۔

''ک..... کک کیا کہنا چاہتے ہو.....؟ کیا مطلب ہے اس بات کا.....؟''

جواباً منیب دو قدم اس کی جانب بڑھا۔ صلہ گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔ وہ ہنس دیا۔ گویا اس کی گھبراہٹ سے حظ لیا ہو۔ اسے بہت نرمی سے دیکھتا رہا۔ پھر بھاری آواز میں گویا ہوا تھا۔

سنو لڑکی!

بہت سی ڈگریاں لے کر

ہنر پر دسترس پا کر

نصاب چاہت دل کا

چمکتے لفظ آنکھوں سے

اگر پڑھنے سے قاصر ہو

تو ان پڑھ ہو

''مطلب نہیں بتاؤں گا' بہت چالاک بنتی ہو..... خود سمجھ جاؤ۔''

مسکراہٹ چھلکاتی نظروں سے کہتا وہ پلٹ کر جا رہا تھا کہ صلہ نے بے اختیار اس کی قمیض کا کالر پیچھے سے پکڑ لیا۔

''بات سنو میری.....''

وہ بری طرح برسی۔ انداز برہمی لئے تھا۔ منیب نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ انداز ایسا تھا۔ اس بدتمیزی کے مظاہرے پر بامشکل ناگواری دبائی ہے۔

''آئندہ ایسے نہیں روکنا.....''

انگلی کھڑی کئے وہ درشت انداز میں ٹوک رہا تھا۔ صلہ نے مگر پروا نہیں کی۔

''میں چاہتی تھی تم اپنا اور میرا موازنہ نہ کرو۔ پھر فیصلہ کرلو کہ تم اس قابل ہو کہ مجھے ڈیزرو کرو.....؟ کیا اینالائز کرتے ہو کہ میرے جیسی لڑکی تمہاری بنا دی جائے.....'' یقیناً نہیں.....''

وہ نپے تلے انداز میں کہہ رہی تھی۔ منیب چودھری کو خود پر ضبط کرنا محال ہوا۔ اسے یہ بھی یقین ہوا اس لڑکی کے یا تو حواس سلامت نہیں یا دماغ کا کوئی اسکرو وہ ڈھیلا ہے یا پھر واقعی ضرورت سے کہیں زیادہ بولتی تھی۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکا۔ البتہ اسے آزمانے کا پختہ ارادہ ضرور باندھ لیا۔ واپس مڑا۔ درمیانی فاصلہ گھٹا کر اسے شانوں سے تھام کر سختی سے اپنے مقابل کرلیا۔

''میں ایسی بے کار باتیں نہیں سوچتا۔ جن میں وقت کا ضیاع ہو..... جہاں تک بات ہے فیصلہ کرنے کی..... تو چلو میں تمہارا مطالبہ پورا کردوں گا۔ رات دس بجے چھت پر آجانا۔ وہیں فیصلہ کردوں گا۔ انتظار کروں گا۔''

کچن کے باہر آہٹ ہو رہی تھی۔ کوئی ادھر آرہا تھا۔ وہ سنبھل سا گیا۔ اسے چھوڑ کر پلٹا اور بڑے بڑے قدم اٹھاتا چلا گیا۔ صلہ اتنی جلدی خود کو نہیں سنبھال سکی تھی۔ بھابی کچن کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ اس کی جانب حیرانی سے دیکھتیں ہوئی۔ صلہ کی طراری کو منیب ہی اڑا چکا تھا۔ رہی سہی کسر بھابی کی مشکوک نظروں نے پوری کردی۔

''مم..... میں یہ گجرے..... شانزے کیلئے.....''

''صرف گجرے ہی نہیں..... یہاں موجود ہر رشتہ ہر محبت صرف شانزے کے ہی نام لکھی ہے صلہ بی بی.....! سو بی کیئر فل.....''

بھابی کی نظریں ہی نہیں الفاظ اور انداز بھی صلہ کو جھلسا گئے تھے۔ وہ وہاں سے نکلی تو قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ چہرے پر تپش کا احساس گہرا تھا۔ دل جل کر خاک ہو رہا تھا۔ انہوں نے صرف وہ دیکھا تھا جو ظاہراً نظر آرہا تھا۔ انہیں وہ معلوم نہیں تھا۔ جو وہ چاہتی تھی۔ انہیں کیا معلوم تھا۔ ان کا دیو اس کی جان نہیں چھوڑ رہا تھا۔ وہ تو بس نہ چلتا تھا ایک منٹ میں خلاصی پالیتی۔

☆☆☆

عمر اسے گھر لے آیا تھا۔ بہانہ وہی ساہیوال میں دوست کی شادی میں شرکت کا۔ اماں جتنی بھی جز بز تھیں مگر اسے روک نہیں پائیں۔ علیزے جتنی گم صم تھی۔ عمر اسی قدر مطمئن اور ریلیکس تھا۔ اس کا گھر چھوٹا سا تھا مگر بہت صاف ستھرا اور خوبصورت تھا۔ سہولت کی ہر شے میسر تھی۔

''آپ رہنے دیتے..... میں بنا لیتی۔''

وہ ابھی چادر وغیرہ اتار کر بیٹھی ہی تھی کہ عمر چائے بنا کر لے آیا تھا۔ علیزے شرمندہ سی ہوگئی

''کوئی بات نہیں۔ آپ تھکی ہوئی ہیں۔ آرام کرلیں۔''

وہ اسے چائے کا مگ تھما رہا تھا۔ جسے لے کر علیزے نے پہلا گھونٹ بھرا۔

''شادی کب ہے.....؟''

اس سوال پر عمر صرف چونکا نہیں مسکراہٹ بھی دبا گیا۔

''کل.....''

وہ مزید کچھ کہتے کہتے ارادہ ملتوی کر گیا تھا۔علیزے کا دھیان اس کی طرف نہیں تھا۔گھونٹ گھونٹ چائے حلق سے اتارتی ماما وغیرہ کو سوچتی رہی۔

''پتا نہیں صلہ آئی کہ نہیں''

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اس کا فون گنگنا اٹھا۔اس نے گردن موڑ کر موبائل اٹھایا۔کال صلہ کی ماما کی تھی۔اس نے سرعت سے فون ریسو کیا۔

''اسلام علیکم آنٹی.....! خیریت سے ہیں آپ.....؟''

''وعلیکم السلام بیٹے! بس کیا بتاؤں۔صلہ نے پریشان کر رکھا ہے۔''

وہ بے حد فکر مندی سی بولی تھیں۔علیزے پوری طرح متوجہ ہوئی۔

''کیا مطلب.....واپس آ گئی ہے ناں.....؟''

''واپس ہی تو نہیں آ رہی ہے بیٹے! اللہ جانے کیا ہو گیا ہے اسے۔میں چاہ رہی تھی آپ سمجھاؤ اسے۔''

وہ سخت ناراض اور بے بس لگ رہی تھیں۔علیزے کو صلہ کی عقل پر افسوس ہونے لگا۔اتنے دن انجان لوگوں میں رہنے کی بھلا کیا تک تھی۔

''آپ فکر نہ کریں آنٹی! میں ابھی بات کرتی ہوں اس سے۔''

''صرف سمجھانا نہیں۔کسی طریقے سے بلاؤ اسے واپس۔بس میں اس کی شادی کر دوں گی اب..... مجھے بہت پریشان کرنے لگی ہے یہ.....''

وہ تھکی ہوئی لگ رہی تھیں۔علیزے نے انہیں تسلی دے کر فون بند کر دیا۔عمر اسے مصروف دیکھ کر اٹھ گیا تھا۔اس نے اسی وقت صلہ کا نمبر ملا لیا۔شکر ہے بیل جا رہی تھی۔مگر دوسری جانب سے نمبر بزی کر دیا گیا۔

''لیزے جانی ایم بزی ناؤ۔کال یو لیٹر پلیز۔''

اگلے چند لمحوں میں اس کا ٹیکسٹ موصول ہو گیا۔علیزے گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔پتا نہیں کیا مصروفیات تھیں۔وہ چڑ سی گئی۔جہاں اور اتنی فکریں تھیں ان میں ایک صلہ کی فکر کا بھی اضافہ ہوا۔

☆☆☆

پہلے رسم بسم اللہ تھی اس کے بعد علیزے کی منگنی کی رسم۔وہ روایتی لباس میں تھی اور خاصی کھلی کھلی لگ رہی تھی۔انگوٹھی منیب کی اماں نے پہنائی مگر منیب کو اس موقع پر ضرور بلایا گیا تھا۔

''یہاں آ کر بیٹھو نا اپنی دلہن کے ساتھ.....''

اسے مہمانوں کے ساتھ نشست سنبھالتے پا کر بھابی نے ٹوکا تھا۔درپردہ شاید صلہ پہ کچھ جتلانے

مقصود تھا۔ صلہ کو ان کی ذہنیت پر ہی افسوس ہوا۔

''ابھی یہ میری دلہن نہیں ہیں۔ دلہن نکاح کے بعد بنتی ہے۔''

منیب کے جواب پر محفل میں شور سا مچ گیا۔

''یہ کہیں ابھی نکاح تو نہیں چاہ رہا..... پوچھ لیں بے جی۔''

شانزے کی اک کزن نے دہائی دی۔ منیب مسکراتا رہا تھا۔ اس کی تمام تر توجہ کا مرکز صلہ کی ذات تھی۔ جو بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ سب میں الگ سب سے نمایاں۔ اس نے اپنا سیل فون نکالا اور اسے بھیجنے کو شعر ٹائپ کرنے لگا۔

کہنے کو رہتے ہو دل میں
پھر بھی کتنی دور کھڑے ہو
کون سی بات ہے تم میں ایسی
اتنے اچھے کیوں لگتے ہو

یہ ہی وہ لمحات تھے جب صلہ نے علیزے کی کال کاٹ کر اسے میسج کیا تھا۔ اسی پل اسے میسج موصول ہوا تو حیرانی سے کھولا۔ اشعار پڑھ کر یہ حیرانی دو چند ہوگئی۔ منیب چودھری نے اتنے فاصلے کے باوجود اس کی حیرانی ملاحظہ کی تھی اور اسے مزید بوکھلانے کا ارادہ باندھ لیا۔

(کیا خیال ہے مسز.....! یہاں اپنی شادی اناؤنس نہ کر دوں.....؟ اصل دلہن کا چہرہ سامنے لے آؤں.....؟'')

اس نے مسکراتے ہوئے میسج سینڈ کر دیا۔ اس کی توقع کے عین مطابق تھا رسپانس میسج پڑھتے ہی پہلے اس کا رنگ اڑا تھا۔ پھر اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ نگاہوں میں حیرانی و تحیر کا جہان آباد تھا۔ ساتھ میں گھبراہٹ سوا تر..... منیب نے اس سے نگاہ چار ہوتے ہی خباثت کی انتہا کرتے اسے آنکھ ماردی تھی۔ صلہ کی بوکھلاہٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ متوحش سی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

''کچھ بولو گی نہیں۔''

اس نے اسے پھر میسج بھیجا۔ صلہ ہونٹ کچل رہی تھی۔ دوسری جانب منیب پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ وہ شانزے کے ساتھ آ کر بیٹھے۔ نہیں تو شانزے کی نذر کچھ کرے۔ وہ دوسری بات پر رضا مند ہو گیا۔ پھر گلا کھنکار کر شرارت سے گویا ہوا۔

وہ جوان سے پرے ان سے پرے ان سے پرے بیٹھے ہیں

اس نے باقاعدہ ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کرتے انگلی کی جنبش کو صلہ پہ لا کے روکا اور شرارت سے مسکرایا۔

صلہ کا البتہ دم اٹکنے لگا تھا۔ وہ پتا نہیں اتنا بے خوف بے لحاظ کیوں ہو گیا تھا جبکہ وہ ہنوز بے نیاز تھا۔

وہ جو ان سے پرے ان سے پرے ان سے پرے بیٹھے ہیں

''منیب غالباً بھول گیا ہے کہ فرمائش شانزے کیلئے ہوتی تھی۔ شانزے کی سہیلی کیلئے نہیں۔''

بھابی نے کاٹ دار انداز میں مداخلت کی۔ صلہ کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا۔ صورتحال کچھ کی کچھ ہو رہی تھی۔ منیب نے ان سنی کی۔ کچھ نے نوٹس لے لیا تھا۔

''اگر سہیلی اتنی خوبصورت ہو گی تو ایسے خطرناک کام بھی ہوں گے۔''

اک بزرگ خاتون نے ناگواری سے لقمہ دیا۔ صلہ کی آنکھیں جلنے سی لگیں حلق خشک ہوا۔ منیب کی نظریں اسی پر تھیں۔ ڈرامائی وقفے کے بعد وہ پھر گلا کھنکار کر شروع ہوا۔ صلہ کا ہاتھ شانزے کی گرفت میں تھا۔

وہ جو ان سے پرے ان پر پرے ان سے پرے بیٹھے ہیں
وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان پر مرے بیٹھے ہیں

وہ نہ صرف ہنس رہا تھا بلکہ ساتھ بیٹھے اپنے بڑے بھائی کے ہاتھ پر بھی ہاتھ مار کر گویا اس کا مضحکہ اڑایا تھا۔

صلہ کا چہرہ سناٹے میں گھرنے لگا اور جانے کس کس کے رکے ہوئے سانس بحال ہوئے تھے۔ صلہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔ تب وہ بالکل اچانک اس کے مقابل آ گیا۔

''برا نہیں مانیں مادام! شادی بیاہ کی تقریبات میں ایسے مذاق تو چلتے ہیں۔''

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا مسکراہٹ ضبط کر رہا تھا۔ صلہ نے کترا کر نکلنا چاہا تو منیب نے نہایت جرأت سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''دلہن کی سہیلیوں کو تو یہ سب سہنا پڑتا ہے۔ ہے نا.....؟''

وہ زبردستی آنکھوں میں گھس رہا تھا۔ صلہ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''لیکن میں اپنی سہیلی کی خاطر بھی نہیں سہوں گی۔ آپ کو کیئر فل رہنا چاہئے۔''

وہ پھنکاری تھی اور تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی۔ وہ کمرے میں جاتے جاتے ارادہ بدل کر وہیں کرسیوں پر بیٹھ گئی۔ اسے ڈر تھا منیب سب کی نظر بچا کر اس کے پیچھے نہ آ جائے۔ اب اسے صحیح معنوں میں اپنی فکر لگ گئی تھی۔ لڑکیوں نے رسم کے اختتام پر ڈھولک سنبھال لی تو فضا میں گیت گونج اٹھے۔

مہندی سجے گی تیرے ہاتھ
ڈھولک بجے گی ساری رات
جا کے تو ساجن کے ساتھ
بھول نہ جانا یہ دن رات

گانے والی کی آواز بہت سریلی تھی۔ دل کے تاروں کو چھیڑ کر گزرتی تھی۔ مگر وہ بے خیال بیٹھی تھی۔

(آج رات دس بجے.....اور دس بجنے میں اب صرف پندرہ منٹ ہیں۔ اگر تم چھت پر نہ آئیں..... تو انجام کی تمام تر ذمہ داری تمہاری ہو گی۔)

منیب کا ٹیکسٹ اس کے اندر سنسنی بھر گیا۔ اس نے پلکیں اٹھا کر دیکھا۔ وہ شانزے کے ساتھ بیٹھا ہو

کر بھی اس کی سمت متوجہ تھا۔ صلہ کو اس کی آنکھیں دھمکاتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ پھر اس نے دیکھا۔ وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ یعنی ملاقات کے مقام پر جا رہا تھا۔ صلہ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ معاملے کو منطقی انجام پہ تو وہ بھی پہنچانا چاہتی تھی مگر خوف بھی دامن گیر تھا۔ لڑکیاں سب فکروں سے آزاد گا رہی تھیں۔

تجھ کو دیس پیا کا بھائے
تیرا پیا تیرے گن گائے
آئے خوشیوں کی بارات
لے کر رنگوں کی برسات
مہندی رچے گی تیرے ہاتھ
ڈھولک بجے گی ساری رات
جا کے تو ساجن کے ساتھ
بھول نہ جانا یہ دن رات

اس نے دیکھا۔ شانزے اسے اشارے سے بار بار اپنے پاس بلا رہی تھی۔ وہ نظر انداز کر گئی۔ اس کا دل اس کا ذہن اس وقت صرف منیب میں اٹکا تھا۔ وہ اسے آزاد کرنے کی شرط چھت پر تنہائی میں ملاقات رکھ چکا تھا۔ جو بھی ہوگا۔ وہ بھگتنے کو تیار تھی۔ یعنی چھٹکارا ہر ممکن ہر صورت چاہئے تھا۔ فیصلہ ہوا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اطراف میں لاتعداد لوگ تھے۔ کوئی بھی متوجہ نہ تھا۔ ہر کوئی ڈھولک بجاتی لڑکیوں میں دلچسپی رکھتا تھا۔ وہ غیر محسوس انداز میں آگے بڑھنے لگی گانے کی آواز اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

گنگنا بانہوں میں جب کھنکے
کھولے بھید یہ تیرے من کے
چاہے کرے نہ کوئی بات
سب نے جان لئے جذبات
مہندی رچے گی تیرے ہاتھ
ڈھولک بجے گی ساری رات
جا کے تو ساجن کے ساتھ
بھول نہ جانا یہ دن رات

اس نے زینے پر پہلا قدم رکھا۔ زینے کی آبنوسی گرل برقی قمقموں اور گیندے کی لڑیوں سے آراستہ تھی۔ اوپر چڑھتے ہوئے اسی کا لہنگا بار بار قدموں میں آتا تھا۔ اس نے احتیاطاً آگے سے لہنگا چنگیوں میں پکڑ کر ذرا سا اوپر اٹھا لیا۔ اس جانب ہو کا عالم تھا۔ اسے اپنی دھڑکنوں کا شور بخوبی سنائی پڑتا تھا۔ اس کا دل اس کے لباس کی طرح قدموں سے لپٹ لپٹ کر یوں تنہا منیب سے ملنے پر روکتا رہا مگر اس کے قدم نہیں رکے۔ آج وہ ہر قیمت پر یہ آگ کا دریا عبور کر لینا چاہتی تھی۔

وہ ہر ہر صورت اس تسلط سے چھٹکارا چاہتی تھی۔

چھت سنسان تھی اور رات بے حد تاریک سرخ اینٹوں کے فرش پر منڈیروں پر جلتے چراغوں کی روشنی کا دھندلا غبار پھیلا ہوا تھا۔ جو آرائش کی غرض سے سجائے گئے تھے۔ منیب کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ البتہ شمالی دیوار کے ساتھ چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ وہ آہستگی سے چلتی اسی کے پاس آ کر ٹک گئی۔ چند لمحے مزید انتظار کرتے رہنے کے بعد اس نے ہاتھ میں پکڑے سیل فون پہ اس کیلئے ٹیکسٹ ٹائپ کیا۔

''کہاں ہو تم.....؟ میں چھت پہ انتظار میں بیٹھی ہوں۔''

سیل فون رکھ کر وہ تھکے ہوئے انداز میں چارپائی پر ہی نیم دراز ہو گئی تھی۔ جلتی آنکھیں سکون کی غرض سے موند لیں۔ دیوار سے کوئی سایہ سا اترا۔ وہ اتنی گم تھی تفکر زدہ سوچوں میں کہ ذرا سی آہٹ ذرا سا بھی احساس نہ پا سکی۔ یہاں تک کہ منیب چودھری بے حد قریب آ گیا۔ اس خاموش اور حسین رات میں وہ اپنے ساحرانہ حسن کے ساتھ اس سے بے حد نزدیک تھی۔ اتنی کہ وہ چاہتا تو اسے ہاتھ بڑھا کر بہ آسانی چھو لیتا۔

وہ.....

جسے پانے جسے چھونے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ وہ جائز ناجائز کے فرق کو بھلا کر بس اسے حاصل کرنے کی جستجو میں لگ گیا تھا۔ معاً وہ چونک گیا۔ صلہ کی بند لرزتی پلکیں آنسو لٹا رہی تھیں۔ وہ ایک دم سے اضطراب کا شکار ہوتا ہاتھ بڑھا کر ان موتیوں کو چننے لگا۔

''کیوں رو رہی ہو میری جان.....!!!''

اس کی آواز اس کا لمس صلہ کو کسی کرنٹ کی طرح لگا۔ وہ ہڑبڑا کر آنکھیں کھول چکی تھی۔

اسے روبرو پا کر اتنے قریب دیکھ کر اس کی متحیر نگاہوں میں برہمی ابھری تھی۔ جبھی ایک جھٹکے سے اٹھنا چاہتی تھی کہ منیب نے اپنا بازو اس کے اوپر رکھ کر اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔

''رو کیوں رہی تھیں تم.....؟''

دلی کیفیات کے برعکس اس کا لہجہ سخت تھا۔ صلہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔ تم وہ بات کرو جس کیلئے تم نے یہاں بلایا ہے مجھے.....''

اس کا ہاتھ بے حد غصے سے جھٹکتی وہ اٹھ کر فاصلے پر جا کھڑی ہوئی۔

تیرا گھونگٹ جو اٹھائے

روپ تیرا سہہ نہ پائے

چاند کو وہ بھول جائے

دیکھ کے تیرا یہ سنگھار

تجھ کو دیس پیا کا بھائے

تیرا پیا تیرے گن گائے

وہ لہک لہک کر گانے لگا۔ صلہ کی آنکھیں اور ہونٹ حیرت کی زیادتی سے پورے کھل گئے۔ اسے اس

پل وہ کھسکا ہوا ہی لگا تھا۔ حیرت تمام ہوئی تو اس کی جگہ برہمی نے لے لی۔

''میں نے تمہیں جی بھر کے دیکھنے اور پیار کرنے کیلئے بلایا تھا۔ غلطی ہوئی۔ یہ جگہ مناسب نہیں۔ کیا خیال ہے..... بیڈ روم میں چلیں.....؟''

وہ شروع سے اب تک جان بوجھ کر اسے طیش دلاتا اور پھر اس کا ہراس ملاحظہ کیا کرتا۔ حظ اٹھایا کرتا اس وقت بھی مقصد تنگ کرنا تھا۔ مگر صلہ پہ الٹا اثر ہوا۔ اس قدر ذہنی اذیت اور تناؤ کا شکار تھی کہ انجام کی پروا کئے بنا اس پر حملہ آور ہو گئی۔

''تم جیسے گھٹیا کمینے انسان سے ایسی ہی سطحی لفاظی کی توقع رکھی سکتی ہوں میں۔ جسے اپنی مردانگی کا بھی کچھ لحاظ نہیں۔ میں آج تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی اگر تم نے ابھی مجھے طلاق.....''

منیب چودھری اگر اس حملے کیلئے تیار نہیں بھی تھا تو اتنا بے خبر بھی نہیں تھا۔ اس کے ہاتھوں کو چہرے تک پہنچنے سے قبل ہی نہ صرف قابو کیا بلکہ ایک زوردار جھٹکا اس انداز میں دیا کہ اس کے دونوں ہاتھ کمر پر لے جا کر اپنے ایک ہاتھ میں دبوچتے دوسرے ہاتھ سے اس کا چہرہ جکڑ لیا۔

''میں کہہ چکا تھا۔ کہہ چکا تھا تم سے..... کہ اپنی زبان پر قابو رکھنا..... تم پر اثر کیوں نہیں ہوتا.....؟ اس پر گستاخی کی انتہا کہ تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ..... یہ ہاتھ نہ توڑ دوں گا میں.....''

اس کے چہرے پر جیسے آگ جل اٹھی تھی۔ تاثرات میں برودت ہی برودت تھی۔ لہجے میں اتنی برہمی کہ صلہ کا لہو خشک ہوتا چلا گیا۔

''آج کے بعد..... طلاق کا لفظ تمہاری زبان سے نہ نکلے..... ورنہ زبان کھینچ لوں گا..... کیا سمجھیں.....؟''

وہ پھنکار رہا تھا۔ صلہ گنگ تھی۔ اس کے ہاتھ اس کی گرفت وحشیانہ میں واقعی چیخ کر ٹوٹنے کے قریب تھے۔ آنکھیں خوف کی زیادتی سے پھیل گئی تھیں۔ مگر اسے رحم نہیں آ رہا تھا۔

''ہمیشہ کیلئے سن لو..... نکاح اس لئے نہیں کیا تھا..... کہ تمہارے کہنے پر ختم کر دوں۔ ساری زندگی اپنے پاس رکھوں گا تمہیں.....''

وہ ایک ایک لفظ چبا رہا تھا۔ لہجہ اٹل تھا۔ سانسیں پھنکاریں مارتی تھیں۔ صلہ کی سانسیں رک سی گئیں۔ آنکھیں بے ساختہ چھلکیں۔ اس کی پوزیشن اس وقت بے حد نازک تھی۔ وہ واقعی اس پل اس کے رحم و کرم پر تھی۔ یہ منیب چودھری کے جارحانہ انداز نے لمحوں میں اسے جتلا دیا تھا۔ وہ مزید اس کے حواس سلب کر رہا تھا۔

''میں اگر چاہوں..... تو یہاں سے تمہیں اپنے کمرے میں لے جاؤں۔ کسی کو بھی کانوں کان خبر نہ ہو گی اور تم..... تم میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھے روک سکو.....''

وہ اسے جھٹک کر گویا اس پر اس کی اوقات واضح کر چکا تھا۔ صلہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی اور بے جان ہوتی نیچے بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں بہت خاموشی سے برس رہی تھیں۔

بے بسی

بے کسی

لاچاری

کا احساس روح پہ کوڑے برساتا تھا۔ منیب نے سگریٹ سلگا کر کش لینے کے بعد دھواں بکھیرتے ہوئے رعونت آمیز نگاہوں سے اسے جی بھر کے دیکھا اور مسکرایا۔

''واپس جاؤ نیچے..... اگر کسی نے یہاں دیکھ لیا تو مصیبت میں بھی تم پڑو گی۔ بھابی ویسے بھی تم سے کھنک چکی ہیں۔''

اس کے سحر انگیز سراپے پہ نگاہیں جمائے وہ بظاہر تلخی سے بولا تھا۔ جتنا بھی اس کی سرکشی پہ غصہ آتا تھا۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ اس کیلئے متاع جاں قرار پائی تھی۔ اپنے تمام تر باغیانہ انداز کے باوجود وہ اسے بہت عزیز تھی۔ صلہ کی اکڑ ایک بار پھر ٹوٹ چکی تھی۔ حواسوں پر اس کی جارحیت کا فطری سا خوف مسلط تھا۔ جبھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کچھ کہے بغیر آنسو پونچھتی وہاں سے چلی گئی۔ منیب اس کے جانے کے بعد بھی وہیں ٹہل ٹہل کر خود کو کمپوز کرتا رہا تھا۔

☆☆☆

اس کے خیال میں یہ مہندی کا فنکشن تھا۔ جبھی وہ اسی لحاظ سے تیار ہوئی۔ اس کا فراک ٹی پنک کلر کا تھا اور بہت زیادہ گھیراؤ تھا اسی کا پیروں کو چھوتا یہ لباس بے حد نفیس اور جاذب نظر کام سے مزین تھا۔ ماما نے یہ ڈریس اس کیلئے بہت شوق سے بنوایا تھا۔ جہیز میں جسے پہننے کی ایک بار بھی نوبت نہیں آئی تھی۔ بڑا سارا دوپٹہ جو اس نے گلے میں ڈال لیا۔ میک اپ اس نے بہت ہلکا کیا تھا۔ بڑے بڑے بالے پہن کر کلائی میں برسلیٹ ڈال لیا۔ اس کی تیاری مکمل تھی۔ عمر پتا نہیں ابھی تک کیوں نہیں آیا تھا۔ اس نے وال کلاک دیکھا۔ آٹھ بج رہے تھے۔ کچھ سوچ کر اس نے موبائل اٹھا لیا۔

''پتا نہیں ان کا ارادہ نہ بدل گیا ہو۔ خوامخواہ بنا پوچھے تیار بھی ہو گئی۔''

اسے کوفت محسوس ہوئی تھی۔ دوسری سمت بیل جا رہی تھی کہ اسی پل کال بیل بجنے لگی۔ وہ فون رکھ کر دروازے کی جانب بھاگی۔

''میں آپ کو ہی کال کر رہی تھی۔''

اس نے دروازہ کھولتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ عمر بائیک اندر لاتے ہوئے اس کی سمت متوجہ ہوا۔

''خیریت..... کچھ منگوانا تھا.....؟''

بائیک اسٹینڈ کر کے وہ مستعد ہوا تھا۔ نظریں بہت خوشگوار حیرت کے ساتھ اس پر جم گئی تھیں۔ علیزے نے الجھ کر اسے دیکھا اور دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آئی۔

''کمال ہے..... آپ کو یاد نہیں ہے وجہ.....؟ آپ ہی کہہ کے گئے تھے کہ شادی پر جانا ہے۔''

وہ چڑ کر کہہ رہی تھی۔ انداز خفگی بھرا تھا۔ عمر چلتے چلتے رک گیا۔ اس تیاری کی وجہ اب سمجھ میں آئی تھی۔ وہ خود کو سنبھال کر اس کے مقابل آتا آہستہ سے کھنکارا۔

''آپ کو اچھا نہیں لگا تو معذرت.....''

علیزے نے کچھ نہیں کہا۔ محض اسے ایک نظر دیکھا۔

''خیر ایسی بات بھی نہیں۔ اگر زیادہ لیٹ ہو گئے ہیں تو.....''

''ایکچوئلی علیزے مجھے کسی شادی پہ کسی نے انوائیٹ نہیں کیا تھا۔ میں نے اماں سے جھوٹ بولا تھا۔ جانتی ہیں کیوں.....؟''

علیزے کے اعصاب کو دھچکا لگا۔ وہ ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔

''کیوں.....؟'' وہ بھونچکی سی اسے تکنے لگی۔

''تاکہ آپ کو بہانے سے یہاں لا سکوں۔''

وہ مسکرا رہا تھا۔ مگر اسے سنجیدہ پا کر وہ مسکرانا بھول گیا کس قدر خائف نظر آنے لگا۔

''آپ کو اچھا نہیں لگا.....؟''

انداز میں معصومیت بھی تھی ہلکا سا شکوہ بھی۔ علیزے نے گہرا سانس بھرا۔ خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''آپ نے ایسا کیوں کیا.....؟''

اس کی نگاہوں میں ہزاروں سوال امنڈ رہے تھے۔ عمر نظریں چرا گیا۔

''بس میں چاہتا تھا آپ کچھ وقت بالکل ریلیکس ہو کر گزاریں۔ جہاں ماں کی ناراضگی آپ کے ساتھ نہ ہو.....''

اور علیزے کے اندر جیسے چھن سے کچھ ٹوٹ گیا۔ رنگت بالکل پھیکی پڑی۔ وہ جو سننا چاہتی تھی۔ جس چاہ میں سوال کیا۔ وہ سننے کو نہیں مل سکا۔ بے دلی اور مایوسی کا عالم ہی انوکھا ہو گیا۔ اس نے سختی سے ہونٹ بھینچے تھے اور تیز قدموں سے چلتی کمرے میں جا گھسی۔ عمر ایک لمحے کو حیران رہ گیا تھا۔ پیچھے آیا تو علیزے اپنا گھریلو لباس لئے واش روم میں جا رہی تھی۔ عمر نے بے ساختہ ٹوکا۔

''علیزے.....''

وہ بے اختیار راستے میں آیا۔ علیزے تھم گئی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''چینج کیوں کرنے لگیں ہیں.....؟''

''مجھے عادت نہیں ہے ایسے ڈریسز کی.....''

''لیکن مجھے اچھا لگ رہا تھا آپ کو یوں تیار پا کر..... مجھے تو آج پہلی بار لگا میری شادی بھی ہوئی ہے۔ بلکہ مجھے یوں کہنا چاہئے ابھی میں نے آپ کو اچھی طرح دیکھا بھی نہیں.....''

وہ اس کی یاسیت و ناراضگی کی جیسے تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ جبھی ازالے کی کوشش میں جتن میں مصروف تھا۔ ایسا نہ بھی ہو۔ علیزے کو ضرور ایسا ہی لگا۔ جبھی جواباً اسے ترش نظروں سے دیکھا۔

''معذرت..... میں نے کہا نا..... مجھے ایسے ڈریسز کی عادت نہیں۔''

اس کا لہجہ خشک تھا۔ تڑختا ہوا۔ عمر سناٹے میں گھر گیا۔ وہ واش روم میں بند ہو گئی تھی۔ کپڑے بدل کر

منہ دھو کر باہر آئی تو عمر سر تھامے بیٹھا تھا۔ علیزے نے کھنکویں سے اسے دیکھا۔ عجیب سا ملال اندر گھر کرنے لگا۔ کپڑے پھینک کر وہ خود کچن میں آ گئی۔ بہت اہتمام سے ٹرے سجائی تھی۔ کمرے میں آئی تو عمر کی پوزیشن میں سر مو فرق نہیں آیا تھا۔ وہ ٹرے اس کے سامنے رکھ کے کھنکاری۔

''کھانا کھالیں.....''

عمر نے بہت آہستگی سے سر اونچا کر کے سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ یونہی دیکھتا رہا۔ علیزے کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ گھبرا کر پلکیں جھکا گئی۔

''میں بہت عرصے سے بہت تشنہ تھا۔ روشنیوں سے بھرپور ہنستے بستے پرسکون گھر ہمیشہ اٹریکٹ کرتے تھے۔ پرسکون ماحول..... اک صابر و شاکر بیوی جو مجھ سے جھگڑا نہیں کرے۔ مجھ سے پیار کرتی ہو۔ میری دل سے عزت کرے..... عزت اور توجہ کے ساتھ محبت کو ترسے انسان کی یہ خواہشات اتنی بھی ناجائز نہیں تھیں۔ ہے نا.....؟''

وہ اچانک سوال اٹھا کر اسے آزمائش میں ڈال گیا۔ علیزے گڑبڑا گئی تھی۔

''مجھے افسوس ہے۔ میں ایسی بیوی ثابت نہیں ہو سکی۔''

اس کے لہجے میں ندامت تھی۔ عمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر آہستگی سے سر جھٹک دیا۔

''مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ ڈونٹ یو وری۔''

وہ نرمی سے گویا تھا۔ علیزے کا چہرہ یکدم پھر بجھ گیا۔ اس لاتعلقی نے ایک بار پھر اسے ہرٹ کیا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے واپس چھوڑ آیئے جتنی جلدی ممکن ہو..... یہاں دل نہیں لگتا میرا۔''

اپنی بات مکمل کر کے وہ باہر نکل گئی تھی۔ عمر خالی نظروں سے ہلتا پردہ تک رہا تھا۔

☆☆☆

وہ جا رہی تھی تو ان پرخلوص لوگوں کی بے شمار تحائف اور سوغاتیں اس کے منع کرنے روکنے کے باوجود اس کے ساتھ جانے کو تیار کر دی گئی تھیں۔ صرف بھابی کا رویہ اس سے کھینچا کھینچا تھا۔

مگر اب اس کی واپسی کا سن کر وہ بھی ریلیکس تھیں۔ شانزے کچھ اداس تھی۔ جبھی منہ لٹکائے پھر رہی تھی۔

''دوبارہ آؤ گی نا تم.....؟''

اس کی نگاہوں میں کتنی آس تھی۔ صلہ بے ساختہ دہل گئی۔

''امپاسبل..... کبھی نہیں آؤں گی دوبارہ.....''

وہ نا چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئی تو شانزے کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا۔ صاف لگتا تھا وہ ہرٹ ہوئی ہے۔ وہ بہت الجھ رہی تھی۔ صلہ کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھی جبکہ بھابی نے اسے صلہ کی طرف سے خبردار کیا تھا۔

''ذرا بچ کے رہنا..... بلکہ دوستی ختم کرو اس سے..... منیب پہ نظر لگتی ہے اس کی۔''

''اور اس خدشے پہ شانزے کا قہقہہ مارنے کو دل کیا تھا۔ مگر لحاظ آڑے آ گیا۔ بھابی اسے اپنا مذاق اڑانے سے تعبیر کرتیں۔ البتہ اس کے دل نے ضرور یہ خواہش کی تھی۔ کاش..... واقعی صلہ کی نگاہ منیب پر ہو جاتی۔''

وہ بھابی کو کیا بتاتی..... اس کے اتنا اکسانے کے باوجود بھی صلہ اس راہ پر نہ چلی تھی۔ لیکن صلہ کی اب اس حد تک ناگواری اور منیب کا کچھ مشکوک سا انداز..... کچھ ایسا تھا جو اس کے علم میں نہیں تھا۔

''اس روز جب منیب تمہیں ڈھونڈ کے لائے تھے صلہ.....! کیا انہوں نے تمہیں کچھ ایسا کہا تھا جو تمہیں اچھا نہیں لگا.....؟ اس دن کے بعد تم بہت ناراض لگتی ہو ہم سے.....''

شانزے نے ڈرتے ڈرتے سہی مگر سوال کر لیا تھا۔ صلہ اپنا بیگ بند کر رہی تھی۔ اسی زاویئے پہ ساکن رہ گئی۔ معاً خود کو سنبھالا اور سیدھی ہو کر اسے دیکھا۔

''اسے جرأت نہیں ہے کہ مجھ سے ایسی کوئی بات کر سکے۔ شانزے اس قسم کے لوگوں سے مجھے نپٹنا آتا ہے۔''

اس کا کاندھا تھپک کر وہ رسانیت سے کہہ رہی تھی جب منیب نے اندر قدم رکھا۔ دونوں اپنی جگہ پر حیران اور محتاط بھی ہوئی تھیں۔

''سنا ہے تمہاری سہیلی واپس جا رہی ہے۔ میں نے سوچا الوداع کہہ آؤں۔''

وہ مخاطب تو شانزے سے تھا۔ مگر تمام تر توجہ اس پر تھی۔ صلہ نے بڑی دقتوں سے خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا۔

''شانزے بھئی چائے شائے بنالاؤ..... آج اکٹھے چائے پیتے ہیں۔''

صاف ظاہر تھا وہ شانزے کو بیچ سے ہٹانا چاہ رہا تھا۔ صلہ نے بے اختیار شانزے کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''شانزے کہیں نہیں جائے گی۔ نہ میرا چائے کا موڈ ہے۔''

اس کا لہجہ سخت تھا۔ بغیر کسی لحاظ کے تنکا ہوا بھی۔ شانزے اگر گھبرائی تو منیب نے غصیلی نظروں سے صلہ کو دیکھا۔ پھر ہلکا سا کھانسا۔

''مگر میرا موڈ ہے اور شانزے چائے بنائے گی۔ جاؤ شانزے.....! مہمان تو انکار کیا ہی کرتے ہیں۔ میزبان کو تو خاطر دار کرنی چاہئے ناں.....''

وہ بظاہر مسکرا رہا تھا۔ شانزے صلہ سے ہاتھ چھڑاتی تیزی سے باہر نکلی تھی۔ صلہ بھی اس کے پیچھے جانے کو لپکی مگر منیب نے بہت سرعت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے کھینچا۔ صلہ مزاحمت کرتی روہانسی ہونے لگی۔

''تم مجھ سے نہیں جیت سکتیں کبھی بھی..... پھر ہار کیوں نہیں مان لیتی ہو.....؟''

وہ گویا اسے چڑا رہا تھا' تاؤ دلا رہا تھا۔ صلہ کے چہرے پر صرف ایک احساس تھا۔ شدید ترین نفرت کا۔

''میں تو تمہیں الوداع کہنے آیا تھا۔ کہ جانے سے نہیں روکوں گا۔ جانتا ہوں تمہیں لوٹ کر یہیں آنا ہے۔''

اس کا زعم اپنی جگہ اٹل تھا۔ قائم تھا۔ صلہ نے مزاحمت ترک کر دی۔ البتہ آنکھوں کی نفرت میں چنگاریاں سی برسنے لگیں۔ منیب نے بغور اس کے لال بھبوکا چہرے کو دیکھا تھا۔

''ناراض ہو بہت.....؟''

یہ سوال صلہ کو دو آتشہ کر گیا۔

''میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔ تمہاری اوقات واضح کرنے کو یہی ایک فقرہ کافی ہونا چاہئے۔''

وہ عادت سے مجبور تھی۔ پسپا ہونا اسے پسند نہیں تھا۔ حالانکہ اسی باعث وہ کتنا نقصان اٹھا چکی تھی۔

منیب چودھری نے اس سخت بات کا برا نہیں مانا۔ بلکہ مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''اور تمہاری اوقات یہ ہے کہ تمہیں اس نفرت کے باوجود مجھے ہی بس مجھے ہی منہ لگانا ہے۔ میرے ساتھ نہ صرف زندگی گزارنی ہے۔ بلکہ محبت بھی کرنی ہے.....''

وہ اب اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر اس کی پلکوں سے کھیل رہا تھا۔ صلہ تڑپ کر بلبلا کر پیچھے ہٹی۔ اس کے چہرے پر ناپسندیدگی کا ناگواری کا تاثر گہرا ہو رہا تھا۔

''میں ایسی زندگی پر لعنت بھیجنا پسند کروں گی.....''

وہ نفرت کی آخری حد پر کھڑی تھی۔ منیب چودھری بے ساختہ ہنسنے لگا۔

''یہ تو آنے والا وقت بتائے گا میری جان.....! قسم کھانے کو تیار ہوں کہ تم خود مجھ سے گزارش کرو گی کہ میں تمہیں رخصت کرا کے لے جاؤں.....''

وہ کتنے یقین سے کہتا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ جنوں خیزی سے لبریز ہٹ دھرم گستاخ اور سرخ آنکھیں۔ صلہ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سنسنی کی لہریں اترتی محسوس ہوئیں۔ اس نے بے ساختہ نگاہ پھیر لی۔ منیب کو اس کا یہ انداز بھی ہارا ہوا لگا تھا۔

''رات تک رک جاؤ.....تمہارا مطالبہ پورا کر دوں گا.....''

اسے ہونٹ بھینچے خود پر ضبط کرتے پا کر منیب چودھری نے یکدم موڈ اور پینترا بدل کر مسکراہٹ دبائی اور صلہ کے چہرے پر جیسے مارے سبکی کے لہو اتر آیا۔ وہ اس کی خباثت کا واقعی مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ صبح دم ہونے والے سامنے پر ایک بار پھر ان کے بیچ تکرار ہوئی تھی۔ وہ ایک بار پھر طلاق کا مطالبہ کر رہی تھی کہ جانے سے قبل اس قصے کو ختم کرنا مقصود تھا جبکہ منیب پس و پیش سے کام لے رہا تھا۔

''ایسا مت کرو میرے ساتھ منیب! تم جیت چکے..... مجھے جھکانا چاہتے تھے جھکا لیا اور کیا چاہتے ہو.....؟''

وہ بے بسی سے لاچاری سے کہتی پھر منت پر اترنے لگی اور اسے تکتی منیب کی نگاہیں لو دینے لگیں۔

وہ کتنی پاگل تھی۔ کتنی احمق..... بے وقوف۔

اک مرد کو نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ اک مرد کی خواہش کو نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ اس نے اتنے پاپڑ کیوں بیلے تھے.....؟

طلاق دینے کو.....؟ وہ کتنی حسین تھی۔ وہ حسن پر مرمٹا تھا۔ ایسا ابھی نہیں تھا۔ اسے تو اس کی اکڑ اس کی نہ جھکنے نہ ڈرنے والی عادت نے لوٹ لیا تھا۔ مگر وہ ان باتوں کو ان باتوں کی نزاکتوں کو نہیں سمجھ سکتی تھی۔ اس نے محبت جو نہیں کی تھی۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ طلاق نہ دوں تمہیں..... بس تم ہمیشہ میرے پاس رہو۔ میری رگ جاں سے بھی قریب تر..... میں تمہیں اپنی چاہت سونپ دوں اور تم مجھے اپنا دل.....''

اس نے پوری دیانت سے اپنا آپ عیاں کیا مگر دل جلاتی مسکان کے ہمراہ..... جو صلہ کا پھر دماغ خراب کر کے رکھ گئی۔ طیش پھر امڈ آیا۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

وہ زور سے چیخی اور اسے مشتعل انداز میں زور سے دھکا دیا۔

''میں تمہیں ہرگز مکر نے نہیں دوں گی۔''

وہ اسے پھر اسی غیض بھرے انداز میں دھکا دینا چاہتی تھی کہ منیب نے اس کے دونوں ہاتھ نرمی سے پکڑ لئے۔ وہ پچھلے دنوں سے جس ذہنی اذیت سے گزر رہی تھی مسلسل ایسے ہسٹریائی کیفیت کا مسلط ہو جانا اتنا غیر معمولی نہیں تھا۔

''کنٹرول یور سلیف صلہ! ہم یہاں اکیلے نہیں ہیں۔ کوئی بھی ادھر آ سکتا ہے۔''

وہ اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ مگر وہ حواس کھوتی جا رہی تھی۔

''آ جائے۔ آئی ڈونٹ کیئر..... تم مجھے طلاق دو..... ابھی اسی وقت..... ورنہ میں خود سب کو بتا دوں گی.....''

وہ رو پڑی۔ وہ کیسے بتاتی اسے..... یہ تعلق کوڑیالہ سانپ تھا۔ جو ہر پل اسے ڈستا تھا۔

''جاؤ بتا دو جسے بتانا چاہتی ہو..... میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ نقصان تمہارا ہوگا اور مت سوچو کہ میں تمہیں اتنی آسانی سے چھوڑ دوں گا۔''

اس کے بے لحاظی کے جواب میں منیب بھی بالآخر غصے میں آ گیا تھا۔ صلہ نے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اٹھائیں۔

''کیا مطلب.....؟ پھر کیا چاہتے ہو.....؟''

اس کی آنکھوں میں سہم اتر رہا تھا۔ جواباً منیب کی نگاہوں کا تمسخر دیکھنے لائق تھا۔

''اگر تم اتنی ہی بھولی بن رہی ہو تو سنو صلہ بی بی! کوئی مرد اتنا صابر اور شریف نہیں ہوتا کہ اپنے قبضے میں آئی حسین ترین لڑکی سے کوئی خراج وصول کئے بنا اسے جانے دو۔ تمہیں تو اندازہ بھی نہیں ہوگا کہ کتنا ترسا

چکی ہو تم مجھے.....''

اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ اس کے الفاظ عامیانہ تھے۔ اس کا انداز بھی اس کی نظروں اور سوچوں جیسا تھا صلہ کے خیال میں گھٹیا اور سطحی..... وہ ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزار سکتی تھی؟ اسے گھن آئی تھی۔ اسے نفرت محسوس ہوئی۔

''مجھے تمہاری ہوس پرست ذہنیت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ میں یہ خراج بھرنے کو اس لئے تیار ہوں تاکہ تم سے دائمی نجات حاصل کر سکوں۔''

وہ نفرت میں اتنا آگے بڑھی کہ اس پل شرم و حیا کا دامن چھوڑ دیا۔ بے باک ہو گئی۔ ورنہ ایک با حیا لڑکی اس قسم کی بات منہ سے نکالنے سے قبل شرم سے مر جاتی ہے۔ زبان نہیں کھولتی۔ لیکن اس کے نزدیک شاید یہ ایک کھیل تھا۔ جس میں وقتی طور پر منیب چودھری کو فتح حاصل ہو گئی تھی اور وہ ہر صورت یہ جیت یہ فتح دوبارہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔ مگر خود کو پامال کرنے کے بعد..... انتہا درجہ کی شدت پسندانہ سوچ نے اس کی عقل سلب کر ڈالی تھی۔ منیب بھی اسے حیران ہو کر دیکھتا رہا۔ پھر اسی بدمعاشی کے ساتھ ہنس پڑا۔ جو اس کی ذات کا خاصہ تھا۔

''اس کا مطلب بہت جلدی ہے تمہیں.....''

اس کے لہجے میں خباثت ہی خباثت تھی۔ مگر صلہ جس تلخ و ترش احساس سے لبریز تھی بات کی تہہ تک نہیں پہنچی۔ اور ترنت جواب دے ڈالا۔

''ہاں ہے۔''

وہ بلا جھجک بولی تھی اور اپنے تئیں طلاق کیلئے اس عجلت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''مگر مجھے نہیں ہے۔ کچھ دن انتظار کر لو۔''

وہ نخوت سے بے نیازی سے کہہ کر وہاں سے جانے کو پلٹا تو ذلت سبکی اور توہین کے احساس سے بھڑ بھڑ جلتی صلہ نے اس کا بازو پکڑ کر زور سے کھینچا۔

''گھٹیا انسان.....! تم بار بار اپنی بات سے پھر رہے ہو۔ میں چھوڑوں گی نہیں تمہیں.....''

وہ سر تا پا کانپی تھی۔ طیش غم و غصہ اس کی ذہنی صلاحیتیں مفلوج کر رہا تھا۔

''اچھا.....!!!''

وہ تمسخر بھرے انداز میں ہنسا۔ پھر کاندھے اچکا دیئے۔

''تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ جو کرنا چاہتی ہو کرو..... کرو ناں.....''

اس کے ہونٹوں کے ساتھ آنکھیں تک مسکرا رہی تھیں۔ مضحکہ اڑا رہی تھیں..... صلہ گنگ ہونے لگی

ہارنے لگی

ختم ہونے لگی

منیب نے اس کی بے بسی دکھ محسوس کیا' آنکھ میں اترتے آنسوؤں کو دیکھا تھا۔

''کتنا خوبصورت ہے تمہارا نزاکت بھرا سراپا..... میں نے سنا تھا حوریں پانی پئیں گی تو ان کی جلد کی

شفافیت کی بنا پر حلق سے پانی گزرتا نظر آئے گا۔ مجھے یقین ہے۔تم پانی پیتی ہو گی تو سامنے والے یہ منظر دیکھ سکتے ہوں گے۔ اتنی ہی شفاف ہے تمہاری جلد..... اتنی ہی پرکشش ہے تمہاری دلکشی کہ میں..... اس تعلق کو چند گھنٹوں پر محیط نہیں کرنا چاہتا۔تم اسے میری ہوس کہہ لو۔مگر یہ سچ ہے۔ میں عمر بھر تمہیں اپنے پاس اپنے ساتھ رکھنے کا متمنی ہوں۔''

اس کا گال تھپتھپاتا وہ بے حد ملائمت سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا اور صلہ زمین میں گڑ گئی تھی۔

اسے اس سارے قصے میں اپنا قصور تو کہیں نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ اب پھر منیب کا اسی حوالے سے چھیڑنا اسے آتش فشاں بنا گیا۔ وہ پھر زہر اگلنے لگی۔

''میں تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی..... وہ آزمائش میں اس صورت سہتی اگر یہ بات کسی پہ نہ کھلتی اور تم خاموشی سے مجھے چھوڑ دیتے لیکن اب میں جان گئی ہوں۔تم میں انسانیت اور شرافت سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔''

وہ ایسے ہی انجام سے بے پرواہ ہو کر کفن پھاڑ کر بولا کرتی تھی۔ منیب نے محض ہنکارہ بھرا۔

چلو یہ تو اچھی بات ہے کہ تمہیں سمجھ آ گئی۔ ویسے صلہ ڈارلنگ! اتنے بڑے بڑے بول نہیں بولا کرتے..... وقت کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ عین ممکن ہے کل پھر کسی مجبوری میں تمہیں میرے پاس آنا پڑ جائے۔''

وہ مسکرا رہا تھا۔ صلہ نے نفرت زدہ انداز میں رخ پھیر لیا۔ وہ اس کی بات کا جواب دینا نہیں چاہتی تھی۔

''اچھا چلو خدا حافظ تو کہہ دو تا کہ میں جاؤں.....''

وہ اسے چھیڑنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔ صلہ نے اس کی جانب نہیں دیکھا۔ جواب نہیں دیا تو منیب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی کھینچ لیا۔

''لڑکی اور گھوڑی جتنی اتھری ہو اسے قابو کرنے میں اتنا ہی لطف محسوس کرتا ہوں۔تمہارا یہی اتھرا پن مجھے اور من مانی اور سرکشی پر ابھارتا ہے۔ آج اس اتھری لڑکی کو گلے لگا کر خدا حافظ کہنے کو دل کر رہا ہے تو ایسے ہی الوداع کروں گا۔''

وہ سرد مہری سے بولا تھا۔ صلہ کے چہرے پر جیسے کسی نے آگ پھینک دی۔ یہ طے تھا کہ وہ اس گھٹیا آدمی کے گھٹیا پن کے آگے نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ جبھی ہراساں ہو کر پیچھے ہٹانا چاہتی تھی مگر منیب کے اگلے جھٹکے کے نتیجے میں واقعی اس کی بازوؤں کے شکنجے میں کسی جا چکی تھی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں پھنس گیا۔ شدید ترین ذلت کے احساس سمیت آنکھیں بے بسی سے بھر آئیں۔

''جتنی زیادہ بدتمیزی اتنا زیادہ تنگ کروں گا تمہیں۔ معافی مانگو آئندہ میری فرمانبردار رہو گی۔''

وہ کیسی لاچاری کی کیفیت میں اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ اس پر اس کی دھمکیاں' چارہ کار کیا تھا۔ سوائے آنسو بہانے کے..... وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ منیب نے گہرا سانس بھرا اور بازو ہٹا لئے

''باقی کے حساب کتاب پھر کسی وقت.....''

یار زندہ
صحبت باقی
وہ اسے شریر نظروں سے دیکھتا ایک آنکھ دبا کر کہتا گویا دھمکی دیتا پلٹ کر چلا گیا۔ صلہ ہنوز رو رہی تھی۔

☆☆☆

خبیث
چغد
الو کا پٹھا

ماما نے باہر صحن میں کھڑے اس کی تمیز و شائستگی کا اعلیٰ ترین مظاہرہ سنا اور گہرا سانس بھرتیں اندر آ گئیں۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ فون پٹخ رہی تھی۔

''کس سے جھگڑ رہی تھیں.....؟''

انہوں نے ''خوامخواہ'' کو روکا۔ منہ میں آنے سے جانتی تھیں وہ بھڑک جائے گی اور بہت دیر تک اس خوامخواہ کی وجہ اور وضاحت بیان کرے گی کہ خوامخواہ وہ نہیں جھگڑتی اسے مجبور کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ خوامخواہ کا لاحقہ نہ ہونے کے باوجود اس نے خفا خفا تاثرات کے ساتھ انہیں دیکھا۔

''آپ کو یہی کیوں لگتا ہے کہ میں جھگڑ رہی ہوں.....؟ کوئی اور بھی تو مجھ سے لڑ سکتا ہے۔''

اس کا شکوہ پتا نہیں کس حد تک بجا تھا۔ ماما نے بنا بحث کے ہار تسلیم کر لی۔

''چلو ایسا ہی سہی بیٹے! میں نے تو بس تمہاری آواز سنی نا.....''

ان کے لہجے میں نرمی کا عنصر ہنوز تھا۔

''ہے اک ایڈیٹر.....الو کا پٹھا۔ گھٹیا.....''

وہ پھر سے شروع ہوئی ہی تھی کہ ماما نے بے اختیار ٹوک دیا۔

''بری بات ہے بیٹے! گالیاں نہیں دیتے۔''

مگر وہ سن کہاں رہی تھی ان کی نصیحت

''اگر وہ میرے سامنے آ جائے تو سر پھاڑ دوں میں تو اس کا.....منحوس جھوٹا.....فراڈیا.....''

''زارا.....!!! زارا..... بہت غلط بات ہے بیٹے.....!''

ماما نے اس کے غصے پر بند باندھنا چاہا۔ اس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے تمتما رہا تھا۔ ماما نے جگ سے گلاس میں پانی نکال کر اسے تھمایا۔

''ریلیکس.....ہوا کیا تھا.....؟''

انہوں نے اصل سوال پوچھا۔ اس نے ایک گھونٹ بھر کے گلاس رکھتے ہوئے سر زور سے جھٹکا۔

''پے منٹ نہیں کر رہا ہے مجھے.....اس نے دیگر کئی رائٹرز سے بھی ایسا ہی کیا ہے مگر میں..... میں نہیں بخشنے والی اسے.....''

وہ طیش میں مبتلا ہوتی بھڑک کر کہہ رہی تھی۔

''اچھا دفع کرو..... آؤ کھانا کھالو..... تمہاری پسند کے پائے پکائے ہیں اور میٹھے میں ملتانی حلوہ ہے۔ آجاؤ شاباش.....''

ماما نے دھیان بٹانا چاہا اور کامیاب بھی رہیں۔ وہ واقعی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان کے ساتھ کچن میں آ گئی

مختصر سا کچن سامنے سیلب پر موجود چولہا' نمک مرچ کے چند ڈبے' وہ پلاسٹک کی چوکی گھسیٹ کر ٹک گئی۔ ماما نے سٹیل کی پلیٹوں میں اس کیلئے کھانا نکال دیا تھا۔ گرما گرم چپاتیاں اور خوشبو دار سالن..... اس کی بھوک ایک دم چمک اٹھی۔

''اسد کا فون آیا تھا.....''

ماما نے اپنی بے پایاں خوشی بالآخر اس کے سامنے رکھ دی۔ اس کا منہ کی طرف نوالا لے جاتا ہاتھ وہیں رک گیا۔

''کیوں.....؟''

پیشانی شکنوں سے بھر گئی تھی۔ چہرے پر ناگواری کا تاثر بے حد گہرا۔

''بتا رہا تھا کہ خوشخبری ہے تو.....''

''اب کیا مانگ رہے تھے حضرت.....! جبکہ ہمارے پاس دینے کو کچھ ہے بھی نہیں.....''

اس کا لہجہ تلخ تھا۔ بھنویں تن گئی تھیں۔ ماما کے مجرمانہ انداز پر نظریں چرانے سے اس کا پارہ مزید چڑھا۔

''سن لیں ماما! اگر آپ نے اس خوشی میں ایک روپیہ بھی اسے دیا ناں..... تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔

یہاں میں اپنی جان مار مار کر لہو جلا جلا کر زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہی ہوں کسی کو کوئی احساس تک نہیں۔''

وہ ایک دم پھٹ پڑی تھی۔ اس نے نوالا واپس پلیٹ میں پٹخ دیا تھا۔ ماما خاموشی سے اسے دیکھے گئیں۔ کہاں سے لگتا تھا بھلا یہ تیکھا ترش اوکھا بولنے والی وہی زارا ہے جو خوبصورت زندگی کے حسین رنگوں کی کہانیاں تخلیق کرتی تھی۔ جس کی تحریروں کی ایک دنیا مداح تھی اور اس سے بات کرنا اعزاز سمجھتی تھی۔

''میں اسے کچھ نہیں دے رہی ہوں زارا.....! ویسے بھی اس نے دعائیں لینے کو فون کیا تھا۔''

ماما نے اب کے خفگی سے جتلایا تھا۔ زارا کے چہرے کا تناؤ قدرے کم پڑا۔ مگر ماما کی خاموشی بڑھ گئی تھی۔ ان کے اصرار پر وہ چند نوالے لے کر اٹھ گئی۔ چائے کا مگ بناتے اس نے چند برتن جو تھے دھو ڈالے۔ دل ایک دم اداس ہو چکا تھا۔ جب وہ واپس آ کر اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی۔ اسے احساس تھا وہ ماما کے ساتھ اکثر زیادتی کر جاتی ہے۔ ان کا دل دکھا جاتی ہے۔ مگر یہ تلخی یہ رکھائی ہمیشہ سے تو اس کے مزاج کا خاصا نہیں تھی۔

حالات نے ایسا تناؤ ایسا غبار بھر دیا تھا اس کے اندر..... اسے یاد تھا۔ تین بہن بھائیوں میں اسی کا مزاج پاپا پر گیا تھا۔ پاپا اتنی دولت اتنی آسائشوں کے باوجود درویش صفت آدمی تھے۔ نوکروں کی موجودگی میں اپنا کام خود کئے جاتے۔ سادگی کا عالم بھی انوکھا تھا۔ گاڑی صرف آفس جانے کو استعمال کرتے..... باقی پیدل ہی آتے جاتے ہر جگہ.....

وہ سب سے چھوٹی ہونے کی بنا پر ان کی سب سے زیادہ لاڈلی تھی۔ زیادہ چہیتی.....

اسے یاد تھا ایک بار جب وہ شاید ساتویں آٹھویں میں پڑھتی تھی۔ سکول سے واپسی پر اس کا موڈ بہت ساری وجوہات کی بنا پر بہت خراب تھا۔ بھوک سے پیٹ میں اینٹھن ہو رہی تھی۔ نزلے نے سر میں درد کر دیا تھا۔ پیروں کو جاگرز کاٹ رہے تھے۔ وہ ماما سے بڑی خفا تھی کہ طبیعت کی خرابی کے باوجود اسے سکول روانہ کر دیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے پیر اٹھاتی تھی۔ جب موڑ مڑتے ہی پاپا پہ نگاہ جا پڑی۔

زارا نے بغور دیکھا تو قدموں میں خود بخود تیزی آ گئی۔ یہاں تک کہ باقی کا فاصلہ جست بھر کے طے کیا ور ان کے روبرو آ کر مسکرائی۔ پاپا کے ماتھے پہ پسینہ تھا اور سانس پھولی ہوئی..... اسے دیکھ کر جواباً مسکراتے سات آٹھ درجن کینوؤں کا پلاسٹک بیگ احتیاط سے شانے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ وہ خوشی سے نہال ان سے لپٹ گئی۔ اسے کینو بہت پسند تھے اور پاپا ہمیشہ اتنے بہت سارے ہی لاتے تھے کہ ریڑھی والے اس علاقے میں کم آتے تھے۔ اللہ جانے انہوں نے کہاں سے خریدے تھے۔ اسے ان پر جی بھر کے پیار آ گیا تھا۔ پاپا نے جواباً اس کی پیشانی چومی تو اس نے بیگ کاندھوں سے اتار دیا اور آگے بڑھ کر پاپا کے کاندھوں کو دونوں ہاتھوں سے دبایا۔ پھر گردن کو نرم انگلیوں سے مسلتے ہوئے سہلایا۔

''گھر میں اتنے ہٹے کٹے ملازم ہیں۔ گاڑی ہے۔ آپ یہ مشقت کیوں کرتے رہتے ہیں پاپا!''

اس کا انداز خفگی بھرا تھا۔ پاپا مسکرانے لگے۔

''اپنا کام خود کرنا چاہئے بیٹے! سنت ہے۔''

''تو پھر سارے ملازموں کو فارغ کر دیں۔ ویلے ہی رہتے ہیں۔ آپ تو انہیں زحمت نہیں دیتے کوئی۔''

وہ منہ پھلا کر بولی تو پاپا ہنسنے لگے۔

''تمہاری ماما جو میرے حصے کے بھی کام کرا لیتی ہیں۔ پھر اسد کا بھی گزارا نہیں۔ ہماری علیزے بھی شہزادی ہے۔ بس میری مینا ہے جو مجھ پر گئی ہے۔''

وہ ملازموں کی موجودگی کی وضاحت کرتے اس کی تعریف سے بھی باز نہیں آئے۔ انداز شرارتی قسم کا تھا۔

''چلیں اب پھر اسد بھائی کو کال کریں۔ آ کر لے جائیں یہ سارا وزن..... ملازم کو زحمت نہیں دیں گے آپ۔''

ان کا بازو اٹھا کر اپنے شانے پر ہاتھ رکھا اور دونوں ہاتھوں سے کلائی سے لے کر بازو کے جوڑ تک

ماہر مالشیوں کی طرح تیز تیز دبانے لگی۔

''نس چڑھ گئی ہے شاید.....''

اس کی قیاس آرائی بھی پختہ تھی۔

''تمہاری ماں اسد کے ساتھ ڈاکٹر تک گئی ہے۔ اسد کہاں سے آئے.....؟''

اوہ.....آئی سی.....''

زارا نے ہونٹ سکوڑ لئے۔

تو ایسا ہے پاپا جانی کہ میں اپنا سائیکل لے آتی ہوں۔ تو یہ سارا مال ڈھودوں گی۔''

اس نے ضد کر کے پاپا سے سائیکل لی تھی۔ مگر گھر کی حد تک چلانے کی اجازت تھی۔ وہ باہر جانے کو مچلتی کہ لان کی حالت خراب کرنے پر اسد اسے بلا دریغ مارتا تھا۔

''نہیں.....ایسا نہیں کرو بیٹے!''

انہوں نے اب بھی اجازت نہیں دی۔ اس نے منہ لٹکا لیا۔

''اب کیا ہم یہیں بیٹھے رہیں؟''

اس نے سر اٹھا کر خوبصورت بنے ہوئے گھروں کی کالونی کو دیکھا۔ جہاں گھروں کی بیرونی دیواروں پر خوبصورت بیلیں لہرا رہی تھیں۔ ہر گھر کے آگے باغیچے تھے۔ صرف خوبصورتی کی بہتات تھی۔ لحاظ مروت روا داری کا فقدان ہی تھا یہاں۔ پاپا کچھ نہ بولے۔ اس نے گلا کھنکارا اور ہاتھ بڑے سے شاپر میں ڈال دیا۔

''مجھے تو بڑی بھوک لگ رہی ہے۔''

اس نے دو بڑے بڑے سرخ سرخ کینو نکالے۔ چھلکا اتار کر گھما کے ایک گھر کے آگے موجود سبزے کی باڑوں میں پھینکا پھر کینو کے چار حصے کئے۔ دو پاپا کے اور دو اپنے منہ میں۔ پھر دوسرا کینو پھر تیسرا۔

''کیا سارے ابھی کھا لینے ہیں.....؟''

پاپا کو اس کے کینو کھانے پہ نہیں باہر بیٹھ کر کھانے پر اعتراض ہوا تھا۔ جب اس نے پانچویں اور چھٹے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ٹوکا تھا۔ جواباً اس کی معصومیت کمال درجے کی تھی۔

''کھا تھوڑی رہی ہوں..... وزن کم کر رہی ہوں..... گھر تک کیسے لے کر جائیں گے.....؟ اتنا وزن ہے ان کا اس نے اطمینان سے توجیہہ دی۔

''تم اس طرح وزن کم کرو گی تو شام ہو جائے گی مگر یہ ختم نہیں ہوں گے۔''

انہوں نے مسکراہٹ دبا کر اسے چھیڑا۔ مگر وہ صاف برا مان گئی تھی۔

''پاپا! مجھے چیلنج نہ کریں..... میں انہیں ختم کر کے دکھا سکتی ہوں۔''

اس نے انگلی کھڑی کر کے تنقید کی اور منہ میں بھرے بیج پھوک کے دور اڑائے۔ تب پاپا کو اس پر کتنا پیار آ گیا تھا۔

''مجھے پتا ہے۔ میری بیٹی بہت بہادر ہے ماشاء اللہ! ہر قسم کا چیلنج قبول کر سکتی ہے۔''

انہوں نے اس کے سر پر بوسہ ثبت کرتے ہوئے کتنے فخر سے کتنے مان سے کہا تھا۔ وہ اس مان کو اس فخر کو کبھی توڑنے کی ہمت نہ کر سکی۔ جب بھی تھکنے لگتی۔ پاپا کی ہمت دلاتی آواز اس کو پھر سے ڈٹ جانے پر مجبور کر دیا کرتی۔ مگر آج..... اتنا وقت گزر جانے کے بعد..... وہ اپنی اس ہمت کو برقرار تو رکھ رہی تھی۔ مگر اپنی نزاکت اپنی معصومیت کھو چکی تھی۔ اب وہ ایک تلخ مزاج سخت گیر لڑکی تھی۔

جو کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی۔ کسی کو اپنے آگے کچھ نہیں گردانتی تھی۔ تو وجہ کسی پہ اپنی مجبوری اپنی کمزوری ظاہر کرنا ہی نہیں تھا۔ مگر ماما سے جب بھی سخت لہجے میں بات کرتی، وہ گھٹنوں نہیں دنوں تک افسردہ رہا کرتی تھی۔ ایسی ہی محبت تھی اسے ان سے۔

☆☆☆

اماں نے اس کی اتنی جلدی واپسی کو حیرانی کی نگاہ سے دیکھا۔ نظریں خود بخود سیما سے جا ملیں۔ جو معنی خیز انداز میں دونوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ عمر بجھا بجھا جبکہ علیزے کھنچی کھنچی سی تھی۔ وہ آتے ہی کاموں میں لگ گئی۔ عمر کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر کہیں باہر چلا گیا۔ اسے کل صبح واپس جانا تھا۔

''لگتا ہے جھگڑا ہوا ہے دونوں کا.....''

اماں کو عجیب سی سرخوشی نے آن لیا۔ سیما پراسرار انداز میں سر نفی میں ہلانے لگی۔

''جھگڑا نہیں اماں! اور معاملہ ہے۔''

وہ جیسے معاملے کی اصل تہہ تک جا پہنچی تھی۔ اماں چونک چونک گئیں۔

''اور کون سا معاملہ.....؟''

اماں کی بے چینی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ سیما کی قابلیت پر انہیں بڑا فخر تھا۔

''عمر دبو ہے۔ بیوی کے سامنے پر اعتماد نہیں..... مجھے پہلے شک تھا۔ اب یقین ہو چلا ہے۔ دونوں کے بیچ میاں بیوی والا تعلق ابھی تک قائم نہیں ہوا۔''

سیما سرگوشی کر رہی تھی۔ اماں ہونق ہو گئیں۔ منہ کھل گیا۔ سیما ہنسے جا رہی تھی۔

''اب دیکھنا اماں..... کیا کرتی ہوں میں.....''

''کیا کرے گی.....؟''

اماں نے ناک پر انگلی رکھی۔

''بس دیکھتی جا.....'' وہ مسکرائے گئی۔ پھر بات بدل دی۔

''مجھے ہمیشہ ڈر لگا رہا۔ کہیں عمر پورا کا پورا اسی کا نہ ہو جائے۔ سعدیہ کی شادی تو کرنی تھی نا..... پھر تیرا کیا بنتا..... اب میں تیرا پکا بندوبست کروں گی۔ وہ لڑکا اچھا ہے۔ سعدیہ بات کرتی ہے فون پر.....؟''

اس نے اگلا سوال کر لیا تھا۔ اماں نے ناک سے مکھی سی اڑائی۔

''لگی تو ہوتی ہے۔ مجھے کیا پتا کیا باتیں کرتی ہے۔ پر تو مان..... سعدیہ میں وہ گر نہیں جو تجھ میں ہے۔ ابھی تک ایک پیسہ بھی نہیں ہتھیایا.....''

وہ سخت بدمزا تھیں۔ سیما سوچ میں پڑ گئی۔ کہہ تو اماں ٹھیک رہی تھیں۔ عمر کی تنخواہ لگی بندھی تھی۔ وہ پیسے ہاتھ پر رکھتا تو تھا۔ مگر حساب بھی چاہتا تھا جبکہ اماں کو اب کھلا خرچنے کی عادت ہو چکی تھی سیما کے طفیل..... سیما نے اپنی شادی کے بعد طوطا چشمی کی انتہا کر دی۔ اب ادھر سے ہی وصولتی تو خود ایک پیسہ بھی نہیں ڈھیلا کرتی تھی۔ حالانکہ یہ نہیں تھا کہ اب اس نے اسد یا اسد کی دولت پر اکتفا کر لیا تھا۔ وہ اب بھی کئی مردوں سے تعلق اور رابطے میں تھی۔ اسد کی غیر موجودگی میں وہ کیا کرتی تھی۔ اسد کو کیا معلوم..... ساس نند کو بھی مکھن سے بال کی طرح اسی لئے باہر کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کی عادی ہو چکی تھی۔

وہ عمر کی کلاس لگانے کا تہیہ کر چکی تھی۔ جبھی اس کا انتظار کرتے رات رک گئی۔ اماں کو بھی اس نے تب تک خوب سکھلا پڑھا دیا تھا۔ کھانا سب نے اکٹھے کھایا۔ علیزے تازہ پھلکے بنا بنا کر پیش کر رہی تھی۔ کچن سے کمرے تک اس کے کتنے ہی چکر لگ چکے تھے۔ عمر گم صم تھا۔ کھا کم رہا تھا۔ سوچ زیادہ۔

دلہن کی طرف سے ابھی تک کوئی امید نہیں..... اب اور کتنا انتظار کریں۔ تم کسی ڈاکٹر حکیم کو دکھاؤ۔''

سیما کے اشارے پر اماں نے بات چھیڑ دی۔ سیما کے اندازے کے عین مطابق وہ گڑبڑایا ہوا نظر آنے لگا۔

کتراتا ہوا..... جز بز۔ سیما کی نظریں اس کا ایکسرے کر رہی تھیں گویا۔

''سن رہے ہو کیا کہہ رہی ہیں اماں.....؟''

اس کی خاموشی سراسر تجاہل تھی۔ جو سیما سے ہضم نہ ہوا۔ عمر نے بے بسی سے اس فساد کی جڑ کو دیکھا۔

''ابھی اتنی دیر بھی نہیں ہوئی اماں.....! کہ ان چکروں میں الجھ جائیں۔ انتظار کر لیں۔''

وہ بالآخر کہہ گیا تھا۔ انداز صاف جان چھڑانے والا تھا۔ اماں نے غصے سے گھورا۔

''تیرے خیال میں دیر نہیں ہوئی۔ ورنہ سیما کی بھی ساتھ ہی شادی ہوئی تھی۔ اصل بات بتا.....''

انہوں نے بغیر لحاظ کے پھٹ پڑنے کے انداز میں کہا تو سیما نے انہیں ٹہوکا دیا تھا۔ تسلی کا۔ عمر الجھ کر انہیں تکنے لگا۔

''کیا مطلب..... کون سی اصل بات.....؟''

''کچھ نہیں۔ تم ذرا علیزے کو بلواؤ..... اس کے سامنے بات کریں گے۔''

سیما نے صرف کہا نہیں۔ ساتھ ہی علیزے کو بھی پکارنے لگی۔ عمر سعدیہ کی موجودگی میں جز بز تھا۔ اس پر علیزے کو بلانا..... علیزے صورتحال کی گھمبیرتا سے بے خبر تھی۔ اندر آ کر سوالیہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔

''اماں کو پوتے پوتیوں کی خواہش ہے۔ تم بھی جانتی ہو..... اس معاملے میں تاخیر کی وجہ.....؟''

سیما کا انداز صاف اور بے باک تھا۔ علیزے ایک دم سے سٹپٹا گئی۔ جواب ہی نہیں سوجھا۔ پہلے عمر کو دیکھا پھر سر جھکا لیا تھا۔

''مم..... میں کیا کہہ سکتی ہوں.....''

وہ اس کے گھورنے پر یہی کہہ سکی۔ انداز منمناتا ہوا ہی نہیں روہانسا بھی تھا۔ رنگ ہر لمحہ زرد پڑ رہا تھا

جسے عمر برداشت نہیں کر سکا۔

''علیزے آپ جائیں۔ چائے بنالائیں پلیز.....؟''

وہ نرمی سے کہتا اس کی گلو خلاصی کرا چکا تھا۔ سیما کے سر پر لگی تھی گویا۔ عمر کا انداز اسے اپنی توہین محسوس ہوا جبھی اس سے الجھنے لگی۔

''تم ہوتے کون ہو آخر میری بے عزتی کرنے والے.....''

''آرام سے آپا.....ایک بے بنیاد بات پر آپ اسے کیوں مجرم بنا رہی ہیں.....؟''

عمر پہلی مرتبہ ان سے اونچی آواز میں بات کر رہا تھا۔ سیما کو آگ کیسے نہ لگتی۔

''تمہاری یہ جرأت.....؟''

''آپا.....!!! میں صرف حق بات کر رہا ہوں۔ آپ مائینڈ نہ کریں پلیز.....''

عمر ٹھہرے ہوئے انداز میں کلیر کر رہا تھا اپنی پوزیشن۔ سیما پھنکارنے لگی۔

''سیدھی طرح کہو اس کا دفاع کر رہے ہو۔ بات سنیں اماں! اگر چند ماہ تک مزید کوئی اچھی خبر نہ ملی تو اس لڑکی کا کوئی فیصلہ کرنا.....ہمیں بانجھ عورت اپنے گھر میں نہیں چاہئے۔''

وہ بلند آواز میں وارننگ دے رہی تھی۔ عمر کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔ علیزے کچن میں ساکن کھڑی تھی۔ اس جھگڑے کے بعد پتا نہیں کیوں اسے یقین ہوا تھا۔ عمر اپنی جھجک گریز ختم کر کے اس کی جانب پیشرفت کرے گا۔ بات اب علیزے کی پوزیشن اس کے مستقبل کی بھی تھی۔ مگر اس کا یقین ریت کا گھروندہ ثابت ہوا۔ عمر کا گریز گریز ہی رہا تھا اور صوفے پر کروٹیں بدلتی علیزے کا تکیہ ساری رات بھیگتا رہا۔

☆☆☆

افق کے کناروں سے روشنی سبک روی سے طلوع ہوئی تو آنگن کی دیواروں سے لپٹی تاریکی نے ہڑبڑا کر اپنا آنچل سمیٹا اور اجالے کی چادر میں چھپ گئی۔ اوس میں بھیگی ہوا کی نرم سانسوں نے پتوں کو چھوا تو ٹہنیوں پر محوِ خواب ننھی چڑیوں نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے سردی محسوس کر کے چادر کو اپنے اوپر کھینچنے کو ذرا آنکھیں کھولیں اور کسمسا کر کروٹ بدل لی۔ آنگن چڑیوں کی چہکار سے بیدار تھا۔ اس نے انگڑائی لیتے بازو عمران خان کے انداز میں فضا میں بلند کرتے پوری آنکھیں کھول دیں۔ آنگن کا فرش چمک رہا تھا۔ گویا ماما صفائی کر چکی تھیں اور اب کچن میں ناشتہ بنانے میں مصروف تھیں۔ وہاں سے اٹھتی چائے کی خوشبو اور برتنوں کی کھنک سے وہ یہی اندازہ لگاتی خجل سی اٹھ بیٹھی۔ وہ ان کی بہت نالائق بیٹی ثابت ہو چکی تھی۔ جس نے ذریعہ معاش کا بوجھ اٹھایا تو گھریلو کام کاج سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ شرمندہ شرمندہ سی وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں ان کے پاس چوکی پر آ بیٹھی۔

''مجھے چائے بنا دیں ماما.....!''

وہ تھکی ہوئی اور پژمردہ لگ رہی تھی۔ سارا دھیان رات ادھوری چھوڑی کہانی میں اٹکا تھا۔ جسے وہ پورا

عمران خان کے خطاب کو دیکھنے کے چکر میں نہیں کر سکی تھی۔

''خالی پیٹ چائے پی کر معدہ جلانے کی ضرورت نہیں۔ ناشتہ کرو پہلے..... پراٹھا بنا دوں.....؟''

ماما آٹا گوند چکی تھیں۔ اسے نرمی سے پیار سے ٹوکا۔ اس نے بے دلی سے سر ہلا دیا۔

''چلیں بنا دیں.....''

وہ اٹھ کر چائے میں کچھ اور دودھ کا اضافہ کرنے لگی۔ پھر کیبنٹ کھول کر اچار کا جار نکالا۔ پراٹھا چائے کے ساتھ اچار کے بغیر اس کے حلق سے کبھی نہیں اترتا تھا۔ جار خالی منہ چڑا رہا تھا۔ تھوڑا سا مسالہ چند بوند تیل کے ساتھ پیندے میں موجود تھا۔ اس کا موڈ ایک دم سے غارت ہوا۔

''پراٹھا مت بنائیے گا ماما!''

اس نے جار واپس کیبنٹ میں دے مارا۔ ماما نے تحیر میں گھر کر اسے دیکھا۔

''کیوں..... کیا ہو گیا اب.....؟''

وہ پریشانی سے اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ جس پر بے زاری ہی بے زاری تھی۔

''کچھ نہیں..... بس دل نہیں کر رہا۔ کچھ دیر بعد کھا لوں گی.....''

چائے چھان کر مگ میں نکالتی وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ چیئر گھسیٹنے سے قبل کپ میز پر رکھ دیا اور مگ اٹھا کر چائے کی چسکیاں بھرتی رات بھر کے قارئین کے پیغامات پڑھنے لگی۔ پانچواں پیغام اس رسالے کی مدیرہ کا تھا۔ جہاں اس کا سلسلے وار ناول چھپ رہا تھا۔ اس نے غیر یقینی سے دوسری تیسری مرتبہ اس پیغام کو پڑھا۔ جن کا کہنا تھا کہ کسی مشہور نجی چینل کے پروڈکشن ہاؤس کا پروڈیوسر اس کا نمبر رابطے کو مانگ رہا تھا۔ اگر وہ چاہے تو اپنی کہانی ڈرامائی تشکیل کیلئے دینے کو اس سے رابطے کرے۔ ساتھ پروڈیوسر کا نمبر بھی درج تھا۔ اس کے اندر ایک دم سے جوش و خروش بھر گیا۔ موبائل فون ہاتھ میں لئے وہ قلانچیں بھرتی ماما کے پاس آئی تھی اور یہ تازہ خبر بڑے جوشیلے انداز میں ان کو سنائی۔

مگر اس کی طرح نہ تو وہ پرجوش ہوئیں نہ سرگرم۔ بلکہ ان کی سنجیدگی میں گراں قدر اضافہ ہی ہوا۔

''کیا ضرورت ہے بیٹے! اتنا آگے جانے کی..... ہمارا گزارا اتنا اچھا ہو رہا ہے۔ ویسے بھی یہ کہانیاں وغیرہ لکھنا ہی گناہ ہے۔ ٹی وی پر دو گی تو لکھے ہوئے کو ایکٹ کیا جائے گا تو تمہارا گناہ اور بڑا ہو جائے گا۔''

وہ کتنی بار اسے اس کام یعنی لکھنے سے منع کر چکی تھیں مگر زارا نے کان نہیں دھرا تھا کہ آمدنی کا ذریعہ بھی کیا تھا۔ اس وقت تو ان کی یہ قناعت اسے سخت بدمزا اور تلخ بنا گئی تھی۔

''ہاں..... بہت اچھا ہو رہا ہے گزارا.....''

وہ باقاعدہ پھنکاری تھی۔ پھر گہرے کاٹ دار طنز سے مزید گویا ہوئی تو آواز میں نمی گھلی ہوئی تھی۔

''آپ کو پتا ہے میں نے ناشتہ کیوں نہیں کیا.....؟''

کیوں نہیں کیا.....؟''

ماما کے تحیر نے استعجاب نے اسے روہانسا کر ڈالا۔ اس غفلت بھرے پھولپن پر اسے جی بھر کے طیش آیا۔

''جب آپ کو پتا ہی نہیں..... تو پھر بتانے کا فائدہ.....''

تلملاہٹ کا ہی نہیں اس کے اندر بے زاری اور یاسیت کا بھی تاثر بکھرا تھا۔ اسے ہمیشہ سے یہ دکھ تھا کہ ماما نے ان دونوں بہنوں کو اس انداز میں نہیں چاہا۔ جیسے اسد سے پیار کرتی تھیں یا جیسے پاپا اس سے محبت کرتے تھے۔ وہ واپس پلٹی تو ساری سرشاری اور ترنگ افسردگی اور دلگیری میں ڈھل گئی تھی۔ کتنی دیر وہ اس کڑھن کا شکار رہی۔ اسے جھٹکا تو سرکشی میں ماما کے متضاد چلنے کا پکا تہیہ کر لیا۔ جبھی فون اٹھا کر نمبر نہ صرف سیو کیا۔ بلکہ اسی وقت پروڈیوسر کو کال ملا لی تھی۔

''میں زارا بات کر رہی ہوں۔ زارا علی.....''

اس کے بے نیاز پراعتماد انداز میں اس وقت دراڑ پڑی جب مردانہ آواز نے بے زار کن انداز میں سوال داغا تھا۔

''کون زارا..... بی بی پورا تعارف کراؤ۔''

اور وہ جو اپنے تئیں قیاس کر بیٹھی تھی۔ پروڈیوسر صاحب اس سے رابطے کو مرے جا رہے ہوں گے قدرے مایوس ہوتی اپنا تعارف کروانے لگی۔

''آپ غالباً میری تحریر لینے کے خواہش مند تھے ڈرامائی تشکیل کیلئے..... اس سلسلے میں بات کر رہی ہوں۔ وہ کچھ بجھ سی گئی تھی۔ دوسری جانب سرسری انداز میں اس سے کہانی کا ون لائنر بھیجنے کا کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔ وہ ہاتھ میں فون لئے گم صم بیٹھی تھی اس افسردگی کے ساتھ کیسے ناقدرے لوگوں سے ٹکرا گئی جنہیں اس کے فن کی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں.....

☆☆☆

پھر کتنے بہت سارے دن اسی خوف کی نذر ہو گئے۔ اسے صحیح معنوں میں اپنے نقصان کا احساس ہوا تو بالکل گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس میں بالکل شک نہیں تھا کہ وہ منیب چودھری کے پھینکے جال میں پوری طرح جکڑی جا چکی تھی جبکہ اس کی اس کمزوری و حماقت کا احساس بھی کسی کو نہیں تھا۔ شہریار سے اس کی نسبت ٹھہر چکی تھی اور وہ کسی بھی وقت شادی کا مطالبہ کر سکتا تھا۔ پھر کیا ہوتا.....؟

دوسری جانب منیب چودھری تھا۔ جو اسے ہرگز ہرگز چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔ وہ اتنی حواس باختہ تھی کہ دل چھوڑ کر اکثر رونے بیٹھ جاتی۔ صورتحال ایسی گھمبیر تھی کہ وہ کسی سے کچھ کہنے کی ہمت بھی خود میں نہیں پاتی تھی کہ جو بھی تھا۔ بہرحال قصور اسی کا نکلتا تھا۔ اسے صاف لگنے لگا تھا اب کہ یہ ممی کے حکم عدولی کی سزا بھگت رہی ہے۔ اللہ کی حدوں کو اتنی بے دردی سے نہ پھلانگا ہوتا تو یقیناً یہ معاملہ اتنا خراب نہ ہوا ہوتا۔

کس سے کہتی.....؟

شہریار سے.....؟ وہ تو سن کے ہی بپھر جاتا اور منیب چودھری کو یا قتل کرتا یا خود اس کے ہاتھوں مارا جاتا کہ وہ بھی تو کم نہیں تھا کسی لحاظ سے بھی.....

ممی سے کیسے کہتی..... انہوں نے تو اسے ہی لعن طعن کرنی تھی۔ ملامت کرنی تھی۔

لے دے کر ڈیڈ رہ جاتے تھے۔ وہ تھے ہی ہارٹ پیشنٹ اس کی یہ حماقت بھری داستان اور اس کے بعد کی متوقع ذلت کے خیال سے ہی جان ہار جاتے۔ وہ جتنا سوچتی اس قدر دماغ شل ہوا جاتا۔ ایسے میں اس کا دھیان لے دے کر صرف علیزے کی طرف جاتا۔ وہ جتنا بھی اسے ڈانٹتی۔ مگر کوئی راستہ ضرور بتا سکتی تھی۔ دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاتا۔ فیصلہ ہو گیا۔ اس نے علیزے سے بات کرنے کا پکا تہیہ کر لیا۔

☆☆☆

''صلہ.....! تم خفا ہو ناں مجھ سے.....؟''

دوسری طرف شانزے تھی۔ اس کے گریز اور لاتعلق رویئے سے ہلکان ہراساں روہانسی اس نے یونیورسٹی میں نظر انداز کیا۔ کال ریسو نہ کی تو وہ ملنے گھر پہ آ پہنچی۔ اب صلہ کیا اسے گھر سے نکال دیتی؟

البتہ غصہ ضرور نکالنے لگی۔

''تم آخر یہاں کیوں آ گئی ہو.....؟''

اسے یہ لگا تھا۔ کہیں منیب بھی منہ اٹھا کر نہ پہنچ جائے۔ اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا۔ پھر شانزے کی دوستی کا ہی خمیازہ تھا وہ منحوس شخص..... شانزے البتہ اس سلوک پر خود کو سنبھال نہیں سکی۔

''کیا اب میرے ملنے پر بھی پابندی ہے.....؟ کیا خطا ہو گئی مجھ سے.....؟''

شانزے کے دل پر چوٹ پڑی تھی۔ جبھی زار و قطار رونا شروع کیا۔ وہ کہاں سہہ سکتی تھی اس کی بے اعتنائی۔ اب تو پھر حد ہو گئی تھی۔ صلہ سر تھام کے بیٹھ گئی۔ اسے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کرے۔ مشکلوں سے پہلے اسے چپ کرایا پھر اٹھ کر انٹر کام پر چائے آرڈر کرنے لگی۔

''تمہیں ہوتا کیا جا رہا ہے.....؟ اتنی کمزور ہو رہی ہو۔ چہرہ الگ مرجھا رہا ہے۔''

شانزے کو اسے دیکھ دیکھ کر ہول اٹھ رہے تھے۔ اسے عادت تھی ایک ساتھ اتنے سوال کرنے کی۔ صلہ عاجز ہونے لگی۔

''کچھ نہیں ہوا ہے' مجھے کیا ہونا ہے بھلا.....؟''

وہ نظریں چرا رہی تھی۔ یہ طے تھا اسے اس معاملے کی ہوا بھی شانزے کو نہیں لگوانی تھی۔ وہ اسے منیب کی بے وفائی کا یہ دکھ نہیں دے سکتی تھی۔

''تم مسلسل مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو صلہ!''

شانزے کو بے تحاشہ دکھ نے گھیر لیا۔ وہ گلہ کئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''میں کیوں چھپاؤں گی شانزے.....! جبکہ کوئی بات بھی ہو۔ بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں۔''

وہ جھنجھلانے جھلانے لگی۔ شانزے اسے کچھ دیر افسردگی سے تکتی رہی پھر سر جھکا لیا۔ صلہ کو انجانا سا مجرمانہ احساس گھیرنے لگا۔

''اب کیا ہوا ہے.....؟ منہ کیوں لٹک گیا تمہارا.....؟''

وہ اسے مخاطب کئے بغیر نہ رہ سکی۔ شانزے نے جواباً سرد آہ بھری تھی۔

''میری شادی ہو رہی ہے صلہ! منیب کو پتا نہیں سوجھی کیا ہے.....؟ فائنل ایگزام تک بھی نہیں رک رہے۔ حالانکہ اب تو محض چند دن باقی ہیں۔''

شانزے کی بات پہ صلہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی۔ منیب کی یہ منطق اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ ایک طرف اس کیلئے مرا جا رہا تھا دوسری طرف شانزے کو اپنانے کی عجلت۔

''یار تم ہی میری سفارش ان سے کر دو اور تو کسی کی بھی نہیں سنتے وہ..... میری اتنے سالوں کی محنت.....''

اس کی سوچوں سے بے خبر شانزے اپنے مسئلے میں الجھی تھی۔ صلہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ شانزے اس سے وعدہ لے کر ہی اٹھی تھی۔ منیب سے بات کرنے اسے قائل کرنے کا اور صلہ جو اس کے جانے کے بعد علیزے سے بات کرنے کا ارادہ باندھے بیٹھی تھی۔ کچھ سوچ کر منیب چودھری کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اس کے تعارف کے جواب میں وہ باقاعدہ شوخی سے کھنکارا۔

''بتانے کی ضرورت نہیں..... میں جانتا ہوں یہ تم ہی ہو..... زہے نصیب۔ اب ایک کام اور کرو۔ اپنے نام کے آگے میرا نام لگا لو۔ چلو جب تک رخصتی نہیں ہو جاتی تب تک میرے سامنے ہی خود کو صلہ منیب کہا کرو۔ کتنا اچھے لگے گا ناں''

وہ چہک رہا تھا۔ صلہ کی روح تک جھلسنے لگی۔ کیا چیز تھا وہ' وہ تلملائی۔

''بہت پہنچی ہوئی ہستی ہو تم.....! الہام اترتے ہیں تم پر.....''

وہ جتنی کلس رہی تھی اسی حساب سے طنزیہ لہجہ اپنایا۔ جواباً وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

''کوئی شک ہے کہ الہام اترتے ہیں۔ جیسے دیکھو نا..... میں نے تمہیں کہا تھا۔ تمہیں میری ضرورت پڑے گی۔ تم خود رجوع کر چکیں بقول شاعر.....

وصی یقین ہے مجھ کو کہ لوٹ آئے گا
اسے بھی اپنے کئے کا ملال ہونا ہے

صرف یہی نہیں جیسے مجھ پر الہام ہوا تھا کہ تم اس دنیا میں صرف ایک مرد کے ساتھ خوش رہ سکتی ہو اور وہ مرد میں ہوں۔''

وہ کس سکون سے کہہ کر ہنس رہا تھا ہنوز..... صلہ کو اس حساب سے آگ لگ گئی۔

''شانزے کے بارے میں بھی تمہیں ایسے ہی الہام ہوئے ہوں گے..... ہے ناں؟ شرم تو نہیں آتی ہو گی تمہیں۔''

وہ پھٹ پڑی۔ اس پر پھر بھی جیسے ذرا اثر نہیں ہوا۔

''شرع میں کیسی شرم.....؟ تم سے کر چکا ہوں..... اس سے کروں گا..... دو کی مزید گنجائش ہے۔''

مجال ہے جو وہ لاجواب ہو جاتا۔ صلہ نے ہونٹ بھینچے۔

''میری بلا سے تم چار کی بجائے آٹھ کر لو۔ مگر مجھے چھوڑ دو۔''

غصہ اس کے دماغ میں دھواں بھرنے لگا۔

''تمہیں نہیں چھوڑ سکتا ہوں صلہ.....! بار بار یہ بات نہ کیا کرو۔ مجھے غصہ دلاتی ہو۔ اپنے لئے مشکلات میں اضافہ کرتی ہو اور بس.....''

اس کا لہجہ ایک دم سرد اور سفاک ہونے لگا۔ صلہ کو مگر پھر بھی پروا نہیں ہوئی۔ وہ اس کی ایسی دھمکیوں سے نہیں ڈرتی تھی۔

''اگر تم شرافت سے نہ مانے تو میں کورٹ سے رجوع کروں گی..... مجھے کسی صورت بھی تم اس حیثیت میں قبول نہیں۔ یہ میری بھی ضد ہے کہ تمہیں اب جیتنے نہیں دوں گی۔''

وہ چیخنے لگی۔ ایک بار پھر اس پر ہسٹریائی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ مذیب کے نزدیک اس دھمکی کا جواب تمسخرانہ قہقہہ تھا۔

''نکاح نامہ ہے تمہارے پاس.....؟ جب کوئی ثبوت نہیں تو کیسے کیس کرو گی.....؟ میری جان! میری جان! مت ہاتھ پیر مارو۔ مت تھکاؤ خود کو..... اپنے آپ کو مجھے سونپ دو۔ بہت پیار سے بڑا سنبھال کر رکھوں گا۔ آزمائش شرط ہے۔''

اس کی بیہودہ بکواس ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی۔ صلہ نے رابطہ منقطع کر دیا۔ چہرے پر جیسے آگ بھڑک اٹھی۔ بے بسی کا شدید احساس آنکھوں میں نمی بھر رہا تھا۔ کتنی دیر تک خود ہی جلتی رہی۔ پھر علیزے کا نمبر ڈائل کیا۔

''السلام علیکم! ہاں صلہ کیسی ہو.....؟''

اس نے علیزے کی تھکی ہوئی آواز سنی تھی۔ یوں جیسے بیمار ہو یا بہت سارا رو چکی ہو۔ مگر دھیان نہیں دے سکی کہ خود اتنی مضطرب تھی۔ پریشان حال تھی۔

''میں ٹھیک ہوں لیزے!''

وہ سسکی اور ہاتھ اٹھا کر آنسو پونچھے جو بالآخر بے قابو ہو گئے تھے۔ سلام کا جواب دینا اسے یاد ہی نہیں رہا تھا۔

''کیا ہوا..... خیریت.....؟''

علیزے چونک گئی۔ بلکہ پریشان ہو چکی تھی۔

''بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے..... مگر فون پر نہیں۔''

اس نے سسکی سی بھری تھی۔ علیزے کی پریشانی بڑھی۔

''تم رو کیوں رہی ہو.....؟ مجھے وجہ بتاؤ۔ دل گھبرانے لگا ہے میرا تو۔''

صلہ نے جواباً بے دردی سے ہونٹ کاٹے۔

''یہی تو بتانا ہے یار! مگر فون پر نہیں کہہ سکتی کچھ۔ تم مجھے ملنے آ جاؤ۔''

عجیب فرمائش ہوئی تھی۔ جو علیزے کو مزید الجھا گئی۔

''میں.....؟'' وہ متامل تھی۔

''میرا تو گھر سے نکلنا ممکن نہیں۔ اماں اجازت ہی نہیں دیں گی۔ تم آجاؤ یہاں۔''

صلہ نے گہرا سانس کھینچا۔

''یار تمہارے سسرالیوں سے مجھے بڑی وحشت ہوتی ہے۔ بہت عجیب لوگ ہیں۔ میں وہاں کھل کر بات نہیں کرسکوں گی پلیز.....''

وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔

''اچھا.....!!!''

علیزے سوچ میں پڑ گئی۔

''پھر کل یونیورسٹی میں بات ہو جائے گی۔ ٹھیک.....؟''

وہ اس کی تائید چاہنے لگی۔ جو صلہ نے نہیں کی۔

''یونیورسٹی میں شانزے ہوتی ہے۔ کسی پل بھی جان نہیں چھوڑتی میری۔ اس کے سامنے نہیں کرنی۔''

صلہ کے اتنے محتاط انداز نے علیزے کو کھٹکا دیا۔

''چلو ماما کے گھر اکٹھے ہو جائیں گے۔ تم بھی وہیں آجانا۔ یونیورسٹی نہیں جاؤں گی میں.....''

اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ صلہ نے اس کا نوٹ کرایا ہوا ایڈریس سنبھال لیا۔ اب وہ بے تابی سے اگلے دن کی منتظر تھی۔

☆☆☆

''پیسے نہیں آئے اس بار تمہارے ابھی تک.....؟''

آج وہ گھر کی صفائی میں جتی تھی۔ صلہ کے ساتھ آنے کا بتایا تھا علیزے نے زارا کو عجیب سی کوفت نے آلیا۔ علیزے آتی تو آتی۔ صلہ کو لانے کی کیا تک تھی۔ ضروری تھا ہر کسی پر بھرم کھولنا۔ وہ لوگ جس علاقے میں آ گئے تھے۔ یہاں کی عادی تو وہ خود نہیں ہو رہی تھی۔ کجا صلہ جیسی ہستی پر بات کھولنا۔ وہ بڑبڑائی تو ماما نے ڈانٹا تھا۔

''مہمان کی آمد کا سن کر منہ بنانے والی عورت رب کو ناراض کرتی ہے اور بس..... پتا نہیں ہوتا کیا جا رہا ہے تمہیں''

انہیں اب غصہ بہت کم آتا تھا۔ مگر اس وقت وہ برہم تھیں۔ زارا ان سے بڑھ کر خفا ہوئی۔

''ہاں ہاں اور سنائیں مجھے.....! میں تو گمراہ ہوں۔ لادین بھی۔ پتا نہیں جو باتیں میرے دماغ میں آتی ہیں انہیں آپ اہمیت کیوں نہیں دیتیں۔ میں کہہ رہی تھی صلہ آپی پر یہ شو کرنا کہ ہم اتنے مفلس ہو گئے ہیں'' کی کیا ضرورت تھی۔

''اچھا بس..... ہر بات کو اتنا سر پر نہ سوار کیا کرو۔''

ماما نے ڈانٹا تو وہ غصے میں اٹھ کر گھر کی دھلائی پر جت گئی۔ سارا غصہ اب ادھر نکل رہا تھا۔ خوب رگڑ رگڑ کر صفائیاں ہو رہی تھیں۔ جینز گھٹنوں تک گیلی ہو چکی تھی۔ وائٹ چکن کا کرتا دوپٹے کا تکلف تو وہ صرف گھر سے باہر جاتے وقت کیا کرتی۔ وہ بھی صرف ماما کو مطمئن کرنے کو۔ آستینوں کو بھی چڑھایا ہوا تھا۔ ماما کے سوال پر

اس کے ہاتھ رک گئے۔

''نہیں..... آئیں گے بھی نہیں۔ بخار کی وجہ سے ناول کی قسط لیٹ پوسٹ کی..... شامل اشاعت نہیں ہے۔''

اس کے جواب پر ماما کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ دو جانوں کا خرچہ تو زیادہ نہیں تھا۔ مگر.....

بجلی

گیس

پانی

کے بل مکان کا کرایہ ان کی اصل فکر کی وجہ یہی خرچے ہوتے تھے۔

''کسی اور جگہ سے بھی نہیں ملے.....؟''

اس کا لہجہ دھیما اور بجھا ہوا تھا۔ صاف ظاہر تھا۔ ان کے پاس سب رقم ختم ہو چکی تھی۔

''دوسرے پرچے میں لگا تو ہے ناول ماما! آ جائیں گے اس سے کچھ پیسے.....''

اس نے پائپ اتار کر لپیٹتے ہوئے انہیں تسلی دی۔ تب ہی کال بیل بجی۔ وہ چونکہ ڈیوڑھی میں تھی۔ جبھی دروازہ خود کھولا۔ بلیک ٹو پیس میں ملبوس سونڈ بوٹڈ شکل سے ہی امیر کبیر نظر آتا بندہ..... زارا کے حلق تک کڑواہٹ بھر گیا۔ یقیناً ماما کا کوئی رشتہ دار تھا۔ جو پوچھتا پوچھاتا یہاں آن دھمکا تھا۔ اس نے نہایت بدتمیزی سے دروازہ دھماکے سے بند کیا۔

''ماما.....!!!''

وہ وہیں سے حلق پھاڑ کر چیخی۔ ماما جو کچن میں چلی گئی تھیں۔ گھبرا کر متوحش سی باہر آئیں۔

''کیا ہو گیا بیٹے.....!!!''

''جی.....!!! مگر میرے لئے نہیں۔ آپ کیلئے ضرور ہے۔ آپ کا کوئی لین لارڈ بھانجا بھتیجا آیا ہوا ہے۔ آپ کو پتا ہے میں نہیں ملا کرتی کسی سے.....''

وہ درشتی سے کہتی واپس آئی اور وائپر لگانا شروع کیا۔ ماما دوپٹہ سنبھالتیں تیزی سے باہر لپکیں۔ اس نے دلچسپی نہیں لی۔ ماما کچھ دیر بعد ہی پھر واپس بھی آ گئی۔ مگر کچھ جھنجھلائی ہوئی تھیں۔

''تمہاری عقل کو سو سلام ہیں زارا! بندہ بات تو ڈھنگ سے کرتا ہے نہ پہچانا نہ نام پوچھا۔ حد ہو گئی۔ تم سے بھئی''

مہمان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر آنے کے بعد اب وہ اس کی خبر لے رہی تھیں۔ بلکہ کان کھینچ رہی تھیں۔

''ملو جا کے اس سے اب.....''

ماما کے کہنے پر وہ زور سے بدکی اور انہیں ناراضگی سے دیکھا۔

''آپ کو پتا بھی ہے میں.....''

''وہ ٹی وی چینل کا ہے۔ کہہ رہا ہے محترمہ زارا صاحبہ سے ملنا ہے۔ جو مصنفہ ہیں۔ تم نے ہی فون پر

ڈرامے کا کہا ہوگا اسے.....''

ماما کا لہجہ سرد مہر تھا۔ زارا کے ہاتھ سے وائپر چھوٹ گیا۔ چہرے پر ایک ساتھ کتنے ہی رنگ آ کر گزرے۔

''سچ کہہ رہی ہیں ماما.....؟''

اسے یقین نہیں آ رہا تھا حالانکہ اس نے تو ون لائیز بھی نہیں بھجوایا تھا کہ اس دن فون پر رویہ ہی ایسا دل شکن تھا۔ اپنی تحریر ضائع کیوں کرتی بھلا.....؟ ماما نے جواباً اسے ناراضگی سے دیکھا۔ وہ وائپر چھوڑ کر بیٹھک کی سمت بھاگ آئی۔

''دوپٹہ تو لے کر جاؤ۔ محرم نہیں ہے تمہارا''

ماما کو اس لاپرواہی پر تاؤ چڑھا۔ وہ ایک دم خفت سے لبریز ہوگئی۔ جوش میں واقعی خیال نہ رہا تھا۔ واپس پلٹی دوپٹہ بڑھے سلیقے سے اوڑھا۔

''اسلام علیکم! میں مہران شاہ ہوں خوشبو پروڈکشن ہاؤس کا اونر اور پروڈیوسر.....''

وہ اس کے اندر داخل ہونے پر کرسی سے کھڑا ہوتا اپنا تعارف پیش کرنے لگا۔ زارا اچھی خاص کنفیوژ ہوئی۔

''وعلیکم السلام! تشریف رکھئے۔ میں زارا ہوں۔''

اس نے جواباً اختصار سے کام لیا اور صوفے پر بیٹھ گئی جبکہ مقابل فریق کس قدر حیرت و غیر یقینی کا شکار نظر آ رہا تھا۔

''زارا صاحبہ! یعنی مصنفہ.....؟''

اس کا لہجہ اس قدر استعجابی تھا کہ زارا نے سر اٹھا کر اسے تلخ تر نظروں سے گھورا۔

''آپ کو شک کس پر ہے.....؟ میرے نام پر یا قابلیت پر.....؟''

وہ ضرورت سے زیادہ پراعتماد نظر آ رہی تھی۔ مہران شاہ اسی حد تک گڑبڑا گیا۔ لیکن فی الفور خود کو سنبھال کر خوش دلی سے مسکرایا تھا۔

''نہیں..... بلکہ اس حیرت کی زیادتی کی وجہ آپ کا ضرورت سے زیادہ حسین اور نوجوان ہونا ہے۔ آپ واقعی مجھے ایک مصنفہ سے زیادہ کسی کہانی کی ہیروئن لگی ہیں۔ اگر میں آپ کو اپنے پلے میں ہیروئن کا رول آفر کروں تو.....''

''مسٹر شاہ! آپ لمٹس کراس کر چکے ہیں۔''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھتی ہوئی بلند آواز سے غرائی۔ مہران شاہ گھبرا کر سٹپٹا کر خود بھی کھڑا ہوگیا۔ کوئی وضاحت دینا چاہتا تھا کہ اس نے نہایت درشت سے انگلی اٹھا کر گرجتے ہوئے ٹوکا۔

''وہ رہا دروازہ..... جا سکتے ہو تم.....''

اتنا نازک سا سراپا اور ایسا قہر و غضب..... مہران شاہ ششدر رہ گیا۔ اسے یہ بھی سمجھ نہیں آئی تھی۔ مزاج نازک پر گراں کیا گزرا۔

''اگر آپ نے مائنڈ کیا تو میں.....''

''تشریف لے جایئے مسٹر.....''

وہ پھر چیخی۔ اب کے مہران شاہ کے چہرے پر بھی ناگواری چھلکی تھی۔

''مائی فٹ..... آپ خود کو سمجھتی کیا ہیں.....؟''

''نکلو یہاں سے..... دفع ہو جاؤ۔''

وہ سرد پن سے پھنکاری۔ مہران شاہ ہونٹ بھینچے ایک جھٹکے سے پلٹ کر چلا گیا۔ زارا سر جھٹک رہی تھی۔ ماما چائے لے کر آئیں تو وہ اکیلی بیٹھی تھی۔

''مہمان کہاں گیا.....؟''

''چلا گیا.....'' وہ نارمل انداز میں بولی تو ماما کو حیرانی نے آن لیا۔

''چلا گیا.....؟ کیوں.....؟''

ان کا انداز سوالیہ تھا۔ زارا نے سرد آہ بھری۔

''بس مجھے نہیں دینی تھی کہانی ڈرامے کیلئے۔ آپ نے خود ہی تو منع کیا تھا۔''

وہ نروٹھے پن سے کہتی اٹھ کر چلی گئی۔ ماما تاسف سے سر ہلا رہی تھیں۔

☆☆☆

صلہ علیزے کے ساتھ اس کی ماما کے گھر پہنچی تو جیسے شاک کی کیفیت میں تھی۔ راستے میں مختصراً سہی علیزے اسے سب حالات سے آگاہ کر چکی تھی۔ ماما کو محض سلام کیا۔ وہ اپنا دکھ کیا کہتی۔ وہ تو ان لوگوں پر ٹوٹنے والی قیامت سے ہی تھرا گئی تھی۔

''آپ کو کیس کرنا چاہئے تھا آنٹی.....!''

علیزے نے ہاتھ دبا کر اسے کچھ کہنے سے منع کیا۔ مقصد ظاہر ہے۔ ماما کو ہرٹ نہ کرنا تھا۔ صلہ کو چپ ہونا پڑا۔

''آپ بس میرے ساتھ چلیں میرے گھر.....''

وہ اگلی فرمائش لئے مصر ہوئی۔ علیزے نے سرد آہ بھری۔

''ایسی باتیں کر کے ان خوددار لوگوں کو شرمسار نہ کرو صلہ! وقت کٹ جائے گا۔ بس اس وقت تو زیادہ دعا کی ضرورت ہے انہیں.....''

علیزے کے ٹوکنے پر وہ ہونٹ بھینچ کر بیٹھ گئی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔

''میں تو تمہاری وجہ سے ہی اتنی پریشان تھی' یہ سب.....''

''ریلیکس صلہ! آزمائش بندوں پر ہی آتی ہیں۔ سرخروئی کی دعائی مانگنی چاہئے۔''

علیزے کے حوصلے بہت بلند تھے۔ صلہ کئی لمحوں کو خاموش ہوئی۔ تب علیزے نے ہی اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

''تم مجھے پریشان لگتی ہو۔ کیا بات کرنی تھیں تمہیں؟''

اس کا لہجہ نرم تھا۔ اس کے باوجود صلہ کے چہرے پر تردد پھیل گیا۔ سارے حوصلے ہی جیسے مسمار ہو

گئے تھے۔

''بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے لیزے! تم بھی ڈانٹو گی مجھے ہی۔ کوئی شک ہے بھی نہیں کہ غلطی میری ہی تھی.....''

اس کی آنسو بہنے لگے۔ انہی بہتے آنسوؤں میں اس نے دل کھو کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ علیزے سناٹوں میں گھر گئی تھی صحیح معنوں میں۔

''میں تمہارے علاوہ کسی سے نہیں کہہ سکی ہوں لیزے! جتنا مرضی ڈانٹ لو۔ مگر اس مشکل سے نکالو مجھے..... تمہاری ساری نصیحتیں اب یاد آتی ہیں مجھے..... پچھتاوا ہے صرف پچھتاوا۔''

وہ ہنوز بلک رہی تھی۔ علیزے کا سکتہ ٹوٹا تو لبوں سے کراہ نکل گئی۔ وہ سب خوش حال تھیں۔ کوئی فکر نہ تھی۔ مگر پھر حالات گردش میں آ گئے..... ہر کوئی آزمائش میں جا پڑا۔

چاہے وہ زارا ہو ماما ہوں یا پھر صلہ اور وہ خود..... اس کا دل دکھ سے لبریز تھا۔

''ہر حال میں رب کا شکر ادا کرنے کا حکم ہے صلہ! تم بھی شکر ادا کرو۔ سوچو حالات اس سے برے بھی ہو سکتے تھے خدانخواستہ..... یعنی وہ تمہیں لے کر جیسے گیا تھا۔ نکاح نہ کرتا اور انتقام لیتے ہوئے تمہیں رسوا کر دیتا پھر.....؟''

صلہ کا منہ سرخ ہوگیا۔ وہ نظریں چرا کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''تم..... تمہیں غصہ نہیں آیا مجھ پر.....؟''

وہ ہونٹ کچل رہی تھی۔ علیزے نے سرد آہ بھری۔

''اللہ کی حدوں کو پھلانگنے اور والدین کی نافرمانی کے نتائج کبھی بہتر نہیں مل سکتے۔ خیر اب میں اگر تمہیں ملامت کروں تو زخموں پر نمک چھڑکنا ہوگا اور کچھ بھی نہیں۔ تم سب سے پہلا کام اپنا دل ٹٹولنے کا کرو..... اگر اس شخص کو ذرا سی بھی گنجائش ملے تو ضد چھوڑ دینا۔ شانزے تو تمہیں قبول کرتی ہی ہے۔''

صلہ کچھ بولنے لگی تھی کہ علیزے نے ہاتھ اٹھا کر ٹوکتے بات جاری رکھی۔

''اور اگر ایسا نہ کرو پاؤ..... تو تمہیں پھر اپنی فیملی میں سے پاور فل شخصیت کو چوز کرنا ہوگا۔ جو نہ صرف تمہارا دفاع کر سکے۔ بلکہ اس شخص کے مقابل ڈٹ کر تمہیں اس کے تسلط سے نجات بھی دلا سکے۔ صلہ..... کام واقعی مشکل بھی ہے اور الجھا ہوا بھی.....''

''میں نہ تو اسے ایکسپٹ کر سکتی ہوں لیزے! مجھے اتنی ہی نفرت ہے اس سے..... اور نہ ہی..... میں اپنی فیملی میں سے کسی سے کہہ سکتی ہوں۔ یہ ناممکن ہے۔''

وہ پھر سے رونے لگی۔ علیزے نے ہونٹ بھینچ لئے۔

''تم شہریار صاحب کو اعتماد میں لے لو..... انہیں بتا دو۔ وہ نپٹ لیں گے خود ہی.....''

علیزے کے اگلے مشورے پر صلہ کا چہرہ کرب آمیز تاثر سے سج گیا۔

''وہ یہ سب جاننے کے بعد پہلا کام مجھ سے اپنا تعلق ختم کرنے کا کرے گا۔ اتنا شدت پسند ہے

وہ..... پہلی بات تو یہ اسے یقین ہی نہیں آ سکے گا کہ اس بندے سے نکاح کے باوجود میں سیو رہ گئی ہوں۔''

وہ افسردگی سے بتا رہی تھی۔ علیزے عجیب مشکل میں پھنس گئی۔ سمجھ نہیں پا رہی تھی آخر کیا جواب دے۔

''پھر تم اس آدمی..... کیا نام ہے اس کا.....''

''منیب چودھری۔'' صلہ نے ناگواری سے دہرایا۔ علیزے سر ہلا کر رہ گئی۔

''ہاں منیب..... اسے کسی طریقے قائل کرو۔ کسی بھی طریقے..... اگر وہ بندہ محض انا کی سربلندی کی خاطر یہ سب کر رہا ہے۔ تو پھر واقعی غلط ہے۔ تمہاری زندگی برباد کرنا چاہتا ہے وہ۔''

علیزے کے انداز میں تاسف تھا۔ صلہ نے شد و مد سے سر ہلا کر تائید کی۔

''اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ وہ متعدد بار مجھے یہ جتلا چکا۔''

علیزے نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''تم بات کرو اس سے۔ اللہ کرے مان جائے وہ.....''

''اللہ کرے.....''

صلہ کا انداز یاسیت آمیز تھا۔ ماما چائے لائیں تب پھر موضوع بدل گیا تھا۔

☆☆☆

بلیک کھدر کا ڈھیلا ڈھالا کرتا اور بلیو جینز میں ملبوس..... کاندھے پہ تھیلے نما بیگ..... اونچی ریشمی بالوں کی پونی بے تماشا گوری رنگت۔ متناسب سراپا جو چکنی ڈال جیسا تھا اور بے حد پرکشش نقوش یہ تھا زارا علی مشہور و معروف مصنفہ کا ظاہری حلیہ..... اس حلئے پر ماما کو سخت اعتراض تھا۔ برملا بھی وہ اس پہ تنقید کر چکی تھیں۔ انہیں اس کا دوپٹہ گلے میں لٹکانا سخت زہر لگتا تھا۔ مگر وہ پرواہ کہاں کرتی تھی۔

پرواہ تو اسے اس پسماندہ علاقوں کے باسیوں کی آنکھوں میں اس ماہی منڈی جیسی لڑکی کو دیکھ کر ابھرتی حیرت اور چھچھورے پن سے لے کر ہوس تک کی بھی نہیں تھی۔ جو اسے سستا اور بکاؤ مال سمجھ کر ان کے چہروں پر اتر آتی تھی۔ شروع میں جب وہ ماما کے ساتھ یہاں منتقل ہوئی تو کتنا بوکھلائی اور عاجز ہوئی تھی۔

ان نظروں

ان تاثرات سے مگر پھر اس نے ان رویوں اور نظروں کی کاٹ کا طریقہ سیکھ لیا تھا۔ وہ تیکھی تیز دھار تلوار بن گئی تھی۔ اپنی زبان کی بدلگامی اور کڑواہٹ کے بل بوتے پر اس نے اپنے دفاع کا انداز اپنایا اور بدزبان مغرور ہی نہیں بددماغ بھی مشہور ہو گئی کہ عزت کی چادر سے اپنا بدن ضرور سجا لیا۔ ماما کو یہ انداز و اطوار پسند نہیں تھے۔ مگر ان کی ہر بات ماننے والی زارا صرف اس ایک بات پر ان کی مرضی کے تابع نہیں کر سکی خود کو۔

دوسرا اختلاف اسے ان سے شادی کے موضوع پر تھا۔ وہ اپنے طور پر شادی نہ کرنے کا خود سے پختہ عزم کر چکی تھی اور اس پر سختی سے قائم بھی تھی۔ پھر جس طرح ہر طرف اس کی خودسری اور بدزبانی کے قصے مشہور ہو چکے تھے۔ سیما بھابی کے طفیل تو مشکل ہی تھا کوئی اس جیسی لڑکی سے شادی کا رسک لیتا۔ جسے کسی کی عزت کرنی ہی نہیں آتی تھی۔ جبھی وہ کچھ اور بھی مطمئن ہو چکی تھی۔ شوخ سیٹی کی آواز پر وہ جو پسینوں سے شرابور

ہاتھوں میں راشن کے تھیلوں کا بوجھ لادے رکشے کے انتظار میں کھڑی تھی۔ ذرا چونک کر متوجہ ہوئی تو صبیح پیشانی پر ناگواری کا تاثر ابھر آیا۔ شکل سے آوارہ نظر آتے لڑکوں کا ٹولہ کچھ فاصلے پر موجود اس کی طرف دیکھتا تھا۔ اسے متوجہ پا کر بڑے لوفرانہ انداز میں سلام جھاڑا گیا۔

جسے وہ بڑی خوبی سے نظر انداز کر گئی۔ جتنی بھی شعلہ مزاج ہو مگر یہاں ان لفنگوں کے منہ لگنا بہرحال مناسب نہیں تھا۔ فحش گانوں اور بیہودہ جملوں کو ان سنی کرتے بھی اس کی پیشانی تمام تر بہادری طراری اور اعتماد کے باوجود عرق ریز ہو رہی تھی۔ رنگت میں واضح تغیر اتر آیا۔ یہ اس کا غریب اور پسماندہ محلہ نہیں تھا۔ جس کے ان پڑھ جاہل باسی اس کے طنطنے سے خائف رہنے لگے تھے

کیوں دور دور کھڑے ہو حضور میرے کولوں
مینوں دس دیو ہویا کی قصور میرے کولوں

ایک نے تان اڑائی تو سبھی شامل ہو گئے۔ زارا نے گھبرا کر آگے چلنا شروع کر دیا۔ یہ گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی جبھی چال میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہونے لگی۔

''ڈر کیوں رہے ہو سوہنیو..... لاؤ یہ تھیلے ہمیں دے دو۔ قسم سے باحفاظت گھر پہنچائیں گے۔ آزمائش شرط ہے۔''

وہ بدقماش لڑکے اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ چند لمحوں میں اس کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہو کر اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ ایک نے باقی ساتھیوں کو معنی خیز انداز میں آنکھ مار کر از راہ ہمدردی کہا تو باقی تینوں قہقہے لگانے لگے۔ زارا کا اعتماد بالکل ساتھ چھوڑ گیا۔

''تھیلوں کے ساتھ اپنا سندر شریر بھی ہمارے حوالے کرے تو گارنٹی دیتے ہیں۔''

ایک اور نے اضافہ کیا۔ اس پھلجھڑی پر محظوظ ہو کر مزید قہقہے لگائے جانے لگے۔ اب کے وہ خاموش نہیں رہ سکی۔

''بکواس بند کرو۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے.....''

وہ چیخنا چاہتی تھی۔ مگر اس کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز بھی بامشکل نکل سکی۔ وجہ ان نوجوانوں کی آنکھوں اور چہروں سے چھلکتے بے ہودگی کے تاثرات تھے۔ جو زارا کو خوفزدہ کر گئے تھے۔

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصے پر پیار آتا ہے

دوسری سمت ڈھٹائی کی حد تھی۔ مجال ہے برا مانا گیا ہو۔

''پیار اتنی دور سے نہیں ہوتا۔ جو ہوتا ہے وہ پیار نہیں کہلاتا۔''

ایک نے پھر لقمہ دیا تھا اور زارا غم و غصے کے ساتھ سبکی و ذلت کے احساس سے بھی سرتاپا لرزنے لگی۔ اس نے ہاتھ میں موجود تھیلے چھوڑ دیئے۔ یہ اشتعال قہر بن کر ٹوٹا تھا۔ وہ کسی طرح بھی خود پر کنٹرول نہ کر سکی۔

فضا میں چٹاخ کی آواز کا بھرپور شور ابھرا اور کچھ دیر کو سناٹا سا چھا گیا۔ وہ حد سے بڑھنے والے کے

مزاج پوچھ چکی تھی۔ اس طمانچے نے نوجوان پہ سکتہ طاری کر دیا تھا۔ اس کے باقی ساتھی بھی وقتی طور پر سہی مگر تھرا کر رہ گئے تھے۔ مگر اگلے لمحے وہ بپھر اٹھا۔ اور زارا پہ کسی بھیڑیے کی طرح جھپٹ پڑنے کو تھا کہ ان کے بہت قریب گاڑی کے ٹائر زور سے چرچرائے۔ حواس باختہ زارا نے دیکھا۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر بہت تیزی سے کوئی باہر آیا تھا۔ عین ممکن تھا وہ انہی غنڈوں کا کوئی ساتھی ہوتا۔ اس کے مخالفین بھی اس مداخلت پر چند لمحوں کو اس سے غافل ہوئے تھے۔ وہ اسی غفلت کا فائدہ اٹھاتی اپنے لڑھکتے سامان کی پرواہ کئے بنا صرف اپنے بچاؤ کی خاطر جس سمت منہ اٹھا بھاگی تھی جبکہ نوجوانوں کا ٹولہ شکار ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر بوکھلا کر پیچھے لپکنے کو تھا کہ گاڑی سے باہر آنے والے مہران شاہ نے لڑکے کو پیچھے سے دبوچ لیا تھا۔

''کدھر..... کیا ہو رہا تھا یہ.....''

اس کا لہجہ اس کا انداز غیض وغضب سے بھرا ہوا تھا۔ لڑکا اس باحیثیت با اثر دکھائی پڑنے والے آدمی کی مداخلت پر جتنا بھی بوکھلایا مگر حواس نہیں چھوڑے۔

''سر..... یہ لڑکی..... واہیات عورت.....''

''تمیز سے بات کرو.....''

وہ ٹوک کر زور سے دھاڑا تو جواباً جوشیلے لڑکے کی آنکھیں دہک اٹھی تھیں۔

''کیوں..... اس ہمدردی کی وجہ..... بہن لگتی ہے تمہاری.....؟''

اس بدتمیزی کے جواب میں ایک گھونسہ آ کر اس کے منہ پر لگا تھا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا۔ مہران شاہ کا اشتعال اور غضب صحیح معنوں میں دیکھنے لائق تھا۔ اس کا ہاتھ اٹھا تو پھر رکنے میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کسی ماہر ریسلر کی طرح ان چاروں کو گھونسوں اور ٹھوکروں کی زد پر رکھ لیا تھا۔ وہ لڑکے اس عفریت سے جان چھڑانے کی کوشش میں حواس باختہ نظر آتے جس طرف جس کا منہ اٹھا بھاگ نکلے تھے۔ تب مہران شاہ نے رک کر ہاتھ جھاڑتے اک نگاہ زارا پہ ڈالی جو کچھ فاصلے پر متحیر نظر آتی تھی۔ دوسری بکھرے سامان پر ڈالتا گہرا سانس بھر کے فروٹ اور گروسری سمیٹ کے دوبارہ شاپرز میں بھرنے لگا۔ تب زارا خود کو سنبھال کر بے ساختہ آگے بڑھی تھی۔

''یہ سامان میرا ہے غالباً.....''

وہ جب تک اس کے پاس پہنچی مہربان شاہ شاپرز اٹھا کر اپنی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر رکھنے میں مصروف تھا۔ اس کی طنزیہ جتلاتی آواز پہ اسی سنجیدگی سے گردن موڑ کر اسے تکتے گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''بے فکر رہیں۔ میرا بھی اس پر قبضہ جمانے کا ارادہ نہیں۔ بیٹھیں..... ڈراپ کر دیتا ہوں آپ کو.....''

اس کا لہجہ پرسان ہوتا ہوا اور دھیما تھا۔ زارا کے چہرے پر ایک دم سے تلخی بڑھی۔

''آپ سے کس نے کہا کہ میں آپ کا یہ احسان لے لوں گی.....؟''

وہ چیخ کر رہ گئی تھی۔ مہران شاہ ٹھنڈا سانس بھر کر اسے تکنے لگا۔

''اس قسم کی صورتحال کے بعد یہ ضروری ہو گیا ہے۔ احسان مس زارا.....! وہ بدمعاش لڑکے پھر آپ

کو پریشان کر سکتے ہیں۔''

مہران شاہ کا نرم لہجہ ہنوز ٹھہراؤ اور سنجیدگی لئے تھا۔ وہ طنزیہ مسکرائی۔

''اس کا مطلب آپ اتنی عزت افزائی کے باوجود مجھے یاد رکھے ہوئے ہیں۔ امیزنگ۔''

اس کا انداز مضحکہ خیز تھا۔ چڑاتا ہوا بھی۔ مہران شاہ کی جواباً اس کو تکتی نگاہوں سے عجیب سی آنچ آنے لگی۔

''یاد بھی انہی کو رکھا جاتا ہے مس زارا جنہیں بھلایا نہ جا سکے۔ اس کا مطلب بھولی آپ بھی نہیں مجھے..... اس سے بڑھ کر میرے لئے خوشی و تفاخر کا احساس اور کوئی نہیں۔''

وہ مسکرا رہا تھا۔ جواب ایسا تھا کہ زارا کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سلگ اٹھا۔

''میں اپنے دشمنوں کی شکلیں کبھی نہیں بھولتی مہران شاہ۔''

ایک ایک لفظ چبا کر کہتے اس نے اس پر اس کی حیثیت اس کی اوقات بہت اچھے انداز میں آشکار کی اور اس کی گاڑی کا دروازہ کھول کر سامان اٹھانے سے قبل رکشہ روک چکی تھی۔ سامان گاڑی سے رکشے میں منتقل کرتے اس نے ہمیشہ کی طرح کرایہ کم کرانے کیلئے بحث نہیں کی اور ایڈریس سمجھا کر سیٹ سنبھال لی تھی تو وجہ مہران شاہ سے جلد از جلد جان چھڑانا تھی۔ مگر اس وقت وہ دانت کچکچا کر رہ گئی تھی۔ جب گھر کے سامنے اترنے پر ڈرائیور نے کرایہ کی رقم لینے سے انکار کرتے ہوئے بتایا کہ صاحب ادائیگی کر چکے ہیں۔ اس نے ڈرائیور کے اشارے پر اچنبھے سے گردن موڑی تو اک آگ سی اس کے وجود میں پھیل گئی تھی یہ دیکھ کر کہ مہران شاہ کچھ فاصلے سے اپنی گاڑی ریورس کر رہا تھا۔ رکشہ ڈرائیور جا چکا تھا اس کا سامان اتار کر..... وہ ہونٹ بھینچے اس کی گاڑی سے اٹھنے والی دھول کو دیکھتی رہی۔ یہ خیال اس کیلئے بہت تکلیف دہ تھا کہ وہ اس کی خاطر

محض اس کی خاطر

کیوں کر آخر اتنا کانشش ہو رہا تھا۔

☆☆☆

''لو آ گئی بیگم صاحبہ تمہاری.....! پوچھو..... پوچھ اس چنڈال سے گئی کہاں تھی یونیورسٹی کے بہانے کس یار سے ملتی ہے..... پوچھ۔ ثبوت تو مل گیا نا تجھے کہ یہ یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔''

علیزے جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی اماں ایک دم چلانے لگیں۔ علیزے فطری طور پر گھبرائی۔ رنگ فق ہوا تھا۔ اس نے بوکھلا کر عمر کو دیکھا۔ جو صحن کے درمیان کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ مٹھی کی صورت تھا۔ ہونٹوں پر رکھا تھا دوسرے کو پیچھے پشت پر باندھا ہوا۔ علیزے کو واپسی پر تاخیر ہو گئی تھی شاید اسی وجہ سے ہنگامہ برپا تھا۔

''اب یہ مکرے گی۔ بہانے بنائے گی کہ میں تو ماں کے گھر گئی تھی وغیرہ۔ حالانکہ وہاں جانے کو اسے چھپنے کی کیا ضرورت.....؟''

اماں کی زبان دو دھاری تلوار تھی۔ ہر طرف سے چلتی تھی۔ وہ چکرا سی گئی۔ صفائی کیا دیتی۔ کہ پہلے ہی اس کے ہتھیار کند کر دیئے تھے۔ جبھی پیروں تلے سے زمین نکلنے لگی۔ ذلت کے اس انداز کے متعلق تو اس نے سوچا تھا نہ ہی دھیان دیا تھا۔

''مم میں واقعی ماما کے گھر گئی تھی اور.....''

وہ روہانسی ہو کر بتانے جا رہی تھی کہ اماں کو پتنگے سے لگ گئے۔

''اے لو..... دیکھا نا وہی کچھ..... مکر گئی۔ ارے اتنی چالاک عورت..... اللہ توبہ.....''

وہ گال پیٹنے لگیں۔ علیزے سراسیمہ سی کبھی انہیں کبھی عمر کو دیکھتی تھی۔ جو بالکل خاموش تھا۔ اسے عجیب سی وحشت نے آن دبوچا۔ اس وقت اسے اس کے دفاع اس کے ساتھ کی کتنی ضرورت تھی۔ یہ خاموشی زہر قاتل تھی اس کیلئے۔

''اچھا بتا..... کل تو نے کس سے فون پر یہ ملاقات طے کی.....؟ دیکھ مکریو نہیں۔ میں نے خود سنا تھا۔ کیا ماں کے گھر کو عیاشی کا اڈا بنا لیا ہے تم نے.....؟''

اماں بیٹے کو خاموش پا کر آستین چڑھاتیں اس پر چڑھ دوڑنے کو آمادہ تھیں کہ عمر بے اختیار مداخلت کر گیا۔

''پلیز اماں.....! پلیز..... اس کی سن تو لیں۔''

وہ جیسے منمنایا تھا۔ علیزے آنسو بھری نظروں سے زخمی انداز میں اسے دیکھتی رہی جبکہ اماں کو بیٹے کی مداخلت بھی سراسر نافرمانی اور بیوی کی طرفداری لگی۔ جبھی بھڑک اٹھی تھیں۔

''کیا سن لوں.....؟ ہاں.....؟ وہ جھوٹ بولے گی کہ میں تھی.....؟''

انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔ ان کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔

''یہ جھوٹ نہیں بولتیں اماں! معلوم ہے مجھے.....! اور..... ان کے کردار کی گواہی بھی دے سکتا ہوں۔''

عمر رک رک کر کہہ گیا تھا۔ علیزے ساکن رہ گئی۔ اسے اپنی سماعتوں پر جیسے شبہ ہوا تھا۔ غیر یقینی سے لبریز اس کی لرزتی پلکیں اٹھی تھیں۔ عمر کو دیکھا۔ جو اس گواہی کے بعد اماں کے زیر عتاب تھا۔

آنکھیں چھلک گئیں۔ آنسو اس کا چہرہ بھگوتے چلے گئے۔ لرزتی ٹانگوں سمیت وہ بامشکل اوپر اپنے کمرے میں آئی اور بستر پر ڈھے گئی۔ وہ سرتاپا لرز رہی تھی۔ آج اس کے خیال میں انتہا ہو گئی تھی۔ اگر عمر یہ گواہی نہ دیتا وہ دو میں سے ایک قدم اٹھاتی یا یہ گھر چھوڑ دیتی یا پھر خودکشی کر لیتی۔ زندگی کتنی بوجھل تھی۔ کتنی تلخ..... مگر وہ ہمت ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ حالانکہ عمر نے کبھی بھی اس کی ہتھیلی پر کوئی گلابی پھول نہیں رکھا تھا۔ جیسے آج ہی جب وہ ناشتہ بنا رہی تھی تو عمر وہیں کچن میں آ گیا تھا اسی کے پاس کچھ دیر اس کی مصروفیات کو دیکھتا رہا پھر ٹوک دیا تھا۔

''جب تک آپ کے ایگزیم نہیں ہو جاتے..... گھر کے کام نہ کیا کریں۔ بہت حرج ہو رہا ہے۔ پڑھائی کا۔''

اور علیزے کو یہ ہمدردی کچھ بھائی نہیں تھی۔ جبھی ماتھے پر شکنیں سجا لیں۔

''میرا کوئی حرج نہیں ہوتا۔ عادی ہو چکی ہوں اب.....''

اس کا لہجہ زخمائی لئے تھا۔ عمر اسے دیکھتا رہ گیا۔

''راتوں کو جو اتنی دیر تک جاگتی ہیں۔ نہ جاگا کریں۔ آپ کی صحت متاثر ہو رہی ہے۔''

وہ پتا نہیں کیوں اس کیلئے اتنا فکر مند ہو رہا تھا۔ علیزے نے زچ ہوتے اسے دیکھا اور ناراضگی سے گویا ہوئی۔

''آپ کو میرے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

اس کا انداز نروٹھا تھا۔ کھینچا کھینچا' خفا خفا عمر کی آنکھوں میں یکدم ڈھیروں شرارت اتر آئی۔

''کیوں.....؟ پردیسیوں سے دل لگانے کے خطرناک نتائج سامنے آسکتے ہیں؟''

شاکنگ پنک سوٹ میں ملبوس ملکوتی نقوش اور بے حد سلکی بالوں والی یہ خوبصورت سی لڑکی صبح دم اس کا موڈ ایک دم سے خوشگوار کرنے کا باعث بن گئی تھی۔ علیزے کو البتہ اس کی اس شرارت نے دھچکا لگایا تھا یا شاید وہ اتنی ہی زرو رنج ہو رہی تھی کہ ہر بات کو دل پہ لینے لگی تھی۔ کچن کی سیلب سے ٹکا مسکرا کر اسے دیکھتا عمر اپنا مذاق اڑاتا محسوس ہوا۔ جبھی حلق تک کڑواہٹ گھل گئی۔

''اگر آپ مجھے اس گھر سے نکالنے پہ کمربستہ ہیں تو پھر ظاہر ہے..... پردیسی ہی ہوں میں.....''

اس کی جانب سے رخ پھیر کر وہ جتنی سنجیدگی اور خفگی سے بولی عمر اسی حساب سے سٹپٹا گیا۔

''معذرت چاہتا ہوں..... میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ محض مذاق کر رہا تھا۔''

اس کی شرمندگی سے دی گئی وضاحت کے باوجود علیزے اس کی جانب سے دل صاف نہیں کر سکی۔

البتہ اس نقطے پر ضرور غور کر کے اپنا خون جلاتی رہی تھی کہ مذاق والی بات کون سی تھی.....؟''

گھر سے نکالنے والی؟

یا دل لگانے والی؟

لیکن اب..... اب وہی عمر اس کے اگلے پچھلے بہت سے شکوے کتنے غیر محسوس انداز میں دھوتا اسے معتبر کر گیا تھا۔ وہ اس کی مشکور ہوئی بیٹھی تھی۔ بہت دیر بیت گئی۔ نیچے سے جھگڑے کی آوازیں مسلسل آتی رہیں۔ اماں کبھی چیختی تھیں۔ کبھی بلند آواز سے رونے لگتیں۔ انہیں یہ ہضم نہیں ہو رہا تھا کہ عمر نے ان کے مقابلے میں علیزے کی حمایت کر لی تھی۔ عمر انہیں سمجھا تا ہلکان ہوا جاتا تھا جبکہ وہ کچھ سننے پر آمادہ نہ تھیں۔

''بس بس..... پتا چل گیا مجھے..... تو پاگل ہو گیا ہے اس کی محبت میں بالکل اندھا۔ سامنے دیکھا بھی نظر نہیں آتا تھا..... بے شرم ہو گیا ہے۔''

وہ پھر چیخنے لگیں۔ منصوبے کی ناکامی انہیں تلملائے دے رہی تھی۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے اماں! لیکن کسی پر الزام لگانا تو غلط ہے ناں..... بہت بڑا گناہ۔ علیزے ایسی نہیں ہیں۔''

''میں ہوں پھر ایسی.....؟ ماں جھوٹی ہے تیری.....؟ کہہ دے میں بری ہوں۔''

وہ پھر خود کو پیٹنے لگیں۔ علیزے نے گھٹنوں میں منہ چھپا لیا۔ اماں بیٹے کو پٹانے کے بہت سے گر جانتی تھیں۔ اسے پھر ڈر سا لگنے لگا۔ وہ دھیرے دھیرے کانپ بھی رہی تھی۔ جانے کتنی دیر بیتی۔ پہلے عصر پھر مغرب کے بعد عشا کی اذان بھی ہو گئی۔ وہ وہیں اسی انداز میں بیٹھی ہولتی رہی تھی۔

''میں بہت شرمندہ ہوں.....کبھی بھی آپ کی امیدوں پر پورا نہیں اتر سکا۔ آپ کیلئے کچھ نہیں کر سکا۔''

علیزے نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ شرمسار نظر آ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''کھانا لاتی ہوں آپ کیلئے.....''

وہ چپل پیروں میں اڑستی نارمل انداز میں بولی تو عمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے بسی بھی تھی۔ اضطراب بھی' لاچاری کا گہرا تاثر اس کے گریز کا بھی گواہ تھا۔ علیزے نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا بھی نہیں۔ یونہی چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ بعض مقامات پر خاموشی فاصلوں غلط فہمیوں اور رنجشوں کو بڑھانے کا سبب بنا کرتی ہے۔ عمر کی یہ خاموشی بھی یہ اسباب پیدا کر رہی تھی۔ علیزے ہر گزرتے دن کے ساتھ ہارتی جا رہی تھی۔ دکھی ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

''کہاں گم ہے.....؟ کب سے آوازیں دے رہی ہوں تمہیں۔''

ماما جھنجھلائی ہوئی اندر آئی تب وہ ہڑبڑا کر انہیں تکنے لگی۔

''جج.....جی.....؟ خیریت.....؟''

''فون باہر پڑا ہے تمہارا۔ کب سے مسلسل بیپ ہو رہی تھی۔

انہوں نے ہاتھ میں موجود موبائل اسے تھمایا۔ زارا نے لے کر نمبر چیک کیا۔ عمر کی کال تھی۔ اسے حیرت ہوئی۔ وہ تو کبھی کبھار ہی کال کرتے۔ وہ بھی خیریت کی اطلاع پانے کو بس.....

''عمر بھائی کا تھا۔ آپ نے ہی سن لیا ہوتا.....''

اس نے کال بیک کی تو بیلنس ختم ہونے کی نوید سن کر ذرا سا جھنجھلا گئی۔ ماما جو پلٹ کر دروازے پر پہنچ چکی تھیں۔ تھم کر اسے دیکھنے لگیں۔

''تو تم خود کر لو بیٹے!''

کریڈٹ ختم ہے۔ آخری کالنگ کارڈ تھا۔ جو کچھ دنوں پہلے استعمال ہوا۔

اس نے سیل فون ٹیبل پر ڈال دیا اور خود اٹھ کھڑی ہوئی۔ ارادہ مارکیٹ جانے کا تھا۔

''اب کہاں جا رہی ہو.....؟''

ماما کو اس کی تیاری پر اعتراض ہوا۔

''جلدی آ جاؤں گی۔ کچھ کام ہے۔''

وہ کوٹ پہن کر مفلر لپیٹ رہی تھی۔

''کھانا تقریباً تیار ہے۔ اب ٹھنڈا ہو گا انتظار میں.....''

''نوالہ تو آپ کے حلق سے بھی نہیں اترے گا۔ جب تک علیزے باجو کی خیریت نہ دریافت کر لیں۔''

اب کے وہ ذرا سا ہی مسکرائی۔ ماما قدرے کھسیا کر رہ گئیں۔ کبھی کبھار انہیں فخر سا ہوتا۔ وہ کتنا زیادہ سمجھتی تھیں انہیں۔ ان کی رگ رگ سے گویا واقف۔

''میں بس دو منٹ میں آ رہی ہوں۔ آپ پریشان نہیں ہوئیے گا۔ ٹی بیگ بھی چاہئے مجھے۔''

وہ چلتی ہوئی بیرونی دروازے تک آ گئی۔ چٹخنی گراتے انہیں تسلی سے نوازا۔ ماما نے محض سر ہلایا اور آیت الکرسی مکمل کر کے اس پر پھونک ماری۔ وہ باہر نکل آئی تھی۔ فضا میں دھندلا غبار تھا۔ سرد ہواؤں کی شوریدہ سری عروج پر..... اس کے ذہن میں ابھی تک حسن نثار کا کالم گردش کرتا تھا۔ کالم کی آفرز تو اسے بھی ہوئی تھیں۔ مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ حالانکہ اس کام کا معقول معاوضہ مل رہا تھا۔ مگر بات یہی تھی کہ وہ جو بھی کام کرتی تھی۔ پوری دیانتداری سے کرنے کی قائل رہی تھی۔ سیاست میں اس کا رجحان اور دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔ مگر اب..... اسے لگ رہا تھا۔ وہ بہ احسن خوبی یہ کام کر سکتی ہے۔ اس کا ذہن ایک کالم کے تانے بانے بننے میں مصروف تھا کہ اس کیفیت کے زیر اثر اس نے جنرل سٹور سے کالنگ کارڈ اور ٹن پیک بھی خریدے تھے۔ اس کے علاوہ بھی ضرورت کی چند چیزیں۔ شاپنگ بیگ اٹھا کر پے منٹ کرنے کے بعد وہ دکان سے باہر نکلی تو پہلا سامنا ہی عمر سے ہو گیا تھا۔

''السلام علیکم!''

اس کا انداز مخصوص قسم کا تھا۔ مدبرانہ' پرشفقت اور پررسان۔

''وعلیکم السلام! کیسے ہیں بھائی!''

وہ ایک دم مسکرانے لگی۔ یہ اتفاق اسے بہت اچھا لگا تھا۔

''آپو کیسی ہیں.....؟''

اس کے اسی سنجیدگی سے جواب دینے پر زارا نے ہی اگلا سوال کیا۔

''بہتر ہیں وہ بھی..... آپ اکیلی.....''

وہ حیران نظر آ رہا تھا شاید۔ زارا نے جواباً بغور دیکھا۔ پھر مسکرا دی۔

''میں اکیلی ہی اپنے سارے کام کرتی ہوں بھائی!''

عمر قدرے چپ سا ہوا۔ شاید حقیقت کی تلخی کا ازسرنو احساس ہوا تھا۔

''آپ کی کال ریسو نہیں کر سکی۔ خیریت تھی.....؟''

اس نے بیگ کاندھے پر منتقل کیا۔ اب وہ آگے بڑھنے کی تیاریوں میں تھی۔

''علیزے کچھ اداس تھیں شاید..... سوچا تھا آپ لوگوں سے بات کرا دوں۔''

عمر کے جواب پر زارا نے استفہامی نگاہوں سے اسے سرتاپا دیکھا

''شاید.....؟ آپ کو شک ہے؟ بھائی جان وہ واقعی اداس لگتی ہیں ہمیشہ۔''

اس کا لہجہ زہر خند ہوا تھا آن کی آن میں اور عمر کا چہرہ پھیکا پڑنے لگا۔ زارا نے اس کا نظریں چرانا محسوس کیا۔ خاموشی کو محسوس کیا اور حلق تک کڑواہٹ گھلتی پائی۔

''چلتی ہوں' ممکن ہو سکے تو ان کی اداسی کو دور کرنے کی کوشش کیجئے گا۔ یہ کوئی اتنا بھی مشکل کام نہیں ہے بہرحال.....''

وہ ایک دم تلخ ہوگئی تھی۔ عمر ہڑبڑا سا گیا۔ بے اختیار اسے پکارا۔

''رکیں زارا.....! میں آپ کو چھوڑ کر آتا ہوں۔''

پہلے زارا نے قدم روکے تھے پھر گردن موڑی۔ اس کی نظروں میں بہت سرد پن تھا۔

''حقوق و فرائض کے معاملے میں اگر آپ اتنے کانشش ہیں تو پہلے بجو کو مطمئن کر لیں۔ ہماری باری بہت بعد میں آئے گی۔ نہ بھی آئی تو آپ سے شکایت نہیں ہوگی۔''

اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں تھی۔ آگے بڑھ گئی۔ عمر گنگ سا وہیں کھڑا رہا۔ اسے قطعی سمجھ نہیں آ سکتی تھی۔ زارا نے جو کچھ کہا اس میں علیزے کی فراہم کردہ معلومات کا کتنا عمل دخل ہے۔ وہ بے وقوف تھا۔ سمجھ نہیں سکتا تھا۔ علیزے کچھ نہ بھی بتاتی۔ اس کے چہرے پر رقم محرومی اس کی ناشادگی کا ہر راز عیاں کر جاتی تھی۔

☆☆☆

شانزے کی شادی طے ہوگئی تھی۔ وہ روتی دھوتی سہی مگر گاؤں روانہ ہوگئی۔ صلہ سے شادی میں شریک ہونے کا وعدہ لے کر مگر وہ ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ دن یونہی گزر رہے تھے کہ اک انجان نمبر سے کال اس کے موبائل پر آ گئی۔ وہ جانے کس کیفیت کے زیر اثر تھی کہ فون پک کر لیا تھا۔

''تمہیں اپنے شوہر کی شادی کی یقیناً خوشی نہیں ہوگی مگر سہیلی کی خوشی میں تمہیں بہرحال شریک ہونا چاہئے۔''

وہ منیب چودھری تھا۔ اپنے بے شرم مخصوص دل جلانے والے انداز میں بات کرتا ہوا۔ وہ اتنا بھڑکی کہ فون بند کر دیا۔ دوبارہ اسی نمبر سے کال آنے لگی۔

ایک بار

دو بار

تین بار

صلہ ڈھیٹ بن گئی۔ اس کا واحد حل نظر اندازی ہی تھی۔ تب میسج ٹون بج اٹھی۔ اسی نمبر سے ٹیکسٹ تھا۔ صلہ کچھ دیر ساکن اور خائف سی بیٹھی رہی۔ پھر نا چاہتے ہوئے بھی میسج اوپن کیا۔

''تمہیں مہندی کی رات ہر صورت میں حویلی پہنچنا چاہئے صلہ! شانزے کی مہندی کی رات تمہاری گولڈن نائٹ ہے کیا کروں میں بڑا اصول پرست ہوں یار! پہلی بیوی تم ہو تو مجھ پر پہلا حق بھی تمہارا ہی ہے۔ ہمیشہ یاد رکھنا اگر تم نے اکڑ دکھانے کی کوشش کی تو تمہاری سہیلی اس وقت تک مجھے حاصل نہیں کر سکے گی یہاں تک کہ میں تمہیں نہ پالوں۔''

یہ دھمکی تھی یا تنبیہ..... صلہ کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ اس نے عجیب سی وحشت میں گھرتے سیل فون پھینک دیا۔ اسے کسی بھی صورت منیب کی دھمکیوں کو خاطر میں نہیں لانا تھا۔ وہ اگر اسے شانزے کی وجہ سے بلیک میل کرنا چاہتا تھا تو یہ اس کی بھول تھی۔ بہرحال شانزے اس کی کمزوری کبھی نہیں رہی تھی۔ اس نے ہر خیال جھٹک دیا۔ فون خاص طور پر بند کر دیا تھا تاکہ منیب اسے کسی بھی چالاکی سے پریشان نہ کر سکے۔ شانزے کی

شادی کا دن آیا اور گزر گیا وہ شعوری نہ سہی مگر غیر شعوری طور پر مضطرب ضرور تھی۔ منیب سے خائف بھی مگر خیریت گزری تھی۔ اس کے بعد بھی بہت سے دن گزر گئے۔ شانزے کا کبھی کبھار فون آ جاتا۔ وہ اس سے اس لاتعلقی کا شکوہ کرتی جو صلہ نے اپنالی تھی۔ صلہ کے پاس سن کر نظر انداز کرنے کے سوا بھلا کیا چارہ تھا۔ انہی دنوں جب سرویاں عروج پر تھیں اور گرمی مکمل طور پر رخصت ہو چکی تھی شہریار اچانک واپس آ گیا۔ ممی کے ذریعے اسے شہریار کے ارادے کا بھی پتا چلا کہ اب وہ فی الفور شادی کا خواہاں ہے۔ صلہ کی پھر سے جیسے جان پر بن آئی' منیب سے بات کرنے کا جانے کس حد تک فائدہ ہوتا کہ اس نے ان دنوں مکمل طور پر خاموشی اختیار کر لی تھی۔ وہ ایک بار پھر اس سے رابطہ کر کے مطالبہ دہرانے کا سوچ رہی تھی کہ اس سے پہلے شہریار نے اس سے رابطہ کر کے ملنے کا کہہ دیا۔ اسے گلہ تھا کہ صلہ اسے نظر انداز کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ نظر اندازی نہیں تھی۔ خوف ہو سکتا تھا۔

گریز بھی

وہ اپنے مسائل میں ہی کچھ ایسے الجھ گئی تھی۔ ورنہ یہ حقیقت تھی کہ محبت صرف شہریار نے ہی نہیں کی تھی۔ اس نے بھی کی تھی۔ یہی محبت تھی جو اسے منیب جیسے شدت پسند شخص کے آگے بھی ہار تسلیم نہیں کرنے دیتی تھی۔ صلہ اسی شام شہریار سے ملی اور بہت سبھاؤ سے اپنی خود ساختہ مجبوریاں بیان کر کے فی الحال شادی روکنے کا مطالبہ کیا۔ شہریار جز بز تو ہوا مگر اسے انکار بھی نہیں کر پایا۔ صلہ کی آدھی ٹینشن ختم ہو گئی مگر اس وقت وہ حواس بحال نہیں رکھ سکی۔ جب اگلے دن یونیورسٹی سے واپسی پر اسے منیب نے اس وقت اپنی گاڑی میں غیر متوقع اور زبردستی کھینچ کر بٹھا لیا تھا۔ جب وہ پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کا دروازہ کھول رہی تھی۔ اس جارحانہ انداز پر وہ سنبھلے بنا کھلے دروازے سے توازن کھو کر پیچھے کی جانب کچھ اس انداز میں سنبھلے بغیر گری کہ اس کا سر زور سے منیب کے شانے سے ٹکرا کر اس کے زانو پر گرا تھا۔

''واٹ نان سنس.....!''

اسے روبرو پا کے اور خطرناک تیوروں کے ساتھ محسوس کر کے وہ اپنی جان ہوا ہوتی محسوس کرتی تھی مگر اس پر اپنا خوف ظاہر کر کے اسے شیر ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ جبھی ناگواری دبائے بغیر دھاڑی۔

''کل کس کے ساتھ تھیں تم.....؟''

اس کی آنکھوں سے لہو ٹپک رہا تھا گویا۔ انداز بے حد مشتعل تھا۔ صلہ تڑپ کر تیزی سے پیچھے ہوئی۔ منیب آگے کی سمت جھک کر دروازہ بند ہی نہیں لاک بھی کر چکا تھا۔ صلہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ اس کی نظروں میں تشویش گہری ہو رہی تھی کہ منیب گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

''گاڑی روکو.....''

وہ بے ساختہ چیخی۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے۔''

وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چلایا۔ ایسے کہ آواز پھٹ گئی۔ صلہ کو ایک دم اس سے خوف محسوس ہوا۔ وہ اتنے غصے میں تھا کہ صلہ کو لگا وہ کچھ بھی غلط کر ڈالے گا۔

''بولو.....''

وہ ایسے چلایا کہ صلہ کی جھنجھلاہٹ بڑھ گئی

''کیوں بتاؤں.....؟ تم ہوتے کون ہو پوچھنے والے.....؟''

وہ بھڑکی تھی۔ منیب اسی بھڑکتے انداز کو برداشت نہیں کر پایا جواب میں اس کے غیض وغضب کو بڑھا گیا تھا کہ اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور صلہ کا چہرہ پھیر کر رکھ گیا۔

''تمہاری بے شرمی اور بے حیائی کی کوئی حد ہے کہ تم اپنے شوہر کے سامنے اپنی غلطی اپنے گناہ پر بجائے شرمندہ ہونے کے اکڑ کر دکھا رہی ہو.....''

اس پل وہ سراپا قہر تھا۔ صلہ حواس باختہ سی نظر آئی۔

سراسیمہ

غیر یقین

متحیر

وحشت زدہ

اس کی آنکھوں میں کتنی حیرانی تھی۔ وہ گال پر ہاتھ رکھے گنگ سی اسے دیکھتی تھی۔ نم آنکھیں ساکن تھیں۔

''میں ابھی..... اسی وقت تمہیں اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔ سمجھ لو رخصتی ہو گئی تمہاری۔ اس سے زیادہ چھوٹ نہیں دے سکتا تمہیں کہ تم یوں میری عزت رولتی پھرو''

وہ بھڑک کر پھنکار زدہ آواز میں آگاہ کر رہا تھا۔ صلہ کا سکتہ چھناکے سے ٹوٹا۔ وہ جیسے پوری جان سے کانپ اٹھی۔

''وہ..... شہریار ہے۔ میرا فیانسی..... جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا..... اس کی سوائے میرے کسی کو بھی خبر نہیں ہے۔ میں اس سے شادی رکوانے کی وجہ سے ملی تھی اور.....''

''اور اب سب کو پتا چل جائے گا..... تم خود بتانا پسند کرو گی یا میں ہی یہ زحمت بھی کروں.....؟''

آنسوؤں کے بیچ وہ کتنی مشکل سے وضاحت کر رہی تھی تو مقصد اسے اس کے ارادے سے باز رکھنا تھا۔ مگر جس طرح منیب نے قطع کلامی کرتے اس پر اپنا عزم ظاہر کیا اسے پھر سے دھچکا لگا۔

منیب کا موڈ اور مزاج ہنوز جارحانہ تھا۔ وہ بے تحاشہ غصے کا شکار ہو چکا تھا گویا۔ صلہ کا دل پاتال میں گرنے لگا۔ وہ اس کی ہٹ دھرمی سے آگاہ ہو چکی تھی۔ ایک بار پھر اس ضد کی بھینٹ چڑھنے کو تیار نہیں تھی۔ ضد..... نفرت' غصہ کام نہیں آ سکتا تھا۔

سابقہ حالات گواہی دیتے تھے کہ ایسے ہمیشہ معاملے بگڑے تھے۔ اسے خود پر جبر کرنا پڑا۔ آواز میں نرمی شامل کرنی پڑی۔

''دیکھو..... دس از ناٹ فیئر..... یہ سب کچھ ایسے نہیں ہونا چاہئے..... میں.....''

''شٹ اپ صلہ! شٹ اپ۔''

وہ دھاڑا۔ اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ صلہ سہم کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں کہہ چکا ہوں میں تمہیں مزید چھوٹ نہیں دے سکتا۔ تم میری بیوی ہو تو یہ بات اب سب کو معلوم ہونی چاہئے۔''

گاڑی کی اسپیڈ خطرناک حد تک تیز ہو رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ صلہ روہانسی سی ہونے لگی۔ ذلت کا ایک اور باب کھلنے جا رہا تھا۔ جو اسے ہرگز گوارا نہیں تھا۔ لازم نہیں کہ قسمت ہمیشہ اس پر مہربانی کرے۔ وہ پھنس بھی جائے اور باحفاظت چھوٹے بھی۔ تیز ہوتے تنفس کے ساتھ اس نے دونوں ہاتھ منیب کے بازو پر رکھ کے دباؤ ڈالتے ایک طرح سے جھنجھوڑا۔

''بات سنو منیب.....! میری بات سنو.....''

وہ سرخ تر چہرے کے ساتھ زور سے چیخی۔ منیب نے ایک نگاہ اسے دیکھا تھا اور بے ساختہ مسکرانے لگا۔ اس کی نظریں صلہ کے ہاتھوں پر ٹھہر گئیں۔ جن کی گرفت میں اس کا بازو ہنوز تھا۔ اس کی کیفیت کی تبدیلی کی وجہ بھی یہی تھی۔ جسے صلہ نے سمجھا نہ محسوس کیا۔

''تمہاری وجہ سے میں پہلے ہی بہت ذلیل ہو چکی ہوں اپنی نظروں میں..... اب اور نہیں۔ مجھے نہیں پتا یہ تمہاری ضد ہے انا ہے یا.....''

''محبت کیوں نہیں کہتی ہو۔ محبت کیوں نہیں سمجھتی ہو۔''

وہ اس کی بات کاٹ کر بڑے محبوبانہ عاشقانہ انداز میں کہہ گیا۔ مگر صلہ نے کان کہاں دھرا وہ اس مجنونانہ کیفیت کے زیر اثر کہہ رہی تھی۔

''کان کھول کر سن لو۔ اگر تم اسی طرح زبردستی مجھے اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے تو میں قسم کھا کر کہتی ہوں خود کو ختم کر لوں گی۔ چاہے کسی بھی طریقے سے مگر تمہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔''

پھوٹ پھوٹ کر روتی وہ اپنے خطرناک عزائم سے آگاہ کر رہی تھی۔ چہرے کی درشتی..... لہجے کا سنگین و فطین پن اس کے ارادے کی پختگی کا گواہ تھا۔ منیب کے سنگی چہرے پر لمحہ بھر کا تغیر پیدا ہوا۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرتے اس نے اک نظر صلہ پر ڈالی تھی۔ کچھ دیر یونہی دیکھتا رہا۔ پھر متاسفانہ گہرا سانس بھرا تھا۔

''جانتا ہوں..... جتنی نفرت تم مجھ سے کرتی ہو..... ساری عمر بھی خود سے اس رشتے آمادگی ظاہر کرو گی نہ مجھے ایکسپٹ کرو گی مگر یاد رکھنا..... میں نہ تو تم سے دستبردار ہوں گا۔ نہ تمہیں خود سے الگ کروں گا۔ لیکن اگر تمہاری یہ ضد ہے کہ ایسے نہیں..... تو تمہاری ضد کیلئے خود کو مزید انتظار کی سولی پر ٹانگتا ہوں۔ پورے اعزاز سے لے کر جاؤں گا تمہیں۔ پھر کوئی حیلہ بہانہ نہیں کرنے دوں گا۔ اوکے.....؟''

اس کا نم گال تھپکتے وہ گاڑی کا رخ تبدیل کر چکا تھا۔ صلہ کو ایک لمحے کو یقین نہیں آ سکا۔ وہ ایک بار پھر بچ گئی ہے۔ یہ یقین اس وقت آیا تھا جب وہ اسے اس کے گھر کے سامنے ڈراپ کر کے گیا۔ اس کیلئے فی الحال یہی کافی تھا کہ وہ طیش سے بپھرے مرد کے چنگل سے صحیح سالم بچ نکلی ہے۔

☆☆☆

''السلام علیکم!''

ٹب میں بھگوئے کپڑوں کو ہاتھوں سے مل مل کر دھوتی ماما نے حیرانی سے پلٹ کر دیکھا۔ مہران شاہ کو روبرو پا کے انہیں قطعی یاد نہ آ سکا۔ وہ کچھ عرصہ قبل اس نوجوان کو کب کہاں دیکھ یا مل چکی ہیں۔ شکل البتہ کچھ شناسا ضرور لگی تھی۔

''وعلیکم السلام بیٹے!''

انہوں نے مروتاً کہا۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ انہیں یکسر اجنبی غیر نوجوان کا گھر میں یوں چلے آنا قطعی پسند نہیں آ سکا تھا۔

''آپ کو کچھ کام تھا زارا سے.....؟ وہ تو مگر گھر پر نہیں ہے۔''

انہوں نے مختصر سے صحن کے سرے پر بیرونی دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے شخص کو ٹرخانا چاہا تو وہ اس گریز کو پاتا بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

''قطعی نہیں..... میں تو یہاں سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ کی خیریت دریافت کرتا چلوں۔''

اس کے انداز میں اخلاقیات بھی تھیں۔ رواداری بھی۔ ماما نے ٹب اپنے سامنے سے سرکایا اور نل پر ہاتھ دھونے لگیں۔ اب ان کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ اسے بیٹھنے کی پیشکش کریں۔ جس کے جواب میں وہ پیپل کے درخت تلے بچھی کرسی پر ہی بہت بے تکلفی سے براجمان ہو گیا تھا۔ ماما نے اک نظر اس بے حد شاندار ویل ڈریس نوجوان کو دیکھا تھا اور خاموشی سے اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد لوٹیں تو چھوٹی ٹرے میں چائے کے مگ کے ساتھ پلیٹ میں بسکٹ بھی سجے ہوئے تھے۔

''ارے..... آپ نے اتنا تکلف کیوں کر لیا ماں جی.....''

وہ خفت زدہ سا بولا تھا۔ ماما کی نگاہ اسی پل اس کے لاکر رکھے فروٹس کے شاپر پر پڑی تو چہرہ عجیب سی سنجیدگی سمیٹ لایا۔

''تکلف تو آپ نے کیا ہے بیٹے! میں اک بات کہنا چاہوں گی۔ عین ممکن ہے آپ کو اچھی نہ لگے۔ ہمارا شمار الحمد للہ ان لوگوں میں نہیں ہوتا جو روزگار کیلئے ناجائز ذرائع اختیار کر لیتے ہیں۔ میں روایات کی پاسداری کی قائل اللہ سے ڈرنے والی ہوں۔ جوان بیٹی کی ماں کو یوں بھی محتاط ہونا چاہئے۔ مجھے امید ہے آپ میری تھوڑی کہی بات سے ہی اصل نتیجہ اخذ کر چکے ہوں گے۔''

وہ خاموش ہو گئیں۔ ان کا خیال تھا مہران کا چہرہ ضرور اتر جانا چاہئے تھا۔ لہجہ جتنا بھی نرم سہی مگر بات ضرور سخت تھی۔ اس کے باوجود وہ مسکرا رہا تھا۔ انہوں نے اچنبھے میں گھر کر اسے دیکھا۔

''مجھے آپ کی صاف گوئی پسند آئی ہے ماں جی! یقین کریں میری والدہ بھی ایسی ہی ہیں۔ انہیں تو میرا ذریعہ معاش بھی نہیں پسند..... جبھی میں ان کیلئے ایسی بہو کا انتخاب کرنا چاہتا ہوں۔ جو میری اصلاح کا ذریعہ بن سکے۔ آپ سے یہی گزارش کرنے آیا تھا۔ آپ مجھے اپنی فرزندی میں لے لیں تو اعزاز ہوگا۔ اپنا عندیہ ظاہر کر دیں تو میں والدہ کو بھیجوں گا۔''

ماما کا منہ حیرت کی زیادتی سے کھلا رہ گیا۔ انہیں لگا تھا۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہی ہیں۔ اللہ کیسے پیارے انداز میں نواز دیتا ہے۔ اس وقت بھی جب آپ ہر طرف سے مایوس ہو چکے ہوتے ہیں۔ انہیں بھی ایسے ہی لگا تھا۔ وہ یکا یک نواز دی گئی ہیں۔

☆☆☆

''جی میں کہہ رہی ہوں قسط تقریباً مکمل ہے۔ اک دن بعد مل جائے گی آپ کو..... ای میل کروں گی۔ ڈونٹ یو وری.....''

سیل فون کان سے لگائے منہ تقریباً بیگ میں گھسائے وہ اک ٹائم میں دو کام کر رہی تھی۔ فون پر ایڈیٹر کو مطمئن کرنے کا۔ بیگ سے کارڈ ڈھونڈنے کا کہ گھر سے باہر آتا مہران شاہ اسے یوں روبرو پا کر ایک دم خوشگواریت میں مبتلا ہوتا ہونٹوں کی تراش میں ابھرتی مسکان دباتا عین اس کے راستے میں جم کر کھڑا ہو گیا۔

''آہم ہم ہم.....''

وہ دانستہ کھنکارا تھا۔ مقصد توجہ حاصل کرنا تھا۔ زارا نے مصروف سے انداز میں لمحہ بھر کو سر ادنچا کیا۔ نظریں بھی سرسری تھیں۔ جو پلٹتے پلٹتے ایک دم چونک کر اس پر جم گئیں۔

''جی بہتر۔ ادکے۔ اللہ حافظ!''

زارا نے گفتگو سمیٹی اور سیل فون کان سے ہٹا لیا۔ مہران شاہ کا اشارے کا سلام وہ صاف صاف نظر انداز کر چکی تھی۔

''کیسی ہیں.....؟''

وہ بے حد ہشاش بشاش تھا۔ زارا جو انجان بن کر گزرنا چاہتی تھی اس کے راستہ پھر سے روک لینے پر یکدم غصے میں بھر گئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

اس کے چتون بے حد تیکھے تھے۔ مہران بے ساختہ مگر مصنوعی انداز میں گڑبڑایا۔

''میں نے کیا کیا ہے.....؟''

وہ جیسے معصومیت کے ریکارڈ قائم کر رہا تھا۔ زارا کو اسی اداکاری پر طیش آیا۔

''کچھ نہیں کیا.....؟''

وہ غرائی۔

''یہاں میرے گھر کے آس پاس تمہارا کیا کام ہے؟''

وہ مٹھیاں بھینچے کھڑی دانت پیس رہی تھی۔

''آپ کی والدہ سے ملنے آیا تھا۔''

اس نے اطمینان سے کہتے مسکراہٹ دبائی۔

''کیوں.....؟''

اس نے باقاعدہ آنکھیں نکالیں۔

''انہی سے پوچھ لیجئے گا بہتر ہے۔ ویسے میں نے تو نہیں پوچھا تھا آپ سے کہ کچھ دن قبل جنرل سٹور کے باہر آپ کے ساتھ وہ ہینڈسم سا بندہ کون تھا۔ حالانکہ دل بہت جلا تھا یہ دیکھ کر.....''

مہران شاہ کا انداز اسے ششدر کر کے رکھ گیا۔ اس کا منہ باقاعدہ کھل گیا تھا۔ وہ عمر کے ساتھ اسے دیکھ کر اسے جتلانے والا کون ہوتا تھا بھلا۔''

''مسٹر.....! آپ اپنی حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔''

انگلی اٹھا کر تنبیہ کے انداز میں کہتی وہ مہران کو کسی شرارت پر اکسا گئی تھی۔ جس سے بڑی مشکل سے خود کو باز رکھتا وہ سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

''ان حدود کا ہی تو تعین کرانا چاہتا ہوں آپ کو..... جو انشاء اللہ جلد کرا بھی دوں گا۔ چلتا ہوں والدہ سے پوچھئے گا میری یہاں آمد کا مقصد..... بتا تو میں بھی سکتا ہوں مگر ہتک عزت کا خدشہ لاحق ہے۔''

وہ مسکراہٹ دباتا آگے بڑھ گیا تھا۔ زارا نے دیکھا۔ ہمسائی دروازے کی جھری سے اس پر نظر رکھے کھڑی تھی۔ ویسے بھی وہ یہاں عجیب مخلوق مشہور تھی۔ اب شاید کردار بھی مشکوک ہو جاتا اسے عجیب سی بے چینی نے گھر لیا۔ جبھی اندر آ کر پیچھے دروازہ بند کر لیا تھا۔ ماما کپڑے دھونے میں مگن تھیں۔ وہ ان سے کوئی بات کئے بنا اپنے کمرے میں گھس آئی۔ تنا ہوا ذہن ریلیکس کرنے کی خاطر اس نے چائے کا مگ بنا کر چسکیاں لیتے خود کو لکھنے کیلئے تیار کرنا شروع کیا تھا۔ چائے ختم ہوئی تو کپ رکھتے اس نے قلم اٹھا لیا جو چلا تو کئی گھنٹے گزر گئے سر تب اٹھایا جب کہانی مکمل ہوئی۔

اس نے قلم رکھنے سے قبل محسوس کر لیا تھا۔ ماما اس کی منتظر ہیں۔ اسے حیرت بھی ہوئی۔ وہ بات کرنے کیلئے اس کے فارغ ہونے کا انتظار تو نہیں کیا کرتی تھیں۔ جو کہنا ہوا کرتا کہہ دیا کرتیں۔ اسے وہ کسی الجھن یا پھر تذبذب کا بھی شکار لگیں۔

''ماما.....!!!''

وہ حیران ہوئی خود اٹھی۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بستر پر بٹھا لیا۔

''ایسے کیوں کھڑی تھیں.....؟ پریشان لگتی ہیں۔''

وہ انہیں بغور اور تشویش آمیز انداز میں تک رہی تھی۔ ماما آہستگی سے سر جھٹک کر مسکرانے لگیں۔

''نہیں میں بالکل پریشان نہیں۔''

''پھر ایسے خاموش کیوں تھیں؟''

زارا کی الجھن ختم ہونے میں نہیں آئی۔

''کچھ نہیں بیٹے! اب زیادہ آنکھیں نہ پھوڑو اپنی۔ کوئی ضرورت نہیں ایسے صحت برباد کرنے کی.....''

انہوں نے اٹھتے ہوئے اس کی فائل بند کر دی تھی زارا کو پہلے حیرت پھر ہنسی نے آ لیا۔

''کیوں.....؟ آپ کے بیٹے نے آپ کو آپ کا حصہ دے دیا ہے.....؟''

اس کا انداز شرارتی ہوا۔ ماما کی سنجیدگی میں فرق نہیں آ سکا۔

''اس مسئلے کا صرف یہی ایک حل نہیں ہے۔''

وہ ذرا سا خفا نظر آئیں۔ زارا نے کاندھے جھٹک دیئے۔

''پھر کیا کوئی پرائز بانڈ نکل آیا ہے ماما؟''

اس کی نگاہوں میں الجھن تیرنے لگی تھی اب۔''

''ہاں..... ایسا ہی سمجھ لو۔''

وہ اب کے مسکرا رہی تھیں۔ زارا نے گہرا سانس بھرا اور اٹھ کر ان کے قریب آ گئی

''ماما.....! پہیلیاں نہ بجھوائیں پلیز.....''

''میں شادی کرنا چاہتی ہوں تمہاری۔''

انہوں نے ایک دم سے کہہ دیا۔ انداز کسی حد تک خائف ضرور تھا۔ مگر ہٹ دھرم ضدی سا بھی تھا۔ زارا ایک دم ڈھیلی پڑ گئی۔

آپ کو منع کر چکی ہوں میں کہ میں.....''

اور میں بھی منع کر چکی ہوں کہ میں اپنی وجہ سے تمہاری زندگی برباد نہیں کروں گی۔''

انہوں نے دوٹوک قطعی انداز اپنایا۔ زارا کے چہرے پر سرخی سی چھا گئی۔

''سب کچھ چھوڑیں۔ ایک دم کیوں شادی پر زور ڈالنے لگیں.....؟ آپ کو رشتہ کہاں سے مل گیا اچانک.....؟

اس کا انداز کھوج لگانے والا کسی نتیجے پہ پہنچنے والا تھا۔

''کہیں سے بھی ملا ہو۔ بات یہ ہے کہ اب تمہاری شادی ہونی چاہئے تاکہ میں بھی سکون سے مر سکوں۔''

ان کا انداز مخصوص قسم کی بلیک میلنگ لئے تھا۔ زارا سر کو نفی میں ہلانے لگی۔

''قطعی نہیں۔ سکون سے مرنے سے قبل سکون کی زندگی کی بات ہوتی ہے۔ آپ زندہ ہیں ماما! اور میں آپ کو ایسے چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ میرا جواب یہی ہے۔ آج بھی کئی سالوں بعد بھی یہی رہے گا۔''

اس نے بات مکمل کی تھی اور اٹھ کر واش روم میں وضو کے ارادے سے گھس گئی۔ پتا نہیں دل کیوں ایک دم گھبراہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔ اب شک نہیں رہا تھا۔ اماں سے اس سے سلسلے میں بات کرنے والا مہران شاہ ہی تھا۔ اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ بندہ کیوں اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ نظر کیا آیا تھا اسے..... کہیں وہ اپنی توہین کا بدلہ ہی نہ چکانا چاہ رہا ہو ایسے اور سدا سے سادہ لوح ماما اس کی باتوں میں آ گئیں۔

☆☆☆

اس دھوپ میں ہوتا رہوں تحلیل کہاں تک
اے عشق تیرے حکم کی تعمیل کہاں تک
بکھرا ہے بدن گرد راہ شوق کی صورت

لے آئی مجھے خواہش تکمیل کہاں تک
لو آنکھ کا یہ آخری قطرہ بھی ہوا خشک
صحراؤں سے بھلا لڑتی رہے جھیل کہاں تک

دن بہت سست روی سے گزرتے تھے۔ مگر پھر بھی کتنا وقت بیت گیا تھا۔ گرمیاں رخصت ہوئیں اور سردیاں قہر جمانے لگیں۔ عمر دراز کی وہی روٹین تھی۔ اب تو علیزے بھی اماں کی لعن طعن اور جھڑکیوں کی عادی ہوگئی تھی۔ سعدیہ کے مشکوک انداز اس پر عیاں تھے۔ ایک دوبار اسے سمجھانے کی کوشش کی اس نے مگر وہ اتنا بدل گئی تھی۔ انداز و اطوار اس قدر بدل گئے تھے کہ اسے لگتا ہی نہیں تھا۔ یہ معصوم سی سعدیہ ہی ہے۔ وہ اسے سیما کا دوسرا عکس لگا کرتی۔ علیزے اس کی جانب سے تفکر کا شکار تھی۔ ظاہری بات ہے اماں یا سیما سے کیا کہتی۔ انہی کی ایما پر یہ سارا کچھ ہو رہا تھا۔ عمر سے اتنی بے تکلف ہی کہاں تھی وہ کہ اس نازک موضوع کو زیر بحث لاتی۔ مگر پریشانی تھی کہ بڑھتی جاتی تھی۔ ابھی یہ پریشانی ختم نہیں ہو پائی تھی کہ ایک اور دھماکہ ہوا۔ سیما اسد سے کسی بھرپور جھگڑے کے نتیجے میں گھر چھوڑ کر آ گئی۔ جھگڑے کی نوعیت کا ظاہری سی بات ہے اسے معلوم کیسے ہوتا۔ اسے نہ تو اس کا بھائی کسی قابل سمجھتا تھا۔ نہ ہی سیما کے بھائی کے نزدیک وہ کوئی اہمیت حاصل کر پائی تھی۔ سیما کی نفرت اسد کیلئے اتنی تھی کہ وہ اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی۔ پورا گھر تناؤ کی کیفیت میں آ چکا تھا۔ سب سے زیادہ عتاب تین نہ تیرہ میں ہونے کے باوجود علیزے پر ہی ٹوٹا ہوا تھا۔ اماں اور سیما اس موقع پر علیزے کو ہر صورت گھر سے نکالنے کے درپے ہوگئیں تھیں۔ وہی وٹے سٹے والی روایتی سی نفرت یعنی اگر ایک فریق کی غلطی ہے تو دوسرے سے لازمی وہی فیصلہ کرانا ہوتا ہے۔ علیزے اس کھلے ظلم پر احتجاج بلند کئے بغیر نہیں رہ سکی۔

''میں ماما کے گھر نہیں جاؤں گی۔''

زمین اس کے پیروں تلے سے سرک رہی تھی۔ وہ اس زمین پر قدم مضبوط رکھنا چاہتی تھی۔ ماما کیسے عذاب کا شکار تھیں۔ وہ ان کے دکھوں میں اضافہ کیسے کرتی۔ مگر اماں کو کون سمجھاتا۔ جن کی جہالت عروج پر تھی۔

''کیوں نہیں جائے گی؟ اگر میری بیٹی میکے کی دہلیز پر آ کر بیٹھ سکتی ہے۔ تو تو کیسے یہاں رہے گئی.....؟ چل..... چل تو بھی نکل.....''

انہوں نے اسے اس انداز میں دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچی' آنسو مزید شدت سے بہنے لگے

''جھگڑا آپ کی بیٹی کا ہوا ہے اماں! میں نے تو کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔''

وہ سسکی' یہ صفائی بھی سیما کو سیخ پا کر گئی۔

''تم طعنے دے رہی ہو مجھے.....؟''

وہ غرائی' پھر آنکھیں نکال کر چلانے لگی۔

''تم ٹھہریں گھنی میسنی..... جھگڑا کیوں کرو گی۔ میٹھی چھری جو ٹھہری۔ ہم جیسے جانتے نہیں تھے۔ بی بی سزا تو تمہیں بھی ملے گی۔ ابھی گھر سے تمہیں میں نکالوں گی۔ پتہ تیرا عمر کاٹے گا طلاق دے کر' دیکھتی ہوں کیسے اکڑتی ہے تو.....''

سیما اسے پکڑ کر گھسیٹ کر گھر سے نکالنا چاہتی تھی۔ علیزے کو اور کچھ نہیں سوجھا تو بھاگ کر کمرے میں آئی اور دروازہ لاک کر دیا۔ اس کی ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھیں۔ اس کا دل پسلیاں توڑ کر سینے سے باہر آنے کو تھا۔ وجود پسینوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہیں دروازے کے ساتھ نیچے بیٹھ گئی۔ باہر سیما اور اماں نے ایک طوفان مچایا ہوا تھا۔ اس کا دل جانے کس کس خدشے کے تحت ڈوبنے لگا۔ جیسے سیما دروازے کو ٹھڈے مار رہی تھی۔ اسے خدشہ لاحق ہوا۔ دروازہ توڑ ڈالے گی وہ۔

گالیاں

کوسنے

طعنے

چیخ و پکار

وہ لرزتی رہی' روتی رہی۔ یہاں تک کہ اماں سیما کو نیچے لے گئیں۔ وہ باہر خاموشی ہو جانے کے باوجود بہت دیر تک اٹھنے کے قابل نہیں ہو سکی۔ خاصی تاخیر سے اس نے خود کو گھسیٹ کر بستر تک لانے کے بعد فون اٹھا کر ماما کا نمبر ملایا تھا تو آنسوؤں میں شدت آ رہی تھی۔

''ماما.....!!!''

وہ کراہی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس بات کا کہاں خیال رکھ پاتی کہ وہ کتنی پریشان ہوتی ہیں۔

''علیزے..... کیا ہوا بیٹے! خیریت ہے نا سب؟''

وہ کتنی ہراساں ہو چکی تھی آن کی آن میں۔''

''ماما..... یہ لوگ مجھے گھر سے نکال رہے ہیں۔ پلیز کچھ کریں۔''

وہ بلکنے لگی۔ اس التجا میں کیسی تڑپ تھی۔ ان کا کلیجہ ہل گیا۔

''کیوں.....؟''

وہ ٹھٹھکیں' پھر جیسے گہرے غم کا شکار ہونے لگی تھیں۔

''سیما کر رہی ہو گی یہ سب.....؟ کیا کروں بیٹے! ہم تو کٹھ پتلیاں ہیں۔ جن کی ڈوریاں انہی سفاک لوگوں کے قبضے میں جا چکی ہیں۔''

وہ خود رونا شروع کر چکی تھیں۔ یہی تو خدشہ انہیں ہر گھڑی سہاتے رکھتا تھا۔ جو بالآخر سر پر آن کھڑا ہو گیا تھا۔

''میں ایسا نہیں چاہتی ہوں ماما! میری زندگی تماشہ بن گئی ہے۔ کل پھر ان لوگوں کی صلح ہو جائے گی تو یہ مجھے بھی واپس بلا لیں گے۔ پھر لڑائی ہو گی تو پھر مجھے نکالیں گے۔''

اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں۔ اس سے بات بھی مشکل سے ہو رہی تھی۔ ماما اسے تسلی دلاسے دیتی رہیں۔

''مت رو بیٹے! حوصلہ رکھو۔ عمر سے بات کرو۔ وہ کیا کہتا ہے۔''

انہوں نے اک اور راہ دکھلائی۔ علیزے کے اندر بے چارگی گھر کرنے لگی۔ وہ انہیں کیا بتاتی کہ عمر

نے کبھی اسے اتنی اہمیت دی ہی نہیں تھی کہ اپنے پرسنل شیئر کر لیتی اس سے۔

اس نے فون بند کر دیا۔ شام کے بعد رات اتر آئی۔ مسلسل رونے سے اس کی آنکھیں سوجھ رہی تھیں۔ وہ کمرے سے نہیں نکلی۔ اسی جگہ بیٹھی رہی۔ جانے کب آنکھ لگ گئی۔ رات کا دوسرا پہر تھا جب کمرے کے دروازے پر دستک ہونے لگی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ سر درد کی شدتوں سے پھٹا جاتا تھا۔ مگر ہر احساس پر خوف غالب آ گیا۔ وہ سہمی ہوئی۔ بند دروازے کو تکتی رہی تھی کہ پھر دروازے پر دستک ہوئی ساتھ ہی عمر اسے دروازہ کھولنے کا کہہ رہا تھا۔ وہ ایک دم اٹھی۔ تن مردہ میں جیسے جان پڑی تھی اس کی موجودگی کے خیال کے ساتھ ہی۔ وہ سرعت سے اٹھی اور آگے بڑھ کر دروازہ کا بالٹ گرا دیا۔ عمر نے خود دروازہ وا کیا تھا۔ وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔ بکھرے بال متورم چہرہ شدت گریہ کی گواہ سرخ رو آنکھیں۔

''طبیعت ٹھیک ہے آپ کی.....؟''

وہ نرمی سے مستفر ہوا۔ علیزے کی آنکھیں پھر سے لبالب پانیوں سے بھر گئیں۔

''جی..... آپ کب آئے.....؟''

وہ بے حد خائف لگ رہی تھی۔ بے حد سراسیمہ۔

''ابھی کچھ دیر پہلے..... اماں نے بلوایا ہے۔''

وہ اندر آ گیا۔ علیزے دھک سے رہ گئی۔ اس نے متوحش نگاہوں سے اس کا چہرہ جھانچا۔ جانے اب کیا کہتا وہ..... اسے گھر سے نکال دیتا ماں کے حکم پر۔ میں اسے بتا دوں کہ میں گھر سے جانا نہیں چاہتی۔ وہ خود ہی سوال جواب کر رہی تھی۔ مگر اس مرحلے کی نوبت نہیں آئی۔ اماں اور سیما دندناتی ہوئیں اندر آن گھسیں۔

''ابھی نکالو اسے گھر سے باہر..... اس کی ماں کو فون کرو۔ آ کر لے کے جائے اسے۔ میری بیٹی کو بھی نکالا ہے۔''

اماں آتے ہی چلانے لگیں۔ سیما کی نظریں انگارے برساتی تھیں۔ علیزے نے وحشت زدہ نظروں سے انہیں دیکھا عمر ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آیا۔

''ہاں تو اور کیا..... ہم تو اسے نکال دیتے۔ مگر یہ کمرے سے نہیں نکلی۔''

سیما کا انداز قہر آلود تھا۔ گویا بس نہ چلتا تھا۔ علیزے کا گلا دبا دے۔

''میں نہیں جاؤں گی۔ میں کہہ چکی ہوں۔''

وہ ضبط گنوا کر چلائی۔ آنسو پلکوں کی دہلیز پھلانگتے گالوں پر مچل رہے تھے۔ عمر نے چونک کر ٹھٹھک کر اسے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔

''کیسے نہیں جاتی.....؟ ابھی بتاتی ہوں تمہیں.....''

اماں کا ضبط بھی یہیں تک تھا۔ وہ یقیناً اس پر ہاتھ اٹھاتیں۔ اگر عمر بروقت مداخلت نہ کر جاتا۔

''پلیز اماں! آرام سے۔''

اس کا لہجہ عاجزانہ بھی تھا۔ ملتجیانہ بھی۔ اماں کو سخت گراں گزرا۔ جبھی اس پر چڑھائی کر دی۔

''کیا آرام سے.....؟''

وہ غرائیں۔ پھر علیزے کو گھورا۔

''نکال اسے باہر.....''

عمر نے جواباً نرمی سے رسان سے انہیں شانوں سے تھام لیا۔

''رات ہو چکی ہے اماں! اس وقت کہاں جائے گی۔ پلیز سمجھیں۔''

وہ بہت دیر تک انہیں باہر لے جا کر ٹھنڈا کرتا رہا۔ سیما قائل نہ ہو رہی تھی۔ اس وقت نکالنے پر کمربستہ تھی۔ بہت دیر تک پھر جھگڑا کرتی رہی۔ عمر کے اتنا سمجھانے پر صبح تک علیزے کو مہلت دینے پر بامشکل رضا مند ہو کر دونوں نیچے گئی تھیں۔ علیزے حواس باختہ سی بیٹھی تھی۔ عمر نے دروازہ بند کر کے اسے دیکھا اور گہرا متاسفانہ سانس بھرا کہ وہ تیزی سے اٹھ کر اس کے قریب آ گئی تھی۔

''آ آ آپ صبح مجھے گھر سے نکال دیں گے.....؟''

اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ سراسیمگی کی انتہا ہو رہی تھی۔ عمر نے نظر چرالی۔

''آپ کیا چاہتی ہیں.....؟''

اسے اس لڑکی پر واقعی ترس آ رہا تھا۔

''میں واپس جانا نہیں چاہتی۔ ہمیشہ یہاں رہنا چاہتی ہوں۔''

بہتے آنسو پونچھتے وہ بغیر کسی ردوکد کے بولی تھی۔ عمر نے بہت خاموشی سے اس کا جائزہ لیا۔ گہرا سانس بھرا پھر سر کو نفی میں جنبش دی۔

جذباتیت کے بغیر فیصلہ کریں علیزے! آپ کیلئے واپسی کا بہترین موقع ہے۔ آپ پر کوئی الزام بھی عائد نہیں ہوگا۔ آپ اپنی مرضی کی راہ چن لیں۔''

وہ کتنا سنجیدہ تھا یا پھر بے حس۔ علیزے کو وہ کھٹور لگا۔ بہت زیادہ سفاک بھی۔ وہ اس بات سے کتنا ہرٹ ہوئی ہے یہ نہیں سمجھ سکتا تھا شاید وہ۔''

''آپ مجھے رکھنا نہیں چاہتے.....؟ ہے ناں.....؟''

وہ بے ساختہ سسکی۔ عمر نے ہونٹ بھینچ لئے

''میں جانتی تھی۔ آپ اپنی اماں اور بہن کے خلاف چل کر میرا ساتھ دے ہی نہیں سکتے۔''

وہ ایک دم سے پھر رونے لگی۔ عمر گڑبڑا گیا۔

''یہ بات بالکل نہیں ہے علیزے! آپ کو شاید یاد نہ ہو مگر میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں واپسی کے راستے آپ کیلئے کھلے چھوڑنا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ میں سمجھ سکتا تھا آپ کے ساتھ زبردستی کی گئی۔ یہاں کچھ بھی مجھ سمیت آپ کے شایان شان نہیں تھا اور زبردستی کے بندھن پائیدار نہیں ہوتے..... جب دلوں میں گنجائش نہ ہو تو.....''

''مگر یہ میرا نصیب تھا اور نصیب سے جھگڑا نہیں کیا جا سکتا۔ میں اپنے نصیب کے لکھے پر اگر شاکر نہیں بھی تھی تو شادی کے بعد شاکی بھی نہیں رہی اور کس کے دل میں گنجائش نہ ہونے کی بات کر رہے ہیں

آپ.....اپنے.....؟''

اس کی بات قطع کر کے صفائی پیش کرتے وضاحت کرتے وہ آخیر میں شکوہ بھی کر گئی۔ عمر کو پھر جھٹکا لگا۔ اس نے سٹپٹا کر سر کو نفی میں ہلایا۔

''میں تو آپ کی بات کر رہا ہوں..... میں تو آپ کو پہلی بار دیکھ کر ہی.....''

معاً وہ ایک دم احساس ہونے پر کھسیاہٹ کا شکار ہوتا زبان دبا گیا۔ علیزے چونک کر رہ گئی۔

''کیا کہہ رہے تھے.....؟ پوری کریں بات.....''

اس کی بے تابی صاف ظاہر تھی۔ عمر کی خجالت میں اضافہ ہونے لگا۔ ٹھنڈی سانس بھرتا نظریں چرا گیا۔

''میں بہت عام انسان ہوں علیزے! جبکہ کیا شک کہ آپ بہت زیادہ خوبصورت ہیں اور خوبصورت چہروں سے خود بخود محبت ہو جایا کرتی ہے' بات یہ ہے کہ میں کسی لحاظ سے بھی خود کو آپ کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔''

وہ پہلی بار کھل کر اپنی کیفیت آشکار کر رہا تھا۔ علیزے نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''آ آپ.....مجھ سے محبت کرتے تھے.....واقعی.....؟''

وہ کتنی حیران ہو رہی تھی۔ عمر شرمسار سا مسکرایا۔

''ہاں پہلی نظر کی ہی محبت' پھر یہ محبت بڑھتی گئی۔ جبھی تو میں اکثر آپ کی خاطر اماں کی بھی نافرمانی کرنے لگا تھا۔ جو پہلے کبھی نہیں کی تھی۔''

وہ جھینپا جھینپا سا مزید انکشاف کر رہا تھا۔ علیزے کی حیرت دو چند ہو گئی۔

''اس لئے مجھے اپنے ساتھ بھی لے جانا چاہتے تھے.....؟''

عمر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آہستگی سے تائیداً سر ہلایا۔

''مجھے اماں کا آپ کو جھڑکنا ڈانٹنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ میں آپ کو زیادہ سے زیادہ اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے پہلے دن سے ہی پتا تھا کہ اک دن یہ سب ہوگا جو آج ہوا۔ میں اسی لئے آپ پر راہیں کھلی رکھنا چاہتا تھا۔''

علیزے گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

''یہ کیسی عجیب محبت تھی.....؟ مجھے چاہتے تھے اور خود سے کھونے کو بھی تیار تھے۔''

وہ خفا ہو کر پوچھنے لگی۔ عمر کی شرمندگی دو چند ہوئی۔

''بس' میں آپ کو خوش رکھنا چاہتا تھا۔ آپ کو اپنے پاس رکھنا تو میری ذات کی خوشی تھی۔''

اس وضاحت پر علیزے اسے یونہی دیکھتی رہ گئی۔

اب جبکہ آپ کو پتا چل گیا۔ میری مرضی کیا ہے۔ عمر میں صرف ایک مرد سے منسوب ہوئی ہوں۔ میں اسی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہو۔ مگر مجھے ذلت گوارا نہیں ہے۔ آپ مجھے اپنی والدہ کی خواہش پر بار بار گھر سے نکالیں یہ نہیں چاہتی میں۔''

عمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر گہرا سانس بھر کے بولا تھا تو بے حد سنجیدہ تھا۔

''علیزے.....! میں پھر آپ سے کہوں گا۔ صرف سمجھوتے کی بنا پر زندگی نہیں گزرتی۔ آپ اچھی طرح سوچ لیں۔''

وہ جتنا بھی سنجیدہ تھا۔ علیزے کو اس زبردستی پر غصہ آ گیا۔ جبھی اسے گھورا تھا۔

''میں آپ کو اپنی مرضی بتا چکی ہوں۔ اس کے باوجود اگر آپ کو اعتبار نہیں تو مجھے گھر سے نکال دیں۔ زندگی سے نکال دیں۔ شاید آپ خود یہی چاہتے ہیں اور بات سنیں وہ رنگ کس کی تھی..... جو دراز میں رکھی تھی آپ نے.....؟''

غصے میں بولتی وہ انداز بدل کر استفسار کرنے لگی۔

''آپ کیلئے ہی خریدی تھی مگر.....''

''دینے کا حوصلہ نہیں ہوا۔''

علیزے نے اس کی بات اچک کر متاسفانہ انداز میں فقرہ مکمل کیا تو عمر ہچکچا کر رہ گیا۔

''وہ مجھے آپ کے سامنے بہت معمولی لگی تھی۔''

وہ کتنی سچائی سے کہہ چکا تھا۔ علیزے کو وہ بے حد سادہ بے حد پرخلوص اور معصوم لگا۔ وہ بزدل نہیں تھا ہاں اسے دبایا اس انداز میں گیا تھا کہ اس کی شخصیت مسخ ہو گئی تھی۔ علیزے اس کی تعمیر کر سکتی تھی۔ اس ہیرے کو تراش خراش کی ضرورت تھی بس۔ محبت اعتماد کی ضرورت تھی بس۔

''جہاں رشتے خاص ہوں وہاں کچھ بھی معمولی نہیں ہوتا عمر! آپ نے نہیں پہنائی تو کیا ہوا..... میں نے خود پہن لی۔ جو چیز میری ہے۔ اس پر مجھے اپنا حق جتانا بہت اچھا لگتا ہے۔ اس کا لہجہ ایک دم پر اعتماد تھا۔ مان سے بھرا ہوا۔ تفاخرانہ' مسکراہٹ دباتے اس نے کتنے ناز سے اپنا داہنا ہاتھ اس کے سامنے لہرایا تھا۔ جس کی تیسری انگلی میں رونمائی رنگ ہی جگمگا رہی تھی۔ عمر ایک دم حیران رہ گیا۔

غیر یقین بھی

مسرور بھی

مسحور بھی

معاً وہ ایک دم سنبھلا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر بے ساختہ چوم لیا۔

''علیزے.....علیزے.....!!!''

وہ جذبات کی رو میں بہہ رہا تھا' بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔

''آپ نے مجھے خاص کر دیا علیزے! تھینکس اے لاٹ۔''

علیزے کچھ نہیں بولی۔ مسکراتی رہی۔ اس کی آنکھوں کی بڑھتی چمک کو متبسم نظروں سے تکتی رہی۔

''کیا سمجھوں میں.....؟ آپ کو بھی مجھ سے محبت ہے؟''

وہ ایک دم شوخ ہوا تو علیزے زیر لب مسکراتی گردن اکڑا کر بیٹھ گئی۔

''میں کیوں بتانے لگی بھلا.....؟ آپ بتائیں آپ کو کیا لگتا ہے؟''

اس کا انداز ناز بھرا تھا۔ عمر زور سے ہنس دیا۔

''مجھے تو صاف لگتا ہے' یہ لڑکی جو میری بے نیازی پر مجھے گھورتی ہے۔ لاتعلقی پر کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ نظر اندازی پر مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی لازماً مجھ سے محبت کرتی ہے۔''

وہ کھلکھلا رہا تھا۔ علیزے بری طرح سے بلش کر گئی۔

''یعنی آپ بھی وہ نہیں تھے جو ظاہر کر رہے تھے' سب پتا تھا.....''

وہ مصنوعی غم و غصے سے اسے گھورنے لگی۔ جواباً عمر پھر ہنسنے لگا۔

''آپ تو سمجھ دار ہیں جناب!''

''عمر..... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ اگر اماں اور آپا نے آپ کو فورس کیا تو.....''

وہ پھر سے اس خدشے اسی خوف کا شکار ہوئی۔ عمر نے اس کا چہرہ فق ہوتا محسوس کیا تو اس کے ہاتھ نرمی سے تھام لئے۔

''نہیں علیزے! پریشان نہ ہوں..... میں اب آپ کے ساتھ مزید کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔ ٹرسٹ می..... جو کچھ ہو چکا وہ الگ بات مگر مزید کچھ نہیں۔ میں خاموش نہیں رہوں گا۔ آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح کمزور تھا نہ دبا ہوا۔ علیزے کو ذرا سی ڈھارس ہوئی۔

''مگر اس طرح اماں بہت خفا ہوں گی عمر! اور شاید ہرٹ بھی ہوں..... جو میں نہیں چاہتی۔ وہ بہرحال ماں ہیں آپ کی اور ماں کے بیٹے پر بہت حقوق ہوتے ہیں۔ میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گی کہ آپ اسد بھائی کی طرح اپنی ماں کے حقوق مار لیں۔''

اس کے جواب نے عمر کو کچھ کہنے کے قابل نہیں رہنے دیا۔ وہ نم آنکھوں میں عقیدت لئے اسے دیکھتا رہا تھا۔

''علیزے..... آپ کی صرف ظاہری خوبصورتی کمال نہیں ہے۔ اللہ نے آپ کا دل بھی بہت خوبصورت بنایا ہے۔ میں ایسا کچھ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اماں مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ یقین ہے وہ میری بات کو سمجھیں گی۔ یہ ان کی محبت تھی کہ اتنی بہترین لڑکی تلاش کی ہے میرے لئے اگر کہیں میں جذباتی ہو کر بھٹکنا چاہوں تو وہ مجھے بھلائی کا راستہ دکھاتی ہے۔ پھر رشتے میرے نزدیک بہت اہم ہیں۔

آپ اپنی جگہ پر

اماں اور بہنیں اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں۔ میں اگر کسی کے حق نہیں ماروں گا تو کسی کو کسی کے ساتھ زیادتی سے روک کر ان کے ساتھ بھلائی بھی کروں گا۔ ٹھیک ہے نا.....؟''

وہ اس کی تائید چاہ رہا تھا۔ جو علیزے نے فی الفور گردن ہلا کر کر دی۔

''ہاں..... میں بھی دعا کروں گی۔''

''صرف دعا.....؟''

وہ بسورا۔ انداز نروٹھا ہی نہیں توجہ چاہتا ہوا ناز سے بھرپور بھی تھا۔ علیزے پہلے چونکی۔ پھر مطلب

سمجھتی ایک دم جھینپ کر پلکیں جھکا گئی۔

''اور کیا چاہتے ہیں آپ.....؟''

اس سوال پر وہ شوخی سے کھنکارا تھا۔

''یار.....اپنے اس بیچارے شوہر نامدار پر بھی تھوڑی سی توجہ کی عنایت کر دو۔ اتنے مہینوں سے اسی نگاہ کرم کا منتظر ہے۔''

وہ شریر ہوا تو علیزے شرم سے سرخ پڑتی بے اختیار دور سرکی۔ عمر نے ہنستے ہوئے اسے بانہوں کے حصار میں مقید کر لیا تھا۔

''علیزے.....! اب اور انتظار نہیں۔ اگر کوئی غلط فہمی نہیں کوئی رنجش نہیں تو فاصلے بھی نہیں ہونے چاہئیں۔''

اس کی آواز بہت بھاری بہت بوجھل ہو رہی تھی۔ علیزے کچھ نہیں بولی۔ اس کے کاندھے پر سر رکھ دیا۔ اس خاموشی میں رضامندی تھی' اقرار تھا' محبت تھی' جسے سمجھتا عمر ایک دم پرسکون ہونے لگا۔

☆☆☆

زندگی برجمود چھا گیا تھا..... وہ ہر چیز سے بے زار رہنے لگی تھی۔ ممی اس کے بدلے مزاج پر حیران ہوا کرتیں۔ اسے قطعی سمجھ نہیں آتی تھی۔ وہ ایسا کیا کرے کہ اس مصیبت سے جان چھڑا لے۔ منیب سے جتنی بار بھی اس نے رابطہ کیا اس کا ایک ہی جواب ہوتا۔

''مجھے تمہیں طلاق دینے میں کوئی مضائقہ نہیں' مگر پہلے شانزے کو دوں گا۔''

وہ عجیب ضد لگا کر بیٹھا تھا اور ایک انچ بھی سرکنے کو تیار نہ تھا۔ وہ حواس باختہ ہوئی جاتی کہ شانزے جو ہر قسم کی صورت حال سے انجان تھی۔ جب بھی اس سے بات کرتی۔ اپنے حالات کی خوفناکی اس پر عیاں کر کے اس کا اور خون سوکھا دیتی۔ منیب کی لاتعلقی نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ چونکہ وہ سب سے زیادہ صلہ کو ہی نزدیک پاتی تھی۔ جبھی شاید اپنا دکھ اسی پر کھولا تھا۔

''شادی کے محض چند ماہ بعد ہی ہر کوئی مجھ سے بچے کے متعلق سوال کرنے لگا ہے صلہ! میں کیا جواب دوں.....؟ منیب کا تو مجھ سے ایسا کوئی تعلق ہی نہیں..... مجھے تو اس بات کا بھی جواب نہیں ملتا اگر وہ مجھے اتنا ناپسند کرتے تھے تو پھر شادی کیوں کی.....؟ وہ بھی اتنی اچانک.....''

اس کے آنسو نہیں رکتے تھے اور صلہ کو لگتا تھا کسی نے اسے کند چھری سے ذبح کرنا شروع کر دیا ہے۔

منیب اس حد تک گر جائے گا۔

وہ اتنا کینہ پرور ہوگا

صلہ کو گمان تک نہیں تھا۔ اسے اب جا کے سمجھ آ رہی تھی۔ اس نے سارا کھیل کس خوبی سے کھیلا تھا۔ مقصد یقیناً اسے قابو کرنا بے بس کرنا تھا۔ جو دھمکیاں وہ اسے دیتا رہا تھا' انہیں پورا کر کے دکھا رہا تھا۔ اس سے شانزے کا دکھ برداشت نہیں ہو سکا۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی سہی مگر منیب سے پھر بات کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

''زہے نصیب''

اس کی کال ریسو کرتے ہی وہ چہکا تھا۔ صلہ کی روح خاکستر ہونے لگی۔

''تم ایسا کیوں کر رہے ہو.....؟''

وہ عاجز تو تھی ہی چڑنے بھی لگی۔

''میں کیا کر رہا ہوں.....؟''

وہ ششدر ہونے کی اداکاری کرنے لگا۔ پھر مزید اس کا خون جلانے کا سامان کیا۔

''یہ تو تم رہی ہو کہ.....

ساون بیتو جائے پہروا

من مورا گھبرائے

ایسو گئے پردیس پیا تم

چین ہمیں نائیں آئے

مورا میاں موسے بولے نا

میں لاکھ جتن کر ہاری

لاکھ جتن کر ہاری

''منیب.....''

جب وہ کسی طرح خاموش نہ ہوا تو وہ اندھا دھند برس پڑی۔ وہ ایک دم چپ ہوا۔ گویا کھلونے سے سیل نکل گیا ہو۔

''حکم..... جناب.....''

وہ ہنوز شگفتہ موڈ میں تھا۔ صلہ کا گلا دکھ سے بھرانے لگا۔ کتنا منافق تھا وہ۔

''شانزے کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اسے کیوں سزا دے رہے ہو.....؟''

وہ غصہ دبا نہیں پا رہی تھی۔ اس کا طیش ابل رہا تھا اور وہ ہٹ دھرم انسان تھا۔ غصے کو کہاں خاطر میں لاتا تھا۔ اس وقت بھی کہاں لایا۔

''میرا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ مگر تم مجھے سزا دے رہی ہو۔''

وہ نروٹھے پن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ صلہ نے دانت بھینچے۔

''میں شانزے کی بات کر رہی ہوں۔''

وہ چلائی۔

''اور میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔ اپنی بات کر رہا ہوں۔ ایک بات سن لو صلہ! شانزے کے ساتھ زیادتی میں نہیں تم کر رہی ہو۔ تم سزا دے رہی ہو اسے۔ میں تمہیں بتا چکا اپنے مقاصد' اپنے عزائم۔''

اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ صلہ حق دق رہ گئی۔

''میں دے رہی ہوں.....؟ تم پاگل ہو.....؟''

وہ پھٹ پڑی۔

''کوئی شک نہیں کہ تم دے رہی ہو۔ یاد کرلو۔ میں نے کہا تھا۔تم میری پہلی بیوی ہو۔ میں یہ مقام یہ درجہ پہلے تمہیں دینا چاہوں گا۔ جب تک تم اپنی حیثیت تسلیم نہیں کرتیں۔ میرے حقوق ادا نہیں کرتیں۔ میں ہرگز پابند نہیں ہوں۔ سمجھیں.....؟''

وہ نہایت غصے میں آ گیا تھا۔صلہ نے ہونٹ بھینچ لئے۔اس کی آنکھیں بے تحاشہ جلنے لگیں۔

''تم جانتے ہو ایسا ممکن نہیں ہے۔تم مزید بدمعاشی نہیں دکھا سکتے شرافت اسی میں ہے کہ میرا مطالبہ پورا کرو اور اپنی اصلاح کرلو۔''

وہ کچھ تاخیر سے بولی تو بغیر لحاظ رکھے تلخی وتنفر سمیت جتلایا تھا۔ جواباً وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنستا رہا۔

''ایک بات ہمیشہ کیلئے کان کھول کر سن لو صلہ! میں مرتو جاؤں گا' مگر تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔ جہاں تک شانزے کا تعلق ہے۔تو وہ بھی یونہی رہے گی۔ بے اولاد تو وہ کہلائی جا رہی ہے۔ پوزیشن اس کی مشکوک ہے۔ بانجھ بھی وہی مشہور ہو گی' سمجھ رہی ہو.....؟ میں اک اور شادی کروں گا۔ اس سے بچے بھی ہوں گے۔ شانزے مگر عمر بھر میرا انتظار کرے گی۔ یہ انتظار اسی صورت ختم ہوگا۔''اگر تم میرا انتظار ختم کرتی ہو۔اب فیصلہ کر لینا.....زیادتی کون کر رہا ہے شانزے سے..... میں یا پھر تم.....؟''

منیب نے بات کے اختتام پہ سلسلہ کاٹ دیا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ فون منیب کاٹے' صلہ پتھرا سی گئی۔ یہاں پوائنٹ یہ نہیں تھا کہ کون غلط تھا' پوائنٹ یہ تھا کہ کون کتنی سختی سے اپنی بات پر قائم تھا۔اسے لگا تھا اس کا وجود برف کی سل میں تبدیل ہو گیا ہے اور یہ سل ہر لمحہ گہرے تاریک سمندر میں نیچے گرتی جا رہی ہے۔پھر وہ پوری طرح سے ہار گئی۔ ہوا پہلے بھی وہی تھا جو منیب نے چاہا تھا۔ ہوا اب بھی وہی جو وہ چاہ رہا تھا۔ ہوتا ہے نا ایسا بھی کبھی کبھار کہ کوئی جیتتا ہے تو پھر جیتتا ہی چلا جاتا ہے اور کسی کے مقدر میں مستقل ہار لکھ دی جاتی ہے۔صلہ اور منیب کے معاملے میں ایسا ہی ہوا تھا۔صلہ نے خود ممی اور ڈیڈی کے سامنے اپنا مطالبہ رکھا تو گھر میں واقعی ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ممی کو غش پر غش آ رہے تھے۔انہیں لگتا تھا۔

صلہ پاگل ہو گئی ہے۔اس نے دیکھا ہی کیا تھا۔

نہ اسٹیٹس

نہ شکل وصورت

نہ تعلیم

کچھ بھی تو اس کے مطابق نہیں تھا۔منیب چودھری کے پاس اور وہ اتاؤلی ہوئی جاتی تھی۔شہریار الگ بدگمان تھا اور خفا بھی۔ممی کے کہنے کے باوجود اس نے صلہ سے اس موضوع پر کوئی بات کرنے سے انکار کیا اور خود اس سے دستبردار ہو گیا۔ڈیڈ کی حیرت تمام ہوئی۔تو عجیب سا دکھ ان کا گھیراؤ کر گیا تھا۔

''ایسے کیوں کر رہی ہو بیٹے؟''

وہ رات کو خود اس کے کمرے میں آ گئے تھے۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ اس کی ویران آنکھوں میں کتنی مجبوریاں سسکیاں بھر رہی تھیں۔

وہ انہیں کیا بتاتی۔ کیسے بتاتی ان کی کبھی ہار تسلیم نہ کرنے والی بیٹی کو کس نے شکست سے دو چار کیا۔ وہ جس کو اس نے کبھی محبت دی نہ اہمیت۔

وہ جو عمر بھر اس سے بنا غرض کے محبت کرتی رہی اور کبھی صلہ نہ مانگا۔ جب وہی اس کے سامنے دامن پھیلا کر بیٹھی تو انکار نہیں ہو سکا اس سے۔ کیا وہ پھر بھی اس مان

چاہ

خلوص

ایثار

وفا

محبت

کا جواب نہ دیتی۔ وہ بھی اس صورت جب شانزے نے خود ہاتھ پھیلا لیا تھا۔ صلہ اس روز بینک جانے والی تھی۔ جب اچانک شانزے چلی آئی تھی۔ صلہ اسے روبرو پا کے بجائے خوش ہونے کے خائف ہونے لگی تھی۔

''تم..... تمہارے شوہر نے تمہیں اجازت دے دی حویلی سے نکلنے کی.....؟''

وہ خود کو سنبھال کر یہی کہہ سکی۔ مسکرانے کی تاب تھی نہ ہمت۔

''ہاں دے دی اجازت..... تمہارے معاملے میں منیب ضرورت سے زیادہ فیاض ہیں۔''

شانزے کے انداز میں کچھ ایسا غیر معمولی تھا کہ وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی۔ بے اختیار نظریں چرا گئی۔

''ک کیا مطلب.....؟''

وہ صرف جز بز ہی نہیں ہوئی۔ گھبراہٹ کا بھی شکار ہونے لگی۔ شانزے کتنے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں کیا تھا۔

دکھ؟

حیرانی؟

اذیت؟

صلہ کو سمجھ نہیں آئی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ جانے وہ کیا کہنے والی تھی۔

''ان باتوں کو چھوڑو صلہ! یہ بتاؤ..... اگر میں میں ڈوب رہی ہوں' تو تم مجھے بچانے کی سعی کرو گی.....؟'' اگر کرو گی تو کس حد تک.....؟''

عجیب سوال تھا۔ صلہ کی رنگت متغیر ہو کر رہ گئی۔ اس کے ہاتھ ایک دم سرد ہو گئے۔ وہ اسی بات سے

خائف تھی۔ وہ ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔ جیسے جاں بلب انسان حسرت سے فانی دینا کو دیکھے۔ شانزے نے نم آنکھوں سے اس کے ہاتھ تھام لئے۔ جھکی اور بوسہ ثبت کیا۔

''تمہیں یاد ہے صلہ.....! تمہیں اک بار میرا سونے کا برسلیٹ پسند آ گیا تھا۔ وہ میں نے تمہیں دے دیا۔ تمہیں میرا ڈریس پسند آیا۔ میں نے خوشی سے تمہیں تھما دیا۔ یہ بہت معمولی چیزیں تھیں صلہ! جنہیں تمہیں دیتے وقت مجھے کوئی خیال کوئی احساس نہیں تھا..... کہ مجھے کبھی ان کے بدل میں تم سے تمہاری سب سے انمول چیز مانگنا پڑ جائے گی۔ مجھے معاف کر دینا صلہ! میں بہت کم ظرف ثابت ہوئی ہوں۔''

بات مکمل کئے بغیر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ صلہ سکتے میں آ گئی۔ خوف اور وحشت کے ساتھ آنے والے وقت کا احساس اسے سفید کرتا جا رہا تھا۔ بے رنگ کرتا جا رہا تھا۔

میری عزت

میری گرہستی

میری ساری زندگی کی خوشیاں تمہاری ایک ہاں کی منتظر ہیں۔ تم منیب کو انکار نہ کرو..... وہ میرے نہیں ہیں۔ صرف تمہارے ہیں۔ میں ان کو تم سے مانگنے آئی ہوں صلہ.....! چاہو تو مجھے خالی لوٹا دو۔ چاہو میری جھولی بھر دو۔ اگر نکاح مجبوری میں بھی ہوا تھا صلہ.....! تب بھی رخصتی کرا لو..... پلیز..... اس لئے بھی..... کہ تمہارا انکار میری تباہی کا باعث ٹھہرے گا۔ منیب مجھے میرا حق نہیں دیں گے۔ یہاں تک کہ اور شادی کر لیں۔''

وہ ایک کے بعد دوسری بات کر رہی تھی۔ منت کر رہی تھی۔ صلہ ساکت بیٹھی رہی۔ اسے لگا فضا سے یکلخت آکسیجن ختم ہو گئی ہے۔ ہر سمت حبس تھا اور تاریکی۔ وہ جو ہارنے والی نہیں تھی۔ جسے منیب جیسا سرکش ضدی شخص نہیں ہرا سکا تھا۔ اسے کمزور سی نازک شانزے پاش پاش کر گئی تھی۔ اس وقت وہ بادشاہ تھی اور شانزے سوالی۔ وہ اس سوالی کو خالی نہیں لوٹا سکی۔ اس نے اس کا دامن بھرا اور خود عمر بھر کو تہی داماں ہو گئی۔ کچھ تعلق اور رشتے اپنا خراج وصول کرتے ہیں۔ شانزے سے اس کا تعلق بھی ایسا ہی ثابت ہوا تھا۔

☆☆☆

عمر نماز پڑھ کر آیا تو نیچے خاموشی اور سناٹا تھا۔ وہ بغیر آہٹ پیدا کئے اوپر آ گیا۔ صبح کا غبار آلود اجالا ہر سو پھیلا تھا۔ مشرق کی جانب افق کی لالی پھیل رہی تھی۔ کچھ دیر کھڑا وہ یہ منظر دیکھتا رہا۔ پھر اندر آ گیا۔ علیزے ابھی تک جائے نماز پر بیٹھی نظر آئی۔ اس کی نگاہیں بہت دلچسپی اور گہرائی کا احساس لئے اسے تکتی رہیں۔ ہلکے بادامی لباس میں میرون جرسی میرون شال میں وہ کتنی کھلی کھلی کتنی روشن روشن محسوس ہو رہی تھی۔ یہ اس کی نگاہوں کی گرمی کا احساس تھا کہ علیزے کی رنگت میں سرخی و تمتماہٹ اترنے لگی تھی۔ پلکوں کی لرزش اس کی حیا آمیز بوکھلاہٹ کو عیاں کر گئی تو عمر کے ہونٹوں کی تراش میں بھی دلفریب مسکان اتر آئی تھی۔

''صبح بخیر زندگی۔ نئے سفر کا پہلا اجلا دن مبارک ہو میم!''

اٹھ کر جائے نماز لپیٹتے دیکھ کر چہکا۔ علیزے کچھ اور بھی حجاب میں گھر گئی۔ اس سے پلکیں اٹھا کر عمر کو دیکھا بھی نہیں جا سکا۔

''کیا ہو گیا ہے عمر.....''

وہ بری طرح جھینپی اور اسے ہاتھ سے ذرا دور ہٹایا۔

''ہماری شادی خاصی پرانی ہو چکی ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔''

وہ خجالت مٹانے کی کوشش میں تھی۔ عمر مسکرائے گیا۔ اس کا انداز بے حد ہشاش بشاش قسم کا تھا۔

''زندگی کتنی خوبصورت ہے۔ مجھے ابھی پتا چلا ہے۔''

اس نے علیزے کا چہرہ ہاتھ میں لے لیا۔ علیزے کا شرم سے برا حال ہونے لگا۔ اس سے پہلے کہ فاصلے پر ہوتی موبائل کی بیپ ہونے لگی تھی۔ فون ماما کا تھا۔ عمر نزدیک تھا اسی نے اٹھا لیا۔

''السلام علیکم!''

اس نے کال ریسو کر کے علیزے کو تھمایا تھا۔ وہ خاصی حیران ہوئی تھی اتنی صبح ان کی کال سے۔ بلکہ پریشان۔

''وعلیکم السلام بیٹی! کیسی ہو؟''

''الحمد للہ بالکل ٹھیک' آپ خیریت سے ہیں.....؟''

انہیں بالکل ٹھیک پا کر وہ اپنا سانس بحال ہوتا محسوس کرنے لگی گویا۔

''بیٹے! آج چکر لگا جاؤ تو بہتر ہے۔ اک ضروری بات کرنی ہے بلکہ زارا کو سمجھاؤ۔ مزید حماقت نہ کرے۔ کیوں مجھے خوار کرنے پر تلی ہوئی ہے۔''

انہوں نے بلا جھجک اصل بات واضح کی۔ وہ جو قدرے ریلیکس ہو گئی تھی۔ پھر سے گھبراہٹ کا شکار ہونے لگی۔

''کیا مطلب.....؟ میں سمجھی نہیں ہوں ماما! سب خیریت ہے؟''

جواب میں ماما نے مہران شاہ کے رشتے کے متعلق تفصیل سے آگاہ کر دیا تھا۔ پھر بے حد بے بسی سے گویا ہوئیں۔

''اس لڑکی کی ضد اپنی جگہ پر قائم ہے۔ رات سے سر پھوڑ رہی ہوں گویا پتھر سے۔ نہیں مانتی۔''

وہ بے حد عاجز تھیں۔ علیزے مسکرا دی۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آ جاؤں گی۔ سمجھاؤں گی۔''

''عمر آئے تو اسے کہنا۔ ذرا بچے کے متعلق معلومات حاصل کرے۔ استخارہ بھی کروں گی میں تو.....''

انہوں نے قدرے مطمئن ہوتے مزید سمجھایا تو علیزے کی نظر بے اختیار عمر کی جانب اٹھی۔ جو بستر پر نیم دراز ہوا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر پھر بے ساختہ جھکی۔ وہ کتنا خوش کتنا مطمئن کس درجہ سرشار نظر آتا تھا۔

''وہ یہیں ہیں ماما!''

اس کا لہجہ صرف مدھم نہیں ہوا۔ حجاب آلود بھی ہونے لگا۔

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ کب آیا عمر.....؟ ارے رات تو تمہاری ساس نے بھی بڑا فساد ڈالا ہوا

تھا۔ خیریت گزری.....؟''

انہیں خیال آیا تو استفسار کرنے لگیں۔ علیزے نے گہرا سانس کھینچا۔

''جی..... اسی سلسلے میں آئے تھے رات ہی عمر.....!''

''اللہ تجھے گھر میں سکون بخشے بچی! گود ہری ہو جائے گی تمہاری تو قدم بھی مضبوط ہو جائیں گے۔ ذرا عمر سے بات تو کراؤ میری.....''

ماما کے کہنے پر اس نے عمر کی جانب موبائل بڑھا دیا۔

''ماما بات کرنا چاہتی ہیں آپ سے.....''

اس کی نظریں جھکی تھیں۔ عمر کو اس کی رنگت میں گھلتی گلابیوں پر ہی شرارت سوجھی۔

''یار شکاتیں تو نہیں لگا دیں میری.....''

اس کی نظریں گستاخیاں کر رہی تھیں۔ علیزے گڑبڑا سی گئی۔ وہ کتنا مختلف لگ رہا تھا۔ آج حالانکہ علیزے تو اسے بہت ریزروڈ بہت خشک مزاج کا سمجھے بیٹھی تھی۔ عمر نے فون لے لیا مگر علیزے نے پلٹنا چاہا تو عمر نے صرف فون نہیں ساتھ ہی اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا تھا۔ علیزے نے آہستگی سے چھڑانا چاہا تو وہ مسکراہٹ دباتا سر نفی میں ہلانے لگا۔ ساتھ مما سے بھی گفتگو جاری تھی۔ علیزے حجاب آمیز جھنجھلاہٹ میں گھری۔

''چھوڑیں نا..... ناشتہ بنانا ہے مجھے۔''

وہ صاف گریزاں لگتی تھی۔ عمر نے سرد آہ بھرتے ہاتھ چھوڑ دیا۔ علیزے تیزی سے پلٹ کر باہر نکل گئی۔ سیڑھیاں اتر کر وہ سیدھی کچن میں آئی تو قدرے خائف تھی۔ رات جو ہنگامہ ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کے اندر خوف کا اترنا فطری عمل تھا۔ اماں یا پھر سیما کا طیش کم کہاں ہوا ہوگا۔ اس نے فریج کھول کر دودھ کا برتن نکالا۔ آٹا بھی گوندھا ہوا موجود تھا۔ اس نے ناشتے کی تیاری شروع کی۔ تو اچولہے پر رکھ کر برنر آن کیا۔ دوسری جانب چائے کا پانی رکھ دیا۔ کام میں وہ اتنی مگن ہو گئی تھی کہ سیما کے اٹھ کر اس سمت آنے کا بھی احساس نہ ہو سکا۔ جو چوکھٹ پر کھڑی اسے کچھ دیر دیکھتی رہی تھی۔ پھر وہیں سے پلٹ بھی گئی۔

اماں نے حیرت سے اسے چپ چاپ پلٹ کر آتے دیکھا تو اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

''کیا ہوا.....؟ آئی نہیں ہے وہ منحوس نیچے.....؟''

ان کے انداز میں اچنبھا تھا۔ سیما نے گہرا سانس بھر کے سر ہلا لیا تو اماں کی حیرت دو چند ہونے لگی۔

''کیا مطلب آئی ہے۔ آئی ہے تو پھر تو نے اسے باہر کیوں نہ نکالا.....؟''

وہ غرائیں تھیں۔ سیما نے بے اختیار ان کا ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود ان کے نزدیک سرک آئی۔

''عمر آپ کے ساتھ ہاتھ کرتا رہا ہے اماں! ہمیں آس دلا کر وہ خود رات بھر اپنی بیوی سے رنگ رلیاں مناتا رہا۔ دیکھا نہیں وہ نہائی دھوئی پھر رہی ہے۔''

اس کا انداز سرگوشیانہ تھا۔ اماں کی آنکھیں حلقوں سے باہر آنے لگیں۔

''میں پوچھتی ہوں عمر سے.....''

اماں کی تلملاہٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ سیما نے جھنجھلا کر ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

''کبھی تو عقل سے کام لے لیا کریں آپ..... کس بات کا شور مچائیں گی بھلا.....؟ اور کیوں.....؟''

وہ چڑ چڑی ہو کر سوال داغ رہی تھی۔ اماں ہونق نظر آنے لگیں۔ گویا کہہ رہی ہوں تو پھر.....؟

''وہ اگر واقعی ہمیں دھوکہ دے رہا ہے جو کہ دے رہا ہے.....''

اس نے اپنی بات پر زور دیا۔

''تو پھر اب اس پر چڑھائی خطرناک ہے۔ اس محاذ پر ایسے جنگ نہیں لڑی جا سکتی۔ ہمیں کسی اور انداز میں اسے شکست دینی ہے۔ ایسے تو وہ مقابلے پر اتر آئے گا۔ خاطر میں نہیں لائے گا۔ زیادہ دباؤ ڈالا تو اسے ساتھ بھی لے جا سکتا ہے۔ خود مختار ہے وہ۔ جاب ہے۔ گھر ہے اس کے پاس۔ اسے ہماری نہیں ہمیں اس کی ضرورت ہے اماں!''

اس کا لہجہ ہنوز مدھم تھا۔ سرگوشی سے مشابہہ۔ اماں آنکھیں نکالے بے وقوفوں کی طرح اسے دیکھے جا رہی تھیں۔ صاف ظاہر تھا۔ ہر سازش کے پیچھے دماغ سیما کا ہی چلتا رہا تھا۔

''تو پھر.....؟ پھر اب کیا کرنا ہے.....؟''

وہ مضطرب ہوئیں۔

''بے فکر رہو اماں! ایسا پتا صاف کروں گی کہ عش عش کریں گی آپ۔''

وہ شاطرانہ انداز میں مسکرانے لگی۔

''بس تم دیکھتی جاؤ اماں! کیا کرتی ہوں میں۔ فی الحال بہت خاموش رہو۔ سنا.....؟''

وہ تنبیہ کر رہی تھی۔ اماں حماقت زدہ انداز میں سر ہلانے لگیں۔ علیزے اسی سمت آ رہی تھی۔ دونوں محتاط اور بے نیاز نظر آنے لگیں۔

''ناشتہ بنا دیا ہے لا دوں آپ کو اماں.....؟''

وہ گریزاں بھی تھی' خائف بھی' اماں کا طیش ابلنے لگا۔

''مجھے جلانے آئی ہے کلموہی.....؟ جتانے آئی ہے کہ میں تجھے نہیں نکال سکی اور یہ گھر تیرا ہے؟''

وہ پھٹ پڑی تھیں۔ سیما کے ہاتھ دبانے کا اشارہ نظر انداز کیے۔ علیزے کا رنگ ایک دم فق ہوا۔

''نہیں..... بخدا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے میرا۔''

اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔ اماں نے تنفر سے سر جھٹکا۔

''دفع ہو جا.....''

وہ چلائیں۔ علیزے ہونٹ کچلنے لگی۔ عجیب مشکل میں تھی وہ۔ جب سے شادی ہوئی تھی۔ ان لوگوں کو سمجھنے سے قاصر رہی۔ یہ ہمیشہ اسے اپنے رویئے اپنے سلوک سے کنفیوژ کیے رکھتے تھے۔

''چل جا..... ناشتہ یہیں کریں گے ہم..... جگتیں مارنے کی ضرورت نہیں یہ پوچھ کر کہ کہاں کریں

گے اب پھوٹ.....''

سیما نے بالآخر زبان کھولی۔ ورنہ ابھی تلک نظروں سے ہی نشتر چلا رہی تھی۔علیزے تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ پلٹ گئی۔ ناشتہ خاموشی سے اس نے چن دیا تھا۔ اماں سعدیہ کو آوازیں دے رہی تھیں ناشتے کیلئے علیزے اسی خاموشی سے پلٹ گئی۔

''کیا ضرورت تھی بولنے کی.....؟''

سیما اماں کو جھاڑنے لگی۔

''بس قابو نہیں رہتا مجھے تیری طرح غصے پر.....''

وہ آگے سے منمنا رہی تھیں۔علیزے نے دروازے سے نکلتے سنا تھا اور رکے بغیر آگے بڑھ گئی۔

''قابو رکھنا سیکھ..... ورنہ بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔ بھروسہ رکھ مجھ پر.....''

وہ انہیں پٹیاں پڑھا رہی تھی۔علیزے ناشتے کی ٹرے لئے سیڑھیاں چڑھ گئی۔عمر اسی کا منتظر تھا۔ اسے دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''خیریت گزری.....؟''

اس کی نگاہوں میں اضطراب بھرا ہوا تھا۔علیزے نے محض سر ہلایا اور ٹرے سامنے رکھ دی۔

''جانا ہے آپ نے اپنی ماما کی طرف.....؟''

عمر کی نگاہوں میں سوال تھا۔علیزے جواباً اسے اجازت طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔

''جانا چاہئے.....؟''

''جانا تو چاہئے۔ معاملہ اہم ہے۔''

وہ رسان سے کہتا ٹرے اپنی جانب گھسیٹ کر اسے بھی شامل ہونے کا اشارہ کر رہا تھا۔علیزے بستر کے کنارے ٹک گئی۔

''گھر کا ماحول ٹھیک نہیں ہے عمر! اماں کو برا لگے لگا۔

وہ متذبذب تھی۔عمر نے سر اٹھا کر اسے بغور دیکھا۔

''کچھ کہا ہے آپ سے انہوں نے.....؟''

وہ متفکر نظر آنے لگا۔علیزے طرح دے گئی۔

''نہ بھی کہا ہو۔ مگر ہمیں خود معلوم ہے کہ وہ خفا ہیں۔'

وہ پریشان انداز میں کہتی اس کیلئے مگ میں چائے نکالنے لگی۔

''میں انہیں سمجھا دوں گا۔ زارا کی زندگی کا اہم معاملہ ہے علیزے! التواء کا شکار نہیں کیا جا سکتا۔''

وہ جیسے طے کر کے بیٹھا تھا کیا کرنا ہے۔علیزے نے مزید کچھ نہیں کہا۔ مکھن سلائس پر لگا کر اسے دیا۔ پھر خود بھی اپنے لئے چائے نکالنے لگی۔

''اگر لڑکا اچھا ہوا تو میں آنٹی سے کہوں گا فوری شادی کر دیں زارا کی.....''

عمر کی بات پر وہ جو بے خیال سی تھی۔ چونک کر اسے خالی نظروں سے تکنے لگی۔

''کیا ہو گیا ہے یار.....؟ اتنی گم صم کیوں ہو.....؟ جبکہ آج میں تمہیں بہت ریلیکس دیکھنے کا متمنی ہوں۔''

عمر کو اس کا یہ انداز کھلا تھا۔ جبھی ٹوکا' علیزے ایک دم خفیف سی ہو گئی۔

''سوری' میرا ذہن اماں کی ناراضگی میں اٹکا ہوا ہے۔''

اس وضاحت کے باوجود عمر کے چہرے پر موجود سنجیدگی ختم نہیں ہوئی۔

''میرے پہلو میں بیٹھ کر انہیں سوچنے کی بجائے ان کے بیٹے پر توجہ دے لیں۔ نوازش ہو گی۔''

وہ خفا خفا سا جتلا کر بولا۔ علیزے کا دل دھڑک اٹھا۔ یہ سچ تھا وہ اس کے مزاج آشنا نہیں تھی۔ جانے کیا بات موڈ بگاڑ دیتی۔ وہ اسے خفا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''سوری..... میں آئندہ خیال رکھوں گی۔''

وہ گھبرا کر کہہ گئی تھی۔ عمر ایک دم زور سے ہنس دیا۔ علیزے نے متحیر ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔

''اووف..... میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اتنی مجاجوں والی بیوی مجھ سے کبھی اس طرح ڈرے گی بھی۔ میرا اتنا خیال بھی رکھے گی۔''

وہ ہنس ہنس کر بے حال ہو رہا تھا۔ علیزے کے خوف و گریز کی جگہ خفت نے لے لی۔ اس نے بے طرح خفا ہوتے اس کے بازو پر گھونسہ مارا تھا۔

''واقعی ڈرا دیا تھا آپ نے مجھے.....''

وہ آنکھیں نکال رہی تھی۔ عمر کو وہ اس مان بھرے انداز میں تکتی بے حد پیاری لگی۔ جبھی بے اختیار اس کی جانب جھکا تھا کہ وہ سرعت سے پیچھے ہوئی۔

''شرافت کے جامے میں آیئے۔''

وہ جھینپتی شرماتی بے حد انوکھی لگی تھی۔ عمر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ تبھی اس کا فون ایک بار پھر بجنے لگا تو عمر نے جھنجھلا کر گردن موڑی۔

''یہ رقیب وسیاہ.....''

وہ جھنجھلا رہا تھا۔ علیزے نے ہنستے ہوئے اٹھ کر فون اٹھایا۔

''صلہ کی کال ہے۔ اسے آج میری یاد کیسے آ گئی۔''

علیزے کا موڈ یکدم کچھ اور خوشگواریت سمیٹ لایا۔ عمر کو پھر شرارت سوجھ گئی۔

''انہیں بھی پتا چل گیا ہو گا کہ آپ صحیح معنوں میں سہاگن ہو گئی ہیں۔''

علیزے کے چہرے پر گلابی پن بکھر گیا۔

''صلہ.....! کیسی ہو.....؟''

سلام کے بعد وہ بہت خوشدلی سے گفتگو کا آغاز کر چکی تھی۔ دوسری جانب ویسا جوش و خروش تھا نہ ہی

چہچہاٹ وہ از حد بجھی ہوئی اور ملول لگ رہی تھی آواز سے ہی۔

''نیکسٹ ویک شادی ہے میری۔ صرف تمہیں انوائٹ کر رہی ہوں' آؤ گی.....؟''

علیزے کو اس کی دماغی حالت پر شبہ محسوس ہوا تھا جیسے یہ انداز و اطوار کچھ بھی تو صلہ کا نہیں تھا۔ وہ حیران پریشان رہ گئی۔

''شادی.....؟ اتنی اچانک.....اور تم مجھے ایسے بتا رہی ہو.....؟''

اس نے گویا ڈانٹا۔

''نہیں آؤ گی.....؟''

دوسری جانب سرد مہری تھی۔ نخوت تھا۔ بے دلی تھی۔ اضطراب تھا۔ وہ جیسے رو دینے کو تھی۔

علیزے کا ماتھا ایک دم سے ٹھنکا۔

''ک کس سے ہو رہی ہے تمہاری شادی.....؟''

وہ جیسے سہم کر پوچھ رہی تھی۔ صلہ عجیب انداز میں ہنسنے لگی۔

''کس سے ہونی چاہئے تھی.....؟ جس سے ہونی تھی۔''

علیزے کو سمجھ نہیں آ سکی۔ چھت اس کے سر پر آ کر گری ہے یا پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہے۔

''ک.....کیا.....؟''

وہ شاکڈ رہ گئی۔ عمر جو متوجہ تھا بے اختیار اسے سہارا دے گیا تھا۔

''کیا ہوا خیریت.....؟''

وہ تشویش زدہ نظروں سے اس کی اڑی رنگت جانچ رہا تھا۔ علیزے بے اختیار نیچے بیٹھ گئی۔ دوسری جانب خاموشی نہیں تھی۔ سسکیوں کی آواز تھی۔ جو اس کا دل پھاڑنے کا سبب بن رہی تھی۔

''یہ.....کیسے ممکن ہے.....؟ تم ایسا کبھی نہیں کرنا چاہتیں تھیں صلہ!''

وہ جیسے سسکی۔ صلہ کا دکھ اسے لمحوں میں شکستہ کرنے کا سبب بنا تھا۔

''میں ہار گئی ہوں علیزے! میں کسی کی بربادی پر اپنی خوشیاں کیسے تعمیر کر سکتی تھی۔''

وہ سسکیوں کے درمیان اسے شانزے کی آمد کے متعلق بتائے گئی۔ علیزے نے ہونٹ بھینچ لئے

''ممکن ہے۔ وہ تمہیں پریشرائز کر رہے ہیں۔ صلہ اور وہ دونوں ملے ہوئے بھی ہو سکتے ہیں۔''

اس نے غصے میں ٹوکا۔ صلہ چند لمحوں کو خاموش ہو گئی۔ بلکہ شاید رو رہی تھی۔ علیزے کے اعصاب تناؤ کا شکار ہونے لگے۔

''تمہیں اس طرح بے بس نہیں ہونا چاہئے تھا صلہ! زندگی بہت مشکل کر لی ہے تم نے اپنے لئے.....''

وہ دکھ کا شکار تھی۔ اپنی زندگی سامنے تھی۔ پیچھے صرف سمجھوتہ رہ جاتا ہے۔

''میرے پاس کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا علیزے! اگر میں شانزے کو خالی لوٹا دیتی تو عمر بھر خلش اور پچھتاوا مجھے کسی خوشی کو سکون کو ترسائے رکھتا۔''

وہ شاید ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس نے متاسفانہ سرد آہ بھری اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''اللہ تمہارے لئے بہتر کرے۔ آمین۔''

اس کی آواز مدھم تھی۔ دوسری جانب خاموشی چھائی رہی۔

''تم آؤ گی.....؟''

''آؤں گی۔''

علیزے انکار نہیں کر سکی۔ کچھ دیر بعد فون بند کیا تو عمر اسی کی جانب متوجہ تھا۔ نظروں میں سوال بھرے تھے۔

''آپ کی دوست خیریت سے تھیں.....؟''

اس کا انداز تشویش آمیز تھا۔ علیزے نے صرف سر ہلا دیا۔

''شادی طے ہو گئی ہے اس کی' ذرا گھبرائی ہوئی تھی۔''

عمر نے سر ہلا دیا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ تیار ہو کر نیچے آئیں۔ میں تب تک اماں کو بتا دوں۔ ہم آنٹی کی طرف جا رہے ہیں۔''

علیزے کچھ نہیں بولی۔ اس کا ذہن الجھن دکھ اور اضطراب کا شکار تھا۔ زارا اور صلہ دونوں ہی اسے عزیز تھیں۔ دونوں کے مسائل نے اسے بہت اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا۔

☆☆☆

''سو باتوں کی ایک بات..... مجھے شادی نہیں کرنی۔''

وہ اس وقت صحیح معنوں میں سب کے بیچ گھری ہوئی تھی۔ بلکہ پھنسی ہوئی تھی۔ جبھی جھنجھلائی جا رہی تھی۔ ماما نے تادیبی نظروں سے اسے گھور کر گویا عمر کی موجودگی کا لحاظ کرنے کا احساس دلایا تو اس کا غصہ کچھ مزید بڑھا تھا۔

''تمہیں ماما کی خوشی کی خاطر ایسا کرنا چاہئے زارا! عمر معلومات کرا چکے ہیں۔ بہترین رشتہ ہے۔''

وہ وہاں سے اٹھ کر اندر آئی تو علیزے اس کے پیچھے آ گئی تھی۔ زارا نے شاکی سی حد تک تلخ نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر ہاتھ میں پکڑی فائل میز پر پٹخ دی۔

''آپ کچھ نہیں جانتی ہیں بجو! اس لئے خاموش رہیں۔''

''تم مجھے بتا دو انکار کی وجہ..... پھر میں تمہاری حمایت کروں گی۔''

وہ ہلکے پھلکے انداز میں مسکرائی تھی۔ زارا کو بجائے اچھا لگنے کے مزید برا محسوس ہوا۔

''آپ جانتی ہیں میرا موقف.....''

وہ چڑی۔ علیزے نے گہرا سانس بھرا۔

''مگر ماما بتا رہی تھیں۔ تم صرف اس آدمی سے شادی پر راضی نہیں ہو۔''

علیزے کے انداز میں الجھن مترشح تھی۔ زارا نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ اس کا مطلب تھا اب وجہ اسے

بتائی جاتی۔

''بس وہ بندہ اپنے چھچھورپن کی وجہ سے زہر لگتا ہے۔ انکار کر دیں اسے۔''

''صرف اس بنا پر انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ محض تمہارا خیال بھی ہو سکتا ہے۔ میں خود ملی ہوں مہران شاہ سے' اتنا ڈیسنٹ لگا وہ مجھے۔ زارا تم تو خوش نصیب ہو کہ اللہ نے ہر شے سے نوازا ہے تمہیں۔ کیا کمی ہے؟

اسٹیٹس

حسن و جمال

بہترین تعلیم جاب

زارا نے عاجزانہ انداز میں اسے دیکھا۔ اس کے چہرے سے واضح بے بسی چھلکتی تھی۔

''یہی تو بات ہے بجو.....! غور طلب بات ہے ناں کہ اسے مجھ میں کیا نظر آیا؟ کیوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گیا ہے میرے.....؟''

اس کا انداز غصیلا تھا۔ جھنجھلایا ہوا۔ علیزے مسکرانے لگی۔

''کمی تو تم میں بھی کوئی نہیں۔ شکل وصورت تعلیم قابلیت.....سب ہے۔ محبت ہو گئی ہو گی بیچارے کو۔''

زارا نے اس کے انداز میں شرارت کا رنگ محسوس کیا تھا تو آنکھیں دکھ کے احساس سے بھیگنے لگیں۔

''یہ سب کچھ نہیں چلتا ہے اب بجو! مایا مایا کو کھینچتی ہے بس۔ یہاں یہی نہیں ہے۔ وہ ہماری کمپرسی کا ہی مذاق اڑانا چاہتا ہے۔''

اتنی بدگمانی اور تلخی.....علیزے نے سر تھام لیا۔

''آپ اسے انکار کر دیں بجو! ورنہ میں خود کر دوں گی۔''

''ماما کا خیال نہیں کرو گی.....؟ میری شادی کے موقع پر جو مجھے اسباق پڑھائے وہ خود بھول کیوں رہی ہو؟''

علیزے کا لہجہ طنزیہ نہیں تھا۔ اصلاحی تھا۔ زارا عجیب سے انداز میں ہنس پڑی۔

''ماما کا ہی تو خیال ہے۔ میں انہیں بڑے دکھ سے بچانا چاہتی ہوں۔''

اس کا انداز سختی و تلخی سمیٹ لایا۔ علیزے اب کے کچھ نہیں بولی۔ پھر اٹھتے ہوئے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

''تمہارا جذبہ ہمیشہ سے قابل قدر رہا ہے۔ خوش رہو۔''

وہ باہر آئی تو ماما کی نظروں نے بے تابی سے اس کا چہرہ پڑھ کر نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ خفت سے نظریں چرا گئی۔ ماما کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔

''نہیں مانی وہ.....؟''

ان کی آواز بھینی سہمی ہوئی سی تھی۔ علیزے نے ان کے ہاتھ تھام لئے۔

''حوصلہ رکھیں ماما! وہ کچھ شبہات اور عدم تحفظ کا شکار ہے۔ اگر مہران واقعی انوالو ہے اس میں تو اسے

اس جواب پر ماما نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

''بہت مشکل باتیں ہیں۔ مشکل کام۔''

علیزے نرمی سے رسان سے مسکرائی۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔ میں مہران شاہ سے خود بات کر لوں گی۔ آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

ماما اب کے کچھ نہیں بولیں۔ گم صم بیٹھی رہیں۔ علیزے ان کا دھیان بٹانے کو انہیں صلہ کے متعلق بتانے لگی تھی۔

''کچھ دنوں تک اس کی شادی ہے۔ آپ بھی چلئے گا میرے ساتھ۔''

''میں کیا کروں گا جا کر..... بچی کا دکھ مجھے نہیں دیکھنا۔''

وہ مزید ملول نظر آنے لگیں تھیں۔

☆☆☆

اس نے اخبار لپیٹ کر رکھ دیا۔ ہونٹوں پر گہری مسکان تھی۔ وہ لڑکی اس کی سوچ سے بھی بڑھ کر حساس اور قابل تھی۔ اس کا کالم پڑھ کر اندازہ ہو رہا تھا۔ جب انکار ہوا جو کہ واضح انکار تھا بھی نہیں۔ علیزے نے بہت رسان سے ساری بات سمجھائی تھی۔ پھر بھی کتنا ہرٹ ہوا تھا وہ.....

اور یہ محض اتفاق تھا کہ اگلے دن ہی اس کا اچانک سامنا بھی ہو گیا تھا اس سے..... وہ فون پر بات کرنے میں مصروف تھی جبکہ مہران اسے روبرو پا کے اگلا قدم اٹھانا بھول گیا تھا۔

''جی جی سرمد صاحب.....! میں بس دس منٹ میں پہنچ رہی ہوں۔ جی بالکل.....''

وہ رکشے سے اتری تو فون اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ چلنے کا بات کرنے کا انداز بے نیازانہ شاہانہ اور تسخیر کر لینے والا تھا۔ وہ واقعی عام انسان ہو کے بھی شاہ زادی لگتی تھی پتا نہیں کیوں۔ وہ اتنا ہی اسیر ہو گیا تھا کہ کہیں اور دیکھنے کے قابل ہی نہ ہو سکا۔ مہران شاہ کی نظریں اس پر جم گئی تھیں۔ وہ سنبھلا اس وقت تھا جب وہ اپنے دھیان میں چلتی خاصی دور نکل گئی۔ مہران ہڑبڑا کر گاڑی سے نکل کر اس کے پیچھے بھاگا آیا تھا۔

''میری بات سنیں زارا.....''

وہ عین اس وقت اس کے رستے کی دیوار بن گیا جب زارا آڈیٹوریم کے داخلی گیٹ سے اندر قدم رکھنے والی تھی۔ اس مداخلت نے وہ بھی مہران شاہ کی اس کی پیشانی پر شکنیں ڈال دیں۔ صاف لگتا تھا اسے کتنا ناگوار محسوس ہوا ہے یہ سامنا۔ اس نے تیز مگر جھلسا دینے والے انداز میں اسے گھورا۔

''راستے سے ہٹو۔''

اس کا لہجہ خشک اور انداز سرد تھا۔

''آپ وہاں بیٹھ کر کچھ دیر کو میری بات سن لیں۔ پلیز۔''

وہ جتنا عاجز جتنا متلجی ہوا زارا کا طیش اسی قدر بڑھا۔

''تم پاگل ہو.....؟ کیوں پیچھے پڑ گئے ہو میرے.....؟''

اب کے وہ حلق کے بل چیخنے سے خود کو روک نہیں سکی۔

''میرے خیال سے ہم وہاں بیٹھ کر زیادہ مناسب طریقے سے ایک دوسرے کو اپنی بات سمجھا سکتے ہیں۔''

اب کے مہران نے صرف کہا نہیں تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی ساتھ گھسیٹتا ہوا سامنے موجود ریسٹورنٹ میں لے آیا۔ زارا اس درجہ جرأت و بے باکی کی کہاں توقع رکھتی تھی۔ جبھی پتھرا سی گئی۔ حیرت کی زیادتی تمام ہوئیں تو اس کا طیش آتش فشاں لاوے کی طرح ابلا۔ جسے مہران نے بڑے تحمل اور سکون سے برداشت کیا۔

''گستاخی معاف..... مگر مجھے آپ سے کچھ اہم امور پر بات کرنی تھی۔

''آپ کا خیر خواہ ہوں زارا۔ ساری دنیا کو علم ہے کہ آپ اپنی والدہ کے ساتھ تنہا رہتی ہیں۔ کسی مرد کا سر پر سایہ نہ ہونا بھی اس دنیا میں بے آسرا ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ایسی خواتین کو مرد تر نوالہ سمجھ کر نگلنے میں عجلت سے کام لیا کرتے ہیں اور یہ کام ان کیلئے اتنا مشکل بھی نہیں۔ تحفظ احتیاط میں پوشیدہ ہے اور کچھ اہم فیصلوں میں بھی..... آپ نے کس بنا پر مجھے ٹھکرایا ہے۔ وہی وجہ بتا دیں۔ جہاں تک آپ کی یہ تشویش ہے کہ آپ کی والدہ کا کیا ہوگا؟ تو وہ ہمارے ساتھ رہیں گی۔''

زارا کا چہرہ سرخ اور آنکھوں میں نمی تھی۔ مہران شاہ اسے بہت دھیان سے دیکھ رہا تھا۔ پھر دونوں ہاتھ ٹیبل پر ٹکا کر اس کی جانب جھکا اور آنکھوں میں دانستہ جھانکا۔

''جانتی ہیں آج اس طاقت کا مظاہرہ کیوں کیا میں نے.....؟ آپ کو ایک چھوٹا سا سبق سکھانے کو..... کاش آپ سمجھ سکیں۔ مرد کی فطرت یہی ہے۔ وہ طاقت کا استعمال کر کے خوش ہوتا ہے اور عورت آپ کی طرح جتنی بھی بہادر بن جائے۔ جتنا بھی خود کو مضبوط شو کرائے۔ وہ مرد کے سامنے ہمیشہ ہار جاتی ہے۔ جیسے اس روز آپ ہاری تھیں ان غنڈوں کے سامنے جیسے آج میرے سامنے بے بس ہو گئیں اور میں یہی سمجھانا چاہتا ہوں۔ بیاہتا عورت پر کوئی بھی مرد تنی آسانی سے ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ جانتا ہوتا ہے کہ اسے جواب دہ ہونا پڑے گا جبکہ عورت کسی کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ عزت کو برباد کرنے اور تشہیر کا خوف اسے زبان کھولنے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ میں آپ کی طاقت بننا چاہتا ہوں۔ آپ کو تحفظ دینا چاہتا ہوں۔ وجہ ہمدردی نہیں..... آپ سے محبت ہے۔ میرا دست سوال ابھی بھی دراز ہے اور یہ دراز رہے گا۔ جب تک آپ مجھے شرف قبولیت نہیں بخشتی ہیں۔''

اس کا لہجہ مدھم تھا۔ گھمبیر تر..... جس میں اخلاص کی چاشنی تھی۔ محبت کا نرم گرم احساس پنہاں تھا۔ زارا کچھ نہیں بولی۔ بیگ کا اسٹریپ کاندھے پر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں مچلتے آنسو کسی پل بھی بہہ جانے کو تیار تھے۔ چہرے کی سرخی میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔

''میں آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا زارا.....!''

مہران شاہ نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کے بیگ کی پاکٹ میں اٹکایا اور خود بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ زارا نے اسے دیکھا۔ نہ پلٹی آگے بڑھ گئی تھی۔ اس کے لڑکھڑاتے قدم اس کی تباہ کن ذہنی حالت کے غماز

تھے۔ وہ وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ نگاہ سے اوجھل ہو گئی۔ اسے توقع تھی۔ شاید وہ جواب دے۔ اسی آس میں وہ کتنی بار فون اٹھاتا۔ مگر اس کا فون زارا کے کسی میسج یا کال کو ریسو نہیں کر سکا تھا تو اس کا مطلب تھا۔ انتظار ابھی اختتام پذیر نہیں ہوا۔

☆☆☆

ممی اور ڈیڈ دونوں بہت خفا تھے۔ دونوں کو چپ لگ گئی تھی۔ اس کا یہ فیصلہ ان کے غم و غصے کی شدت کو ظاہر کرتا تھا۔ اس کے اندر ایک ویرانہ آباد ہو رہا تھا۔ کسی کی بقاء کی خاطر وہ اپنی سہیلی کے شوہر کی بیوی بن کے گاؤں اس کی حویلی میں آ گئی۔ اس روز اس کی سج دھج دیکھنے والی تھی۔ اس سج دھج کے ساتھ وہ پیا دیس نہیں مقتل گاہ میں آئی تھی۔ وہ جتنی اداس تھی۔ جتنی ویران تھی۔ منیب اس قدر سرشار اور خوش تھا۔ چہک رہا تھا۔ اسے اس بات کی بھی پرواہ نہ رہی کہ اس سے وابستہ رشتے اس من مانی کے جواب میں صلہ کو کیسی تحقیر آمیز نظروں سے نواز رہے ہیں۔ ان کی زبانوں میں کتنی تپش ہے۔ وہ کانچ سے نازک تر لڑکی کیسے چکنا چور نہیں ہوئی۔ اس کا موم سا نازک بدن ان نشتروں سے کیسے کیسے نہیں شگاف زدہ ہوا۔ وہ اپنی سرشاری اور فتح کے جشن منانے میں مگن تھا۔ رات گئے وہ اس کے پاس آیا تو یہ سرخوشی اس کے انگ انگ سے عیاں تھی۔

''میں جیت گیا ہوں..... ہے ناں.....؟''

وہ ہنس رہا تھا۔ اس کی تائید کا بھی خواہاں تھا۔ جو نہیں ہو سکی۔ اس کا وجود پتھر کا مجسمہ تھا۔ زندگی کا احساس صرف آنکھوں میں نظر آتا تھا۔ جو لبالب پانیوں سے بھری پڑی تھیں۔ منیب نے دیکھا۔ محسوس کیا اور ساکن رہ گیا۔

''صلہ.....!!!''

اس نے اس کا ہاتھ چوما۔ آنکھوں سے لگا لیا۔ انداز میں عقیدت مندی تھی۔

''میں جانتا ہوں غلط کیا تمہارے ساتھ..... بہت غلط' مگر مجبور تھا۔ تم دل کی سب سے بڑی خواہش ٹھہریں تھیں۔ میں دل کو نظر انداز نہیں کر سکا۔ جانتی ہو ناں تم..... یہ ننھا سا لوتھڑا پورے وجود پر حکمرانی کرتا ہے۔ تم میری تکمیل تھیں۔ میں اس تکمیل سے خود کو باز نہیں رکھ سکا۔ اس کے باوجود کہ انداز غلط تھا۔ مگر اس کے بغیر مجھے اور کچھ سوجھتا نہیں تھا۔''

وہ وضاحتیں دے رہا تھا۔ صفائیاں پیش کر رہا تھا۔ صلہ کا دل صاف نہیں ہوا۔ صاف ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے نزدیک وہ بس ایک خود غرض ظالم اور سفاک انسان تھا۔ جو اپنی خوشی کی خاطر ہر جانب تباہی پھیلانے سے بھی نہیں چوکتا۔ منیب اس جرم کا مرتکب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

صلہ کی شادی میں شرکت کے بعد وہ بہت گم صم رہی تھی بہت دن تلک..... عمر اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ علیزے نے سجاؤ سے منع کر دیا۔ وہ ان حالات میں جبکہ گھر کا ماحول بے حد کشیدہ تھا۔ اماں کو شکایت کا موقع فراہم کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ رشتوں کو ٹوٹتے دیکھ چکی تھی۔ اس دکھ کو سہہ چکی تھی۔ جبھی اپنی

ذات کو کسی بھی پیمانے پر اس جرم میں ملوث کرنے کی قائل نہیں تھی۔ اس کی فطرت بھی یہ نہیں تھی کہ فساد کا باعث بنتی۔ دکھ کا باعث ٹھہرتی۔ عمر متذبذب تھا۔ اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔

''پتا نہیں کیوں دل آمادہ نہیں ہے علیزے! آپا آپ کو بہت پریشان کریں گی جانتا ہوں۔''

علیزے جواباً نرمی سے مسکرا دی تھی۔

''آپ ان کیلئے دعا کیجئے گا۔ اللہ انہیں ان کے گھر میں سکون عطا فرمائے اور عمر.....! شادی کے شروع کے دن اکثر لڑکیوں کو بہت ضبط حوصلے اور برداشت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ جو نہیں کرتیں..... وہ عمر بھر کیلئے سسرال میں عزت و مقام بھی حاصل نہیں کر پاتیں۔ چند دن تنگی کے ہیں' میں سہہ لوں گی۔ مجھے پورا یقین ہے اماں اور آپا دونوں کے دلوں میں میرے لئے گنجائش نکل آئے گی۔''

عمر اسے دیکھا رہا تا۔ پھر گلا کھنکار کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو انداز میں شرارت از خود اتر آئی تھی۔

''اگر واقعی یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر یہ مجھ سے میری محبت سے فرار ہے تو پھر.....''

اور علیزے جو حیران ہو چکی تھی۔ اس کی شرارت کو سمجھتی جھینپ کر اسے آنکھیں دکھانے لگی۔

''اگر ایسا ہوتا تو اس رات آپ کو مناتی نہیں میں..... جو صورتحال تھی۔ آپ تو شاید اس غلط فہمی میں عمر گزارنے کا سوچے بیٹھے تھے۔''

وہ جس طرح منہ پھلا کر بولی تھی۔ عمر جتنا بھی کھسیایا مگر ہنسنے لگا تھا۔

''آپ کا یہ احسان عظیم عمر بھر نہیں بھولوں گا۔''

وہ شریر ہو رہا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر ٹھنڈی آہیں بھرنے لگا۔

''کیسے رہوں گا تمہارے بغیر اتنے دن..... ایک رات بھی مشکل ہے۔ اوپر سے اماں کی شکایتیں کہ آپ کی خاطر آتا ہوں۔''

علیزے خفیف سی ہو گئی تھی۔

''تو آپ انہیں شکایت کا موقع نہ دیں۔''

وہ بے نیازی سے کہہ گئی۔ عمر کو دھچکا سا لگا۔

''مطلب..... یعنی کہ میں آوں ہی نہیں.....؟''

''آئیں..... مگر کم..... اماں کے بلوانے پر۔''

وہ ہونٹ کا کونہ دبا کر شرارت سے بولی کہ عمر نے منہ لٹکا لیا تھا۔

''مگر میں تمہاری طرح صابر نہیں ہوں۔''

وہ جتلا رہا تھا علیزے ہنسنے لگی تھی۔

''بھر جائی.....! آپ کو اماں بلا رہی ہیں۔''

''سعدیہ نے اندر جھانکا۔ پیغام دیا اور غائب ہو گئی۔ علیزے کے تھکن سے ٹوٹے وجود میں اذیت کی لہریں دوڑنے لگی۔ ابھی تو وہ آ کر لیٹی تھی۔ سارا دن مصروفیات میں سر کھجانے کی فرصت بھی نصیب نہ ہوتی تھی۔

اس پر عمر کے شکوے کہ اس کے پاس اتنا ٹائم بھی نہیں ہوتا کہ چند منٹ اس سے بات کر سکے۔ رات کو ہی وہ فارغ ہوا کرتا۔ رات کو اتنی مشکلوں سے وہ کہیں جا کر کام سمیٹتی تو اس کا فون آتے ہی اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئی جاتیں۔ واقعی چند منٹ بھی بات نہیں کر پاتی اور معلوم بھی نہ ہوتا کب سو گئی۔ عمر کا شکوہ بنتا تھا۔ مگر اس سلسلے میں تمام تر شرمندگی کے باوجود کچھ نہیں کر پاتی تھی۔

''جب آؤں گا گھر پھر ایک لمحے کو بھی سونے نہیں دوں گا۔ سارے بدلے ہی چکانے ہیں مجھے اک ساتھ.....''

وہ دھمکی دیتا۔ علیزے سر آنکھوں پر رکھ لیتی۔

''جی اماں.....!!!''

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی۔ صحن میں برآمد کے پلر کے پاس کرسی پر ایک عجیب سا مرد بیٹھا تھا۔ وہ حیران تو جوئی ہوئی سو ہوئی جھجک بھی گئی۔ لاپرواہی میں اوڑھا دوپٹہ گھبرا کر عجالت میں درست کیا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے اماں کو دیکھتی تھی۔ جن کی نظروں میں طنز تھا۔

''مجھ سے نہ پوچھ.....اس سے پوچھ۔ جو آیا بیٹھا ہے تیرا خصم.....''

ان کا لہجہ عامیانہ تھا۔ بے حد سطحی۔ علیزے نے پہلے تڑپ کر شاک میں مبتلا ہوتے ایسے اماں کو دیکھا۔ گویا سننے میں غلطی ہوئی یا اماں کی دماغی حالت پر شبہ ہوا ہو۔

''کیا کہہ رہی ہیں اماں.....؟''

اس کی آواز کانپنے لگی۔ رنگ تو اڑ ہی چکا تھا کہ سیما کی نگاہوں میں جو خوفناک عزائم نظر آئے تھے۔ اس کی سادگی کے باوجود اسے لمحوں میں اس کا انجام سمجھا گئے تھے۔

''میں کیا کہوں گی.....؟ اس سے پوچھ جس سے تو فونوں پر باتیں مٹھارتی تھی۔ اپنی ماں کے گھر پر اس سے ملاقاتیں کرتی تھی۔ تو وہاں نہ ملی ہو گی تو یہ یہاں آ گیا۔''

ان کا انداز ملامتی تھا۔ کوسنے والا۔ تنفر آمیز حقارت سے بھرا ہوا۔ علیزے دھک سے رہ گئی۔

اسے سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی تھی۔ اسے کسی گھناؤنی سازش کا شکار کیا جا رہا تھا۔ کچھ دیر قبل جب وہ دوپہر کا کام نپٹا کر کچن سے نکل رہی تھی۔ سیما کی فون پر ہونے والی گفتگو کے چند فقرے اس کی سماعتوں میں اترے تھے۔ وہ کسی کو آج ہی پہنچنے کا کہہ رہی تھی۔ اس کے خیال میں مزید صبر ممکن نہیں تھا۔ اس قصے کو اب نپٹ جانا چاہئے تھا۔ اس کے بات وہ لائن کے دوسری جانب موجود ہستی کو جھاڑنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

''پیسے مل جائیں گے تمہیں۔ بے صبرے کیوں ہو رہے ہو۔''

علیزے نے توجہ نہیں دی۔ اسے کہاں خبر تھی یہ سارا جال ہی اس کیلئے پھیلایا جا رہا ہے۔ یہ لوگ سازشی تھے' فسادی تھے۔ مگر اس حد تک بھی گر سکتے تھے۔ یہ تو گمان تلک بھی نہیں تھا۔ زمین قدموں سے کیسے نکلتی ہے یہ اس نے ابھی جانا۔ اس کی سماعتوں میں بہت شور تھا اور دل بہت تیز دھڑکتا سرعت سے نیچے گرتا جا رہا تھا۔

''کچھ بھونکتی کیوں نہیں.....؟ یہ تھے تیرے کرتوت.....اب جا اسی کے ساتھ نکل.....ایسی بدمعاش

بدکردار عورت کا میرے بیٹے سے کوئی واسطہ نہیں ہوسکتا۔''

وہ اسے دھکے دے رہی تھیں۔ علیزے کا سکتہ ٹوٹنے لگا تو سراسیمگی میں اضافہ ہوا۔

''یہ الزام ہے۔ سراسر جھوٹ..... اماں..... میں اسے جانتی بھی نہیں۔ خدارا ایسے نہ کہیں۔''

وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ بے بسی سے روتی تھی۔ مگر کسی کو رحم نہیں آتا تھا۔ پھر ساری دنیا نے دیکھا۔ اس پر قبیح قسم کے الزام لگائے گئے۔ گھر سے دھکے مار کر نکالا گیا۔ تو اس کے ایک پیر میں جوتا تھا۔ دوسرے میں نہیں۔ دوپٹہ سر پر نہیں تھا۔ وہ حواس باختہ تھی۔ آنکھوں تلے اندھیرے چھاتے جا رہے تھے۔ محلے کی ہر کھڑکی اور دروازے سے نکی آنکھیں اسے دیکھتی تھیں۔ ترحمانہ انداز میں بھی تمسخر سے بھی۔ کسی نے اسے پناہ نہیں دی۔ کسی نے اس سے ہمدردی نہیں کی وہ بدکردار سمجھائی گئی۔ تو اسے بدکردار سمجھ لیا گیا۔ اتنی بے بسی۔

ایسی ذلت

ایسی رسوائی

ایسی بے قدری و بے توقیری

وہ شرم سے ڈوب مری۔ وہ حواس کھو گئی۔ مگر زندگی کی قید سے آزاد نہیں ہوئی۔ یہی سب بڑی اذیت تھی۔

☆☆☆

پھر پتا نہیں کتنا وقت بیت گیا۔ لیکن بہت بیت گیا تھا۔ اس کیلئے تو ویسے بھی ایک ایک لمحہ ایک صدی کے برابر تھا۔ ماما اور ڈیڈ دوبارہ اس سے ملنے نہیں آئے۔ اس نے بھی پلٹ کے نہیں دیکھا۔ اس کا صرف دل نہیں مرا تھا۔ وہ خود بھی مر گئی تھی جیسے..... منیب کا خمار اترا تو اس کی کیفیت کا اندازہ کر پایا۔ نقصان کا احساس ہوا تو فتح ناکامی میں بدلتی محسوس ہونے لگی۔ یہ کیسی جیت تھی بھلا.....''

نہ احساس

نہ جذبہ

نہ کیفیت

اس نے پتھر کی مورتی حاصل کی تھی۔ جسے چاہتا تو کسی شیلف پر سجا دیتا۔ چاہے تو بیشک دیوار پر مار کر پاش پاش کر ڈالے۔ مورتی تو مورتی ہوتی ہے۔ جسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ احساس زیاں اسے پاگل کرنے کو کافی تھا۔

''تم نے مجھے معاف نہیں کیا ہے صلہ.....''

وہ اس سے استفسار پر مجبور ہوا۔ صلہ کچھ نہیں بولی۔ وہ اب کچھ بولتی ہی نہیں تھی' منیب نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے مین لے لیا۔ اس کی نگاہوں سے بے بسی چھلکتی تھی۔

''مجھے چپ کی مار نہ مارو صلہ! مجھے ایسے سزا نہ دو۔''

وہ متلجی تھا۔ وہ پھر کچھ نہیں بولی۔

''کچھ کہو پلیز.....''

منیب کا انداز گڑگڑاہٹ سے مشابہہ تھا۔ صلہ نے نگاہ بھر کے اسے دیکھا۔ کچھ دیر دیکھتی رہی۔

''جس سے محبت نہ ہو..... جس سے نفرت محسوس ہو منیب چودھری.....! اسے شریک حیات کے طور پر قبول کرنا پڑ جائے تو میرے جیسے شدت پسند انسان کی موت کے مترادف سزا ہو سکتی ہے۔ میں دل مار مار کے تھک گئی ہوں۔ یہ پھر بھی دکھ کی شدتوں سے مچلتا ہے۔ دعا کرنا اسے تم سے محبت نہ بھی ہو..... اسے صبر ضرور آ جائے۔''

وہ بولی بھی تھی تو کیا..... منیب کو لگا وہ شل ہو گیا ہے دکھ سے۔ توہین تضحیک اذیت ریجکشن کیا ہوتی ہے۔ اسے اس لمحے میں احساس ہوا تھا۔ وہ لمحوں میں بکھرتا گیا۔ صلہ نے اس کی متغیر رنگت دیکھی۔ آنکھوں کی سکتہ زدہ کیفیت دیکھی اور سپاٹ چہرے کے ساتھ وہاں سے اٹھ گئی۔ اس کے دل میں ذرا برابر بھی اس سفاک شخص کیلئے ہمدردی نہیں تھی۔ وہ سب سے بڑا غاصب تھا اس کے نزدیک جس نے اس سے اس کی عزت نفس اس کا وقار اس کی خوشیاں اور عزت تک چھین لی تھیں۔ یہاں سسرال میں اس کی کوئی اوقات تھی نہ والدین کی نظروں میں کوئی وقعت رہنے دی۔ ہر جگہ وہ غاصب سمجھی جا رہی تھی۔ نفس پرست مشہور ہوئی تھی۔ جس نے اپنی سہیلی کے شوہر کو ورغلایا تھا اور ہتھیا کر دم لیا۔ وہ شائزے سے درگزر کر سکتی تھی۔ وہ خود کو غلط سمجھنے والوں کو برداشت کر سکتی تھی۔ وہ اس سارے فساد کی جڑ اس شخص کو معاف نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

وہ بدحواس سے اوسان سیدھا ہو ہیں آیا تھا۔ تو اتنی ہمت نہیں تھی کسی سے نظریں چار کر سکے۔ علیزے کی حالت کے متعلق زارا نے کال کر کے اسے اطلاع نہیں دی۔ صحیح معنوں میں اس کی طبیعت صاف کی تھی۔ غم و غصے کے اظہار میں اس نے ہرگز الفاظ کے مناسب چناؤ کا اہتمام نہیں کیا۔ جو منہ میں آیا وہ وہی بولی تھی۔ اس میں طعنے بھی تھے۔ بزدلی کے اور غیر ذمہ داری کے شکوے شکایات بھی..... عمر کو جو آدھی ادھوری بات پلے پڑی وہ یہ تھی کہ اس کی ماں اور بہنوں کی سازشیں کارگر رہی اور علیزے کو ذلیل کر کے گھر سے نکال دیا گیا تھا۔ عمر نے بہت کوشش کی تھی ماما سے بات کرنے کی مگر رابطہ بحال ہو کر نہیں رہا۔ اس نے گھبراہٹ میں اماں کو فون کیا۔ کال ریسیو تو ہو گئی۔ مگر انہوں نے اسے آڑے ہاتھوں ضرور لیا۔

''مجھے پتا تھا۔ تجھے ہمارے خلاف اکسایا جائے گا۔ شاباش ہے بیٹا! بالکل صحیح کر رہا ہے ماں کو کٹہرے میں کھڑا کر کے۔

ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا۔ جو اس فارمولے اور چالاکی پر عمل کرتے ہیں اس سے قبل کہ ان پر اٹیک کیا جائے وہ دوسروں پر گرفت کر کے سارا ملبہ انہیں پر پھینک دیا کرتے ہیں۔

''علیزے کہاں ہے اماں.....؟''

وہ بہت ضبط بہت برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ مگر دماغ کی شریانیں پھر بھی پھٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''یہ تو مجھ سے پوچھتا ہے۔ پوچھ اس فاحشہ سے۔ جو بھاگ گئی اپنے عاشق کے ساتھ..... جس سے جانے کب کی لگائی ہوئی تھیں اس نے۔''

وہ پھٹ پڑی تھیں۔ عمر نے کال ڈراپ کر دی۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اگر ماں بہن کی فطرت سے آگاہ نہ ہوتا تو شاید علیزے کے متعلق کچھ غلط سوچتا بھی۔ اب تو اس سازش کو سمجھنے میں ہرگز

دشواری کا سامنا نہیں تھا۔ وہ جیسے تیسے سہی کراچی پہنچا تو شام ڈھل رہی تھی۔ اماں کے پاس جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سیدھا ماما کی طرف آیا۔ دروازہ زارا نے ہی کھولا۔ اس کے چہرے پر جو تاثرات نظر آئے وہ اسے نظریں چرانے پر مجبور کر گئے تھے۔

''السلام علیکم!''

اس کی آواز میں خفت و ندامت چھلک رہی تھی۔

''وسلام!''

زارا کا انداز نروٹھا اور بے دید تھا۔ وہ اور شرمسار ہوا۔

''علیزے.....''

اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔ نگاہوں میں بے چینی اضطراب اور بے قراری تھی۔ زارا طنزاً اسے تکتی رہی۔

''مری نہیں ہیں۔ بچ گئی ہیں بدقسمتی سے۔''

وہ ہونٹ سکوڑ کر برہمی سے کہہ گئی۔ عمر نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''کک... کیا میں مل سکتا ہوں.....؟''

وہ دروازے میں اس طرح جم کر کھڑی تھی کہ گویا اسے آگے جانے کا راستہ دینے کا ارادہ نہیں رکھتی ہو۔

''یہاں نہیں ہیں وہ... ہاسپٹل میں ہیں۔''

اب کے اس کا لہجہ و انداز قدرے دھیما ضرور تھا۔ مگر خفگی سے پاک نہیں تھا۔ عمر شاکڈ رہ گیا۔

''کیا ہوا اسے..... خیریت.....؟''

اس کی آواز لڑکھڑائی اور ڈوبنے لگی۔

''یہ آپ وہاں جا کر خود پوچھ لیں۔''

وہ بے حد تنفر سے بولی تھی۔ اس کا دماغ الٹ رہا تھا۔ یہاں کیا کچھ قیامت بیت گئی تھی ان پر اور محترم کی بے خبری قابل دید تھی۔ اسے طیش پر قابو پانا محال تھا۔

عمر نے اس سے ہاسپٹل کا نام اور وارڈ پوچھی تھی اور الٹے قدموں وہیں سے پلٹ گیا تھا۔ زارا دروازہ بند کر کے اندر آ گئی۔ اس کا سر چیخ رہا تھا۔ کل یہی ٹائم تھا تقریباً جب وہ چائے بنانے کمرے سے اٹھ کر آئی تھی کہ ماما نے اسے گھیر لیا تھا۔ اسے آمادہ کرنے کو جذباتی تقریر بھی کرتیں رہیں۔ وہ ماننے کو تیار نہ تھی۔ جبھی چائے بنا کر اندر آ گئی۔ عشاء کی اذان کی پکار فضا میں گونجی تب اچانک دروازہ بجنے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر نہیں آئی۔ مگر ماما کی ہذیانی چیخوں کے جواب میں ضرور وہ گرتی پڑتی اٹھ کر باہر بھاگی تھی۔ ماما حواسوں سے باہر ہو رہی تھیں۔ علیزے کو بے ہوشی کی حالت میں لانے والے محلے کے چند نوجوان تھے۔ جن کے بقول یہ باجی رکشے میں یہاں آئی تھیں۔ مگر گلی کی نکڑ پر آ کر گر گئی تھیں۔

علیزے کی دگرگوں حالت اور ماما کی حواس باختگی خود زارا کے بھی ہاتھ پیر پھلا کر رکھ گئی۔ اپنے طور پر اس نے علیزے کو ہوش میں لانے کی ہر ترکیب آزمائی جو کارگر ثابت نہیں ہو سکی تھی۔ تو محلے کی بزرگ

خاتون کو اس نے وہاں ٹھہرا کر خود قریبی ڈاکٹر کو لینے بھاگی تھی۔ ڈاکٹر کے آنے تک علیزے کی حالت مزید تشویش ناک ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر نے خود تو کچھ نہیں کیا۔ البتہ فی الفور کسی اچھے ہسپتال لے جانے کا کہہ دیا تھا کہ علیزے کی حالت خطرے سے باہر بہرحال نہیں تھی۔ زارا کی بھاگ دوڑ کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ رات گہری ہو جانے کے باعث ایسے ایریا میں ٹیکسی کا ملنا محال تھا جبکہ علیزے کی حالت ہر گزرتے لمحے غیر ہوتی جا رہی تھی۔ ایسے میں اسے اگر مہران شاہ کا خیال آیا تھا تو پھر انا کا دامن از خود چھوٹ گیا تھا۔ اندر بھاگ کر بیگ سے کارڈ ڈھونڈ کے لرزتے ہاتھوں سے اس کا نمبر ڈائل کرتے کال ریسو ہونے تک وہ خود پر ہر ضبط کھو بیٹھی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا دوسری طرف واقعی مہران تھا بھی یا نہیں۔ اس نے سسکتے ہوئے بے اختیار سے روتے ہوئے اسے بلایا تھا۔

''ہیلپ می مہران صاحب! پلیز ہیلپ می! میری بہن مر جائے گی اگر ذرا سی بھی دیر ہوئی۔''

ماما کی بلند ہوتی چیخوں پر وہ بوکھلا کر پھر باہر بھاگی تھی۔ مہران کو آنے میں جتنی دیر لگی وہ کٹھن آزمائش مرحلہ ضرور تھا۔ اس کے بعد ہر مرحلہ آسان ہوتا گیا تھا۔ وہ پہلے سے شاید ڈاکٹر کو الرٹ کر چکا تھا۔ ہاسپٹل پہنچتے ہی نہ صرف علیزے کو ایڈمٹ کیا گیا بلکہ فوری طبی امداد بھی دی گئی۔ مگر تاخیر ہو جانے کے باعث علیزے کی حالت ضرور تشویش ناک تھی۔ اس کی پریگننسی جو ابھی اس پر عیاں بھی نہیں ہوئی تھی۔ مس کیرج میں تبدیل ہو گئی۔ ایک اذیت انگیز مرحلہ تھا۔ علیزے کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور ابھی تک ہوش نہیں آئی تھی۔ ایک ایک لمحہ رینگتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس کی ہر اذیت کی گواہ نہیں تھی۔ مگر کٹھن زندگی سے کسی حد تک واقف ضرور تھی۔ یہ صلہ تھا اس کی قربانیوں کا؟

اس کا دل ٹوٹ ٹوٹ کر گرتا رہا تھا۔

''حوصلہ رکھیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ!''

مہران مشکلوں سے ماما کو چپ کروا کر سیدھا ہوا تو زارا کے بہتے آنسو دیکھ کر نئے سرے سے پگھلنے لگا۔

زارا کچھ نہیں بولی۔ ہونٹوں پر ہاتھ رکھے سسکتی رہی۔

''عمر بھائی کا کانٹیکٹ نمبر دیں مجھے..... انہیں آگاہ کر دوں گا۔''

وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ زارا نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ کر صاف کرتے سر کو نفی میں ہلایا۔

''بہت شکریہ..... میں خود آگاہ کر دوں گی۔''

اس کا لہجہ خشک تھا۔ مہران اسے دیکھ کر رہ گیا۔ تب ہی ڈاکٹر کے باہر آنے پر وہ ادھر متوجہ ہو گیا تھا۔ زارا پلٹ کر آگے آئی تھی۔ اگر ہوش میں آنے کی اطلاع خوشی کا باعث تھی۔ تو مس کیرج کی خبر نے اسے نڈھال کر ڈالا تھا۔ وہ بے اختیار لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا نہ لیتی تو شاید کھڑی نہ رہ پاتی۔ آنسو کتنی خاموشی سے اس کی آنکھوں سے بہتے رہے تھے۔

''آپ نہیں ملیں گی ان سے.....؟''

وہ مستفر تھا۔ زارا نے چونک کر دھندلائی نظروں سے اسے دیکھا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

''آپ کا بہت شکریہ مہران صاحب! بہت مدد کی آپ نے..... آپ جا سکتے ہیں۔ بہت قیمتی وقت

ضائع ہو چکا ہے آپ کا۔''

اس کے بیگانگی آمیز لہجے میں اجنبیت کی سرد مہری تھی۔ مہران اس ساری بھاگ دوڑ کے دوران اس کیلئے کتنا حساس رہا تھا۔ اس کی مہربان آنکھوں میں زارا کیلئے کتنی نرمی کتنا خلوص اور جذبے تھے۔ وہ جانتی تھی۔ انہی جذبوں کی پذیرائی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جبھی اس قدر خشک سرد اور حوصلہ شکنی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔ مہران نے بغور اسے دیکھا تھا۔ پھر ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''کیوں خائف ہیں زارا.....؟ میں احسان جتانے والوں میں شامل نہیں ہوں ریلیکس!''

وہ بولا تو جواباً اس کا لہجہ بھی نرم نہیں رہا تھا۔ بے حد روڈ ہو رہا تھا۔

''آپ یہاں سے جائیں۔ مجھے ضرورت نہیں ہے آپ کی اب.....''

اسے بہت اطمینان سے صوفے پر بیٹھتے پا کر وہ آپے سے باہر ہونے لگی۔

''خوش فہم نہ ہوں۔ میں آپ کیلئے رک بھی نہیں رہا ہوں۔ میں ماں جی کی پریشانی کے خیال سے ٹھہرا ہوا ہوں۔ انہیں میری ضرورت ہے۔ میں جانتا ہوں۔''

مہران کا انداز جتلاتا ہوا اور تیکھا تھا۔ زارا کا چہرہ جھلس سا گیا۔

''وہ میری ماں ہیں اور ان دونوں کا میں خود سے بہتر خیال رکھ سکتی ہوں۔''

وہ تڑخ تڑخ گئی۔ مہران آہستگی سے ہنس دیا۔

''محترمہ! بات رشتے کی نہیں احساس کی ہوتی ہے۔ آپ بیٹی ہو کر اگر ان کی خواہش اور پریشانی نہیں سمجھ سکیں تو اس میں قصوروار بھی آپ کے علاوہ کوئی نہیں۔''

اس کے چہرے کے تاثرات کے برعکس اس کا لہجہ کڑا اور ملامتی تھا۔ زارا کو صحیح معنوں میں آگ سی لگ گئی۔

''تم..... ہوتے کون ہو مجھے یہ بات کہنے والے.....؟''

وہ بپھر اٹھی اور جیسے اس کے گلے پڑ گئی۔ اس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ مہران اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ اس وقت اس کے مدمقابل تھا۔ بلیک پینٹ وائٹ شرٹ پر براؤن سوئیٹر پہنے وہ اپنے وجیہہ سراپے کے ہمراہ کتنا چھایا ہوا مضبوط اور سروقامت لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں زبردستی جھانکتا وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

''واقعی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں کچھ نہیں ہوں آپ کا..... شاید آپ کو جبھی پریشانی اور مشکل میں میرا ہی خیال آیا۔ غور طلب بات ہے مادام کہ اگر ایسا ہوا تو کیوں ہوا.....؟''

زارا اس طعنے نما بات پر سرتاپا جھلس کر رہ گئی۔ خون کھول اٹھا تھا۔

''تم..... مجھ پر احسان جتلا رہے ہو کہ تم نے میری مدد کی.....؟''

وہ مٹھیاں بھینچ کر زور سے پھنکاری۔ مہران نے کاندھے اچکا دیئے۔

''آپ کے نزدیک اگر احسان ہے تو اتار پھینکیں یہ احسان۔ بولیں کیسے اتاریں گی۔''

وہ ہنوز پرسکون نظر آ رہا تھا۔ زارا کا طیش اور خفت مزید بڑھتا چلا گیا۔

''اتار دوں گی لازماً۔''

تذلیل کا احساس اس کی آواز بھراہٹ سے لبریز کر گیا۔ اسے مہران سے ایسی سطحی سوچ کی توقع نہیں تھی۔ کتنی بڑی غلطی کی تھی اس پر بھروسہ کر کے۔ مہران اس کی کیفیت سے بے خبر نہیں تھا۔ بلکہ محظوظ ہو رہا تھا۔ اس کی طراری کو بے بسی کی سمت بڑھتا پا کر مہران پر سرمستی کی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔

''او کے فائن! تاوان میری مرضی کا ہوگا۔''

اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ زارا نے حقارت بھری نظروں سے اسے اک نظر دیکھا۔

''بے فکر رہو۔ یہ احسان سر پر لادے رکھوں گی بھی نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ سسٹر ٹھیک ہو جائیں۔ تو آپ سے تاوان لینے آؤں گا۔ یاد رکھئے انکار کی پوزیشن میں نہیں رہیں اب آپ.....''

وہ بالخصوص جتلا رہا تھا۔ زارا نے پوری بات بھی نہیں سنی۔ ماما آنکھیں پونچھتیں روم سے باہر آ رہی تھیں۔ وہ لپک کر ان کی جانب آئی اور ہمدردانہ انداز میں سہارا دیا تھا۔

''کیسی ہیں بجو.....؟''

اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔ ماما نے دکھ بھری کیفیت میں سر کو مایوسی سے ہلایا۔

''سسٹر ٹھیک ہو جائیں گی ماں جی! اسٹریس نہ لیں آپ پلیز!''

مہران دوسری جانب سے انہیں سہارا دے چکا تھا۔ ایسے کہ انہیں تھامے زارا کی کلائی سے اس کا ہاتھ مس ہونے لگا۔ زارا نے تیزی سے ہاتھ کھینچا تھا۔ نظریں اٹھائے بغیر وہ اس کی پرتپش نظروں کا حصار اپنے چہرے کے گرد بنتا محسوس کر کے جھنجھلائی۔

''میں بجو سے مل لوں۔ پھر گھر جاؤں گی۔''

وہ ماما سے مخاطب تھی۔ انہوں نے محض ہنکارا بھرا۔

''عمر کو بتایا بیٹے!''

اس سوال پر اس کے اندر تلخی بھر گئی۔

''نہیں اور بتاؤں گی بھی نہیں۔''

''زارا.....''

ماما کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ وہ ٹوک گئی۔

''پلیز ماما! انہیں خود احساس ہونے دیں۔''

''یہ سب سے اتنی خفا کیوں رہتی ہیں ماں جی.....!''

وہ کتنا معصوم بن کر سوال داغ رہا تھا۔ زارا کا چہرہ سرخ ہو کر دہکنے لگا۔ وہ اندر گھس گئی تھی۔ علیزے کے چہرے پر زردیاں اور آنکھوں میں عجیب سی وحشت ہنوز بھری تھی۔ اس نے بال سہلائے نرمی سے ہاتھ پکڑ کر

بوسہ ثبت کیا تو وہ پھر سے سسکنے لگی تھی۔

''حوصلہ کریں بجو.....! بہادر بنیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ!''

''عمر کو بتا دو زارا! انہیں یہاں بلاؤ پلیز.....''

وہ سسکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ زارا کے اعصاب بے تحاشہ بوجھ اور تناؤ سمیٹ لائے۔

''آپ روئیں نہیں بجو! میں انہیں کال کر دوں گی۔''

''ابھی.....''

وہ بے چین مضطرب لگی۔ زارا نے ہاتھ نرمی سے تسلی کے انداز میں دبایا۔

''ابھی کروں گی گھر جا کے۔ فون میرے پاس نہیں ہے۔''

''تو پھر تم گھر چلی جاؤ۔''

علیزے پہ عجیب سی گھبراہٹ طاری ہو رہی تھی۔ زارا نے سرد آہ بھری اور سر اثبات میں ہلاتی پلٹ کر باہر آ گئی۔ مہران شاہ وہیں ماما کے ساتھ بیٹھا نظر آیا۔ اسے آتے پا کر نگاہیں اسی پر جم گئی تھیں۔ وہ جتنی بھی جز بز ہوئی مگر اس کی نظروں کو ہٹانے پر قادر نہیں تھی۔

''اکیلی مت جانا بیٹی!''

ماما نے ٹوکا تو اس کے چہرے پر تیوریاں چڑھنے لگیں۔

''ہمیشہ اکیلے سب کام کئے ہیں ماما! اب کون سی فوجیں میرے ساتھ روانہ ہوں گی بھلا.....؟''

اس کا انداز چڑا ہوا تھا۔ ماما نے کہاں پرواہ کی۔

''مہران چھوڑے گا تمہیں گھر۔ میرا دل ابھی تلک قابو میں نہیں ہے۔ اب ضد نہیں کرنا نہ کوئی بحث.....''

اس کے چہرے پر اختلاف کے تاثرات ابھرتے دیکھ کر ہی انہوں نے حد بندی عائد کی تھی۔ وہ جل کر رہ گئی کہ مہران کے چہرے پر امڈتی مسکان اس سے مخفی نہیں رہ سکی تھی۔ تلملاتی ہوئی وہ پیر پٹختی کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئی تھی۔ مہران اس کے پیچھے آیا تو مسکراہٹ کنٹرول سے باہر ہو رہی تھی۔

''اب آپ کو لگا ہوگا کہ آپ کی ماما کو اس عمل پر بھی میں نے اکسایا ہے۔''

اس کا انداز شریر تھا۔ بے حد شوخ بھی۔ زارا نے جواباً اسے تند نظروں سے دیکھا تھا۔

''تم بے وقوف ہو..... شاید یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ میں ہار گئی ہوں۔ مسٹر مہران شاہ میں تمہارے ساتھ نہیں چل رہی۔ سنا تم نے.....؟''

اس کا انداز سرکشی کا تھا۔ تلخ تھا۔ مہران ایک دم لب بھینچ گیا۔

''جب زندگی کا سفر اکٹھے طے کرنا ہو زارا تو پھر اس قسم کی ضد کا کیا مطلب ہے.....؟''

وہ بے بس نظر آ رہا تھا۔

''میں نے ایسا کوئی ایگری منٹ نہیں کیا تم سے.....''

اس نے رکھائی سے کہا۔ رکشہ روکا اور چلی گئی۔ مہران وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ عمر پہ جو اس کا غصہ نکلا تھا۔

اس میں زیادہ غصہ مہران کا تھا۔ نہ علیزے اس نوبت کو پہنچتی نہ ہی اسے مہران کے سامنے جھکنا پڑتا۔

☆☆☆

''علیزے.....!!!''

عمر اس کے پہلو میں ٹک گیا تھا۔ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ علیزے دواؤں کے زیر اثر غنودگی میں تھی۔ مگر اس کی پکار پر بے ساختہ آنکھیں کھولیں۔

''عمر.....!!!''

وہ بے ساختہ سسکی' عمر نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

''کاش آپ میرے ساتھ چلی گئی ہوتیں تو یہ اذیت نہ سہتی آپ.....''

وہ متاسف تھا۔ علیزے برستی آنکھوں سے اسے تکتی رہ گئی۔ نہ کوئی وضاحت نہ صفائی۔ اسے اس درجہ اعتبار تھا اس کا.....؟ اس کے دل میں دور تلک جیسے آسودگی پھیل گئی۔

''آپ کو مجھ پر ٹرسٹ ہے نا عمر کہ میں بدکردار.....''

عمر نے اس اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''بہت شرمندہ ہوں لیزے! بہت نااہل بھی..... آپ کو کبھی بھی وہ تحفظ وہ مان نہ دے سکا جو آپ کا حق تھا۔ جو آپ ڈیزرو کرتی تھیں۔''

علیزے کچھ نہیں بول سکی۔ اس کے بہتے آنسو اس کے جذبات کے ترجمان تھے۔

''ہمارا بچہ بھی عمر.....!!!''

وہ اس کے ہاتھوں پر چہرہ ٹکائے شدتوں سے بلکی۔ عمر نے نرمی سے اس کا سر تھپکا

''اللہ کی یہی مرضی تھی۔ صبر سے کام لیں آپ..... اس کے گھر میں کوئی کمی نہیں ہے۔''

''میں بہت ڈر گئی تھی۔ گر آپ بھی میرا اعتبار نہ کر سکے تو.....''

''کسی کی پرکھ کیلئے ایک لمحہ بھی کافی ہوتا ہے علیزے! ایسے کئی لمحے میری زندگی میں آپ کے حوالے سے آ چکے تھے۔ میں شرمندہ ہوں کہ آپ کا حق ادا نہ کر سکا۔ اب اور آزمائش نہیں ہونے دوں گا آپ کی انشاء اللہ!''

علیزے کچھ نہیں بولی۔ اس کے اندر بہت سکون اتر آیا تھا۔ یوں جیسے طویل مسافت کے بعد منزل پر پہنچی ہو۔

''آپ اماں کے پاس گئے.....؟''

کچھ خیال آنے پر وہ مضطرب سی سوال کر گئی۔ عمر کے سر نفی میں ہلانے پہ اس نے نم نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''وہ آپ کو میرے خلاف جو کچھ بتائیں گی.....''

''نہیں۔ میں یقین نہیں کرونگا لیزے!! اس لئے کہ مجھے اللہ نے عقل دی ہے۔ میں اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں چلوں گا۔ میں اب بھی ان کے حقوق میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ مگر میں تمہیں بھی ان کے ظلم کا نشانہ نہیں

بننے دوں گا تو بھی اس میں ان کی بھلائی ہوگی۔ وہ ظلم سے بچیں گی تو ان کے حق میں اچھا ہوگا۔ اگر ہم ظلم کرنے والے کا ساتھ دیں گے تو ظالم کے ساتھ خود اپنے اوپر بھی ظلم کر رہے ہوتے ہیں۔ ظالم کو ظلم سے روکنا..... اسے ظلم کا موقع نہ فراہم کرنا بھی نیکی ہے۔ میں اسی نیکی کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ میرا ساتھ دیں گی.....؟''

وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتا اس کی تائید چاہ رہا تھا۔ علیزے سر کو اثبات میں ہلاتی ریلیکس انداز میں مسکرا دی۔ خدا نے اتنی بڑی آزمائش ڈال کر بھی اسے سرخروئی عطا فرمائی تھی کوئی شک نہیں تھا۔

☆☆☆

عجیب تھا وہ شخص بھی.....

بہت پاگل' دیوانہ..... بالکل دیوانہ..... وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ منیب نے اسے ضد میں جیتا تھا یا محبت میں پایا تھا۔ اسے حاصل کرنے کا جنون سر چڑھا تو ہر منفی پہلو کو نظر انداز کئے اسی جتن میں جت گیا۔ زیادتی کا احساس ہوا تو ازالے کی سعی میں اپنی پوزیشن تک کا خیال نہیں کر پا رہا تھا۔ پہلے اپنی فیملی میں اسے بے گناہ بے قصور ثابت کرنے کو حقیقت سب کے سامنے آشکار کی۔ صلہ کو کہاں تھی بھلا اس سے اس انتہا درجے کی توقع..... کچھ دیر کو بالکل ساکت رہ گئی تھی۔ منیب البتہ وہاں مزید ٹھہرے بنا اٹھ کر چلا گیا تھا۔ وہ سب کے درمیان بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ ماحول پر اترا ہوا سناٹا اس کے وجود میں اترنے لگا تب وہ بے ساختہ جانے کو اٹھی تھی کہ شانزے نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''منیب شاید نہیں جانتے..... ورنہ میں یہ سچائی اماں کو بہت دن ہوئے بتا چکی ہوں۔ پھر بھی انہوں نے جس طرح تمہیں ڈیفنڈ کیا..... یہ تم ڈیزرو کرتی تھیں صلہ!''

صلہ نے آنسوؤں سے چھلکتی آنکھیں لمحہ بھر کو اٹھائیں۔ شانزے کی آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا۔ اماں اور بھابھیاں بالکل خاموش تھیں۔ وہ زخمی نظروں سے انہیں ایک نظر دیکھتی ہاتھ چھڑا کر اپنے کمرے میں جا گھسی اس کے بعد یہیں پہ اکتفا نہیں ہوا اماں اور بھابھیوں کا رویہ اس سے بہتر ہوا کہ بلکہ انہوں باقاعدہ معافی بھی مانگی۔ صلہ پہ اضطراب اور شکستگی کا یکبارگی حملہ ہوا تھا۔

''جو ہو چکا اس میں آپ سب بھی اتنی ہی بے گناہ اور بے قصور تھی۔ جتنی میں..... میں اگر آپ کو غلطی پر نہیں پاتی تو معافی کا کیا سوال..... سو پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں۔''

وہ تھکے ہوئے انداز میں کہتی بات ختم کر کے کمرے سے باہر آئی تو منیب چودھری کو دروازے کے باہر موجود پا کر ایک لمحے کو ٹھٹکی تھی پھر کترا کر وہاں سے چلی آئی۔ منیب چودھری نے اس کی نظروں میں اس کے چہرے پر اپنے لئے کوئی نرمی کوئی گنجائش ڈھونڈنی چاہی تھی۔ مگر ناکامی کی صورت میں خود کو ریتلی دیوار کی مانند کرتا محسوس کرتا وہیں سے پلٹ گیا۔

☆☆☆

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

میسج ٹون جو وقفے وقفے سے بجے جا رہی تھی۔ بند ہوئی اور رنگ ٹون بجنے لگی۔ زارا نے ہاتھ روک لیا۔ اس کی نظروں سے چہرے سے جھنجھلاہٹ چھلکنے لگی۔ معاً اس نے قلم پیڈ پر پٹخا تھا اور اٹھ کر فون اٹھایا۔ ''ہیلو.....''

اس کا انداز پھاڑ کھانے والا تلخی سموئے تھا۔ توجہ دوسری جانب مہران کی موجودگی تھی۔

''ہیلو نہیں السلام علیکم کہتے ہیں۔ یہ غیر مسلموں کی سازش ہے کہ یہ فضول لفظ ہمیں سونپ دیا کہ لاعلمی اور اندھی تقلید میں ایک دوسرے کو جہنمی کہتے رہیں۔''

موضوع کی گھمبیرتا کے برعکس اس کا لہجہ بالکل غیر سنجیدہ شوخ اور شرارتی تھا۔ زارا نے یکدم ہونٹ بھینچ لئے۔

''معاف نہیں کیا مجھے.....؟''

اس کی گہری چپ کو سہتا وہ آہستگی سے بہت اپنائیت آمیز انداز میں سوال کر رہا تھا۔

''کیوں کال کی ہے.....؟''

وہ تاخیر سے بولی تھی۔ انداز میں ناگواریت تھی۔ مہران نے سرد آہ بھری۔

''آپ مجھے کوئی ری پلائے نہیں کر رہی تھیں تو.....''

''تو آپ نے سوچا تنگ کیا جائے۔ وہ بھڑکی۔'' جواباً وہ ہنسے گیا۔

''ایک خوشخبری سنانا تھی۔''

زارا چونکی۔ مگر کسی قسم کا اشتیاق ظاہر نہیں کیا۔

''پوچھیں گی نہیں.....؟''

وہ سوال کر رہا تا۔ زارا جھلانے لگی۔

''بتائیے۔'' انداز ایسا تھا۔ گویا کہہ رہی۔ بتائیے جان چھوڑیے۔ وہ صاف سمجھا جبھی قہقہہ لگانے لگا آپ کی والدہ محترمہ نے مجھے آپ کے شریک حیات کے طور پر قبول کر لیا ہے۔ مجھے آپ کی طرف سے تحفظات تھے۔ مگر ان کا کہنا ہے کہ لڑکیوں سے اس قسم کے معاملات میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہیں بس بتایا جاتا ہے۔ بچوں کو اپنے اچھے برے کی سمجھ نہیں ہوتی وغیرہ''

وہ کہہ رہا تھا' لہجہ بھاری ہوا تھا' آواز میں شوخی کا عنصر پھیلنے لگا۔ زارا نے ایک دم کال ڈراپ کر دی۔ بالکل یہی بات ماما نے اس سے کہی تھی۔ ساتھ میں علیزے کو بھی سفارشی بنا کر بلوا لیا تھا کہ وہ اسے سمجھائے۔

''عورت مرد کے بغیر اس مکان کی طرح ہو جاتی ہے زارا! جس کی دیواریں گر جانے کے باعث ہر کوئی اسے راہ گزر سمجھ لے..... مرد کو اللہ نے عورت کا سائبان بنایا ہے۔ جس کے بغیر وہ معاشرے کے رحم و کرم پر آ جاتی ہے اور معاشرہ بہت بے رحم ہے۔ تم تو خوش قسمت ہو کہ مہران اتنا خواہش مند ہے تمہارا۔ تمہیں بہت چاہتا ہے۔ حیثیت مضبوط ہے۔ تمہارا دفاع کر سکتا ہے جبکہ مجھے کتنی اسٹرگل کرنی پڑی عمر کے دل میں جگہ بنانے کو تمہارے سامنے ہے۔ ماما کی خوشی کی خاطر پلیز مہران کو مزید نہ ٹھکراؤ۔ اس قسم کے حالات میں وہ بہترین

انتخاب ہے تمہارے لئے.....''

اب پتا نہیں اسے بات سمجھ آ گئی تھی یا اس نے واقعی ہتھیار ڈال دیئے تھے یا پھر مہران کی محبت نے اپنا آپ منوا لیا تھا۔ جو بھی تھا۔ اس فیصلے کے بعد بہرحال وہ مطمئن ضرور ہو گئی تھی۔ مہران سے رویہ تبدیل نہ کرنے کی وجہ محض اسے ستانا تھا۔ شادی سے قبل وہ اسے اپنی رضا مندی کی ہوا بھی نہیں لگوانا چاہتی تھی جبھی مسکراہٹ دباتے پھر قلم سنبھال لیا۔

خاک صحرا پہ جمے یا کف قاتل پہ جمے
فرق انصاف پہ پائے سلاسل پہ جمے

گھنٹی پھر بجے جا رہی تھی۔ اس نے نظر انداز کرنا مناسب سمجھا۔ مگر کرنے والا مستقل مزاج تھا۔ اس نے نا چاہتے ہوئے بھی کال ریسو کی۔

''آپ خفا ہو گئیں.....؟''

وہ بدحواس تھا۔

''اگر ہو گئی تو کیا آپ شادی نہیں کریں گے؟''

وہ جان بوجھ کر تلخ ہوئی۔ مہران گڑبڑا سا گیا۔

''ایسا تو ممکن نہیں.....''

''تو پھر.....''

''وہ..... آپ کی مرضی کے بغیر شادی ہو رہی ہے تو میں پریشان تھا.....''

مہران نے جھجکتے ہوئے اصل بات کہہ دی۔ زارا نے گہرا سانس بھرا اور خود کو ڈھیلا چھوڑتے اسے مزید ستانے کا ارادہ موقوف کر دیا۔

''میری مرضی نہ ہوتی تو یہ شادی بھی نہ ہو رہی ہوتی.....''

اتنی خوبصورت بات اس نے اتنی سنجیدگی سے کی تھی کہ مہران کی الجھن بجائے رفع ہونے کے مزید بڑھ گئی۔

''ک..... کیا مطلب ہے.....؟''

وہ ٹھٹھکا۔ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ مسکرانے لگی۔

''مسٹر مہران..... میری بس ایک خواہش ہے آپ..... شوبز چھوڑ دیں۔ یو نو واٹ..... یہ فلمز بنانا یہ سب حرام کا پیشہ ہے اور میں رزق حلال پہ یقین رکھتی ہوں۔ آپ ایسا کر سکیں گے.....؟''

وہ سوال کر رہی تھی۔ مہران ایک دم سنبھلا۔

''شیور وائے ناٹ۔ مگر ایک دم نہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں مگر چھوڑ ضرور دوں گا۔''

وہ سنجیدگی و بردباری سے کہہ رہا تھا۔

''انشاء اللہ!'' زارا نے صدق دل سے کہا تھا۔

☆☆☆

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔ اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کیلئے بہتر تھا۔ ان میں ایمان والے بھی ہے۔ لیکن اکثر تو فاسق ہیں۔ 110 آل عمران

تو میرے پاکستانیو..... قرآن کے حکم کو سمجھو۔ اصلاح کا بیڑا اٹھاؤ۔ الزام تراشی کو بند کرو۔

کہ دنیا میں سب سے مشکل کام ہی اپنی اصلاح کرنا اور سب سے آسان کام دوسروں پر تنقید کرنا ہے۔ اس نے کالم ای میل کیا ہی تھا کہ اسی وقت فون کی بیل بج اٹھی۔ لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کر کے اس نے تسلی سے فون اٹھایا۔

''السلام علیکم!'' مہران سے بات وہ ہمیشہ سنجیدگی و متانت سے ہی کرتی تھی یا غصے سے۔ اب بھی لہجہ سنجیدہ تھا۔ وہ سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

''وعلیکم السلام!'' جیتی رہئے۔''

کیوں فون کیا.....؟''

وہ روڈ نہیں ہوئی البتہ محتاط رہنا پسند کرتی تھی۔ مہربان کو اس کے اسی لئے دیئے انداز سے شکایت رہتی۔

''خیریت پوچھنے کو کیا ہو رہا ہے۔''

اس کا جوش دھیما پڑا۔ البتہ جتلایا نہیں اس کی بیگانگی کو۔

''کالم لکھ رہی تھی۔''

''شادی کی تیاری نہیں کرنی.....؟'' وہ مستفر ہوا۔ زارا نے سرد آہ بھری۔

''یہ ماما اور علیزے کا شعبہ ہے۔''

وہ..... دھیمی آواز میں واضح کر رہی تھی۔

''تمہارے کالمز بہت اچھے اور معلوماتی ہوتے ہیں۔ مگر عمران خان کے علاوہ بھی کسی موضوع پر لکھو۔''

زارا نے کان سے فون ہٹا کر موبائل کو گھورا۔

''مجھے جو بہتر لگے گا میں اسی پر لکھوں گی۔''

جواب سے ظاہر تھا وہ کتنا برا مان چکی ہے۔ مہران کھنکارا۔

''اگر میں پابندی لگاؤں تب بھی.....؟''

وہ صاف چھیڑ رہا تھا۔

''آپ پابندی نہیں لگا سکتے میں جانتی ہوں۔''

''ہائیں..... وہ کیسے.....؟''

''بی کوز میں جان چکی ہوں آپ عمران خان کے کتنے حامی ہیں۔ فیصل آباد جلسے میں آپ کے نظریات جان چکی ہوں.....''

وہ ہنس رہی تھی۔ مہران جھینپ کر کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

☆☆☆

پہلے ماما کا فون آیا۔ پھر وہ خود آ گئیں۔ کتنی شکایتیں تھیں انہیں اس سے.....

''بیٹے کچھ تو بتایا ہوتا۔ مل جل کے اس مسئلے کا حل نکالا جا سکتا تھا۔''

وہ بے حد ملول تھیں۔ صلہ کیا کہتی۔ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

''اب کیسے پتا چلا آپ کو.....؟''

منیب نے خود ساری بات بتائی ہے۔ اپنی غلطی مان چکا ہے۔ مگر اس طرح ازالہ تھوڑی ہوتا ہے۔ نقصان تو ہو چکا۔ وہ تمہیں ڈیزرو نہیں کرتا تھا۔ اب بھی وقت ہے صلہ.....! لوٹ چلو..... زندگی کے سب دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ اب منیب تمہیں منع کرے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہونا تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔''

صلہ متحیر نظروں سے انہیں تکتی رہ گئی۔

''کیا کہہ رہی ہیں مام.....!'' وہ گنگ ہونے لگی۔

''بیٹے شہریار اب بھی تمہیں اپنائے گا۔''

اس جواب پر وہ بے ساختہ ہونٹ بھینچ گئی۔ اسے منیب چودھری کا ہراساں چہرہ یاد آیا۔ کل رات ہی تو وہ کتنے دنوں کے بعد اس کے کمرے میں آیا تھا۔ صلہ اک نظر جو غیر شعوری تھی اس پر ڈال کر ہی رخ پھیر چکی تھی۔

''کیا تم اتنی گنجائش نہیں پاتی ہو اپنے دل میں صلہ.....! کہ مجھے معاف کر سکو۔ یہ سوچ کر کہ تمہاری محبت کی جنوں خیزی نے مجھ سے یہ سب کروایا۔ یہ سب غلط تھا۔ مجھے اعتراف ہے۔ مگر..... مجھے لگا تھا صلہ..... میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا۔ میں زندہ رہنا چاہتا تھا۔ اس نے پہلے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ پھر اسے زبردستی بازوؤں میں بھر کے خود میں بھینچتے ہوئے بھرائی ہوائی آواز میں کہہ رہا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ کوئی جواب نہ دیا تھا۔ تبھی وہ اور زیادہ وحشت کا شکار ہونے لگا۔

''کچھ بولو صلہ! تمہاری یہ ناراضگی..... تمہاری یہ خاموشی اس احساس سے زیادہ تکلیف دہ ہے کہ میں تمہیں نہ پاتا۔''

وہ اس کے مہکتے بالوں سے اپنی نم آنکھیں رگڑتا ہوا واقعی بے قرار مضطرب اور ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے منیب صاحب! کہ جس طرح آپ نے زبردستی مجھ سے نکاح کیا' زبردستی مجھے رخصت کروا لیا اور اپنا تسلط مجھ پر جما لیا۔ اسی طرح زبردستی معاف بھی کروا لیں گے.....؟ محبت بھی کروا لیں گے تو میں آپ کو بتاؤں ایسا نہیں ہوگا۔ ایسا نہیں ہوا کرتا۔ جبر کا یہ سلسلہ یہیں تک موقوف تھا۔ سمجھے آپ.....؟''

اس کے ہاتھ جھٹکتی وہ ضبط کھو کر چلائی۔ منیب ایک دم سکتے میں آ گیا۔

''صلہ.....!''

''مجھے کچھ نہیں سننا..... چلے جاؤ یہاں سے..... مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم

نے اپنے گھر والوں کے سامنے اپنے کالے کرتوت کھول کر میرا دل جیت لیا ہے تو..... ایسا خیال دل سے نکال رکھو..... تم نے ایسا کر کے صرف اپنے راستے میں بوئے کانٹے چنے ہیں اینڈ ڈیٹس آل۔''

وہ حواس کھوئی پاگلوں کی طرح اسے دھکیلنے لگی۔ منیب جیسا اونچا پورا گرانڈیل نوجوان ایسے سکتے میں تھا کہ اس کے سامنے ٹھہرا نہیں رہ سکا۔ لڑکھڑا کر گرتے بچا۔ کتنی بے بسی تھی اس کے چہرے پر کیسے نمی سی بھرتی چلی گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں' بے چارگی ایسی..... صلہ نے جانا پتھر کیسے پگھل سکتے ہیں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے کسی مرد کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ وہ بھی منیب چودھری جیسے ٹھسے والے سنگدل مرد کی آنکھوں میں۔ وہ کتنی دیر کھڑا رہا تھا۔ پھر پلٹ کر چلا گیا۔ مگر اس کی آنکھوں کی بے بس نمی اس کا دل جکڑ کر رکھ گئی تھی۔

''تم ایک بار بات کر کے تو دیکھو..... مجھے نہیں لگتا وہ تمہیں انکار کر پائے۔''

مام نے اسے گم صم پا کر باقاعدہ ہاتھ ہلا دیا تھا۔ وہ چونک کر خالی نظروں سے انہیں تکنے لگی۔

''وقت ضائع نہیں کرو۔ میں پھر آؤں گی۔ بلکہ تمہیں لینے..... یہ تمہارا اسٹینڈرڈ نہیں ہے بیٹا!''

انہوں نے پچکارا تھا۔ وہ چلی گئی تھیں۔ مگر صلہ کے اندر عجیب سا خالی پن اتر آیا۔

کیا وہ واقعی منیب کیلئے اتنی غیر اہم تھی کہ وہ اسے اپنی انا کیلئے اپناتا اور غلطی کا احساس ہونے پہ ازالے کی خاطر چھوڑ دیتا۔''

''صلہ.....!''

شانزے کی پکار پر وہ اپنے خیالات سے چونکی تھی۔ شانزے دروازے میں کھڑی تھی۔ اس کے متوجہ ہونے پر مسکراتی ہوئی آگے بڑھ آئی۔

''بہت اکیلا کر لیا ہے خود کو صلہ.....!''

وہ اس کے ہاتھ تھام کر کتنی اپنائیت سے پوچھ رہی تھی۔ صلہ نے جواب نہیں دیا۔

''ایک گڈ نیوز ہے صلہ.....!''

شانزے نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ گہرا سانس بھرتی اسے استعجابی نظروں سے تکنے لگی۔

''میں..... میں ماں بننے والی ہوں ہوں صلہ.....! اور..... یہ خوشی مجھے تمہاری اعلیٰ ظرفی.....''

''مبارک ہو۔''

وہ نرمی سے ٹوکتی آہستگی سے مسکرائی۔ وہ احسان کر کے کم ظرفی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ شانزے نے بے ساختہ اس کے ہاتھ تھامے اور انہی پر چہرہ ٹکا کر آب دیدہ ہونے لگی۔

''تمہارا دل بہت بڑا ہے صلہ! تم اپنے نام کے بالکل مصداق ہو..... واقعی نیکی کا صلہ ہو۔''

وہ ممنونیت و تشکر سے لبریز تھی۔ صلہ نے محض اس کا سر تھپک دیا تھا۔ اس بات سے نظریں چراتے ہوئے کہ اس کا اپنا دل کتنا بھاری کتنا دکھی ہوا جا رہا تھا۔

''منیب بہت پریشان ہیں صلہ.....! بہت بے چین..... انہیں معاف کر دو پلیز.....''

وہ بہت حوصلہ کر کے کہہ رہی تھی۔ صلہ نے اس موضوع کے ساتھ ہی چپ سادھ لی۔ شاید وہ اس

موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ شانزے بہت مایوس اور دل گرفتہ اٹھی تھی۔

☆☆☆

16 دسمبر 2014

سانحہ پشاور

آرمی پبلک سکول میں تاریخ کی بدترین دہشتگردی۔ 126 بچے شہید اساتذہ بھی شامل فوج کا آپریشن جاری۔ والدین کی آہ و بکا..... قیامت صغریٰ کے منظر

وہ غمناک نظریں ٹی وی اسکرین پر جمائے ساکن بیٹھی تھی۔ کل شادی تھی اس کی..... مصروفیت کی بناء پر وہ بہت تاخیر سے اٹھی تھی۔ عادت کے مطابق دھرنے کی صورتحال جاننے کیلئے اپنے لئے چائے بنا کر پہلا کام ٹی وی آن کرنے کا ہی کیا۔ ماما دوا لے کر پھر سو گئی تھیں۔ ہر چینل پر یہی دلخراش مناظر چل رہے تھے۔ اسے سب کچھ بھول گیا۔ چائے مگ میں ٹھنڈی ہوتی رہی۔ شدت ضبط سے لرزتے ہونٹوں سمیت وہ بار بار چھلک جانے والی آنکھیں پونچھتی تھی۔ معاً کمرے کی فضا میں ٹی وی کی آواز کے ساتھ موبائل کی گھنٹی کا شور بھی گونجنے لگا۔ اس نے نگاہ کا زاویہ بدل کر کچھ فاصلے پر موجود سیل فون اٹھایا تھا۔

''کیسی ہیں زارا.....؟''

دوسری جانب مہران شاہ تھا۔ اس کے آنسو اور شدت سے بہہ نکلے۔

''آپ نے خبریں سنی ہیں شاہ صاحب.....؟''

جواباً مہران کی سرد آہ سنائی دی تھی۔

''ہاں..... اسی لئے کال کی ہے۔ مجھے معلوم تھا بہت اپ سیٹ ہوں گی آپ.....''

وہ مدھم آواز میں کتنی اپنائیت سے کہہ رہا تھا۔ زارا نے ہونٹ بھینچ لئے۔

''اصل دکھ تو ان والدین کا ہے۔ جن کی محنت ٹھکانے لگ گئی۔ جن کے چمن اجڑ گئے ہیں۔''

وہ بے ساختہ و بے اختیار رونے لگی۔ مہران سخت مضطرب ہوا تھا۔

''پلیز زارا.....! کنٹرول یور سیلف..... دعا کریں ان کیلئے۔''

اس کی آواز بھاری ہونے لگی۔

''ہماری شادی ملتوی نہیں ہو سکتی مہران شاہ.....؟''

وہ خاصی تاخیر سے بولی تھی۔ مہران ایک دم ششدر رہ گیا۔

''یہ بھلا کیسے ممکن ہو زارا.....! ممی تو ہرگز نہیں مانیں گی۔''

''انہیں منا لیں..... بی کوز میں بالکل تیار نہیں ہوں اس گہرے صدمے کے موقع پر اس خوشی کیلئے.....''

وہ مضطرب بے چین محسوس ہوئی تھی مہران کو۔

''میں زیادہ دھوم دھام اور شور شرابے سے تو اجتناب کر سکتا ہوں زارا..... تم سادگی سے تیار ہو جانا

مجھے تمہارے جذبات واحساسات کا پورا خیال ہے۔ مگر پلیز تم سمجھو ملتوی کرنا شادی آسان کام نہیں۔''

وہ کتنی ملائمت سے کتنے رسان سے قائل کر رہا تھا۔ زارا کچھ نہیں بولی۔ اتنا تو وہ بھی جانتی تھی۔ اس بات کو علیزے اور ممی بھی قبول نہیں کریں گی۔ کچھ معاملات جتنے بھی جبری سہی مگر ناگزیر ہوتے ہیں۔ مہران سے دل کی بات کہہ کر بوجھ ضرور ہلکا ہوا تھا۔ اتنا تو وہ بھی جان گئی تھی۔ مہران کسی بھی معاملے میں اس پر جبر نہیں کرے گا۔ ہونے نہیں دے گا۔ علیزے ٹھیک کہتی تھی۔ اس معاملے میں وہ واقعی خوش بخت ثابت ہو چکی تھی۔

☆☆☆

''بیٹے سب تیاریاں مکمل تو ہوگئی ہیں ناں.....؟''

ماما پتا نہیں کیوں مطمئن نہیں ہو پا رہی تھیں۔ علیزے نے مٹھائی کے ٹوکرے سنبھالتے ہوئے پلٹ کر انہیں دیکھا اور نرمی سے تسلی آمیز انداز میں مسکرادی۔

''پریشان کیوں ہوتی ہیں ماما! انشاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔ مگر سادگی سے..... مہران نے خود تاکید کی ہے.....''

وہ انہیں اصل صورتحال سے بہت سبھاؤ سے آگاہ کر رہی تھی۔

''بہت اچھا کیا' بہت سمجھ دار بچہ ہے ماشاء اللہ!''

علیزے نے تائید میں سر ہلایا تھا۔

''زارا کو پارلر لے جانا تھا۔ یہ لڑکی تو بہت لاپرواہ ہے خود سے..... بھلا بتاؤ..... شادی سر پر ہے اور اسے کاغذ قلم سے فرصت نہیں۔ سر جھاڑ منہ پہاڑ سب لکھنے سے مطلب ہے۔''

وہ سخت عاجز نظر آنے لگیں۔ علیزے خاموش ہی رہی۔ اب اگر وہ انہیں بتا دیتی زارا کا دلہن بننے کا سرے سے ارادہ نہیں ہے تو پتا نہیں ان کے غصے کا گراف کتنا اونچا ہوتا۔

''بیٹے وہ..... تم نے اپنے سسرال کو فون کر دیا ناں..... اور اسد کو بلایا.....؟''

ایسے سوال کے دوران وہ بیٹی سے نظریں چار نہیں کر پا رہی تھیں۔ علیزے نے ان کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھا اور مسکرادی۔

'سب کو کر دیا فون..... البتہ صلہ سے رابطہ ہی نہیں ہو پا رہا ہے۔ منیب بھائی کا کانٹیکٹ نمبر ہی نہیں میرے پاس.....''

وہ کچھ پریشان نظر آنے لگی۔ صلہ کبھی اپنے موبائل سے ایسی لاپرواہ نہ ہوئی تھی کہ یوں دنوں بند رہے۔ اسے اس کی خیریت کی بھی فکر لاحق ہونے لگی۔

''پھر سے ٹرائی کرو بیٹے! ممکن ہے رابطہ ہو جائے..... میں ذرا زارا کو دیکھ لوں۔''

انہوں نے صرف کہا نہیں۔ موبائل فون بھی اسے پکڑا دیا۔ علیزے صلہ کا نمبر ملا رہی تھی۔

☆☆☆

''خیراں.....''

وہ پکارتا ہوا کچن میں داخل ہوا۔ مصروف عمل ملازمہ ایک دم الرٹ نظر آنے لگی۔

''جی سائیں..... خیراں شہرن بی بی کے کمرے میں ہے۔ بی بی نے تیاری کیلئے بلایا ہے۔''

ملازمہ اطلاع فراہم کرتی اس کے اگلے حکم کی منتظر نظر آنے لگی جبکہ منیب اچھا خاصا چونک گیا تھا۔

''کیسی تیاری.....؟''

اس کے انداز میں اضطراب واضطرار در آیا۔ جو چہرے سے بھی چھلکتا محسوس ہوتا تھا۔

''پتا نہیں سائیں..... مجھے تو بس اتنا ہی پتا ہے۔''

ملازمہ کا جواب اس نے پورا بھی نہیں سنا اور پلٹ کر تیز قدموں سے کچن سے نکل گیا۔

''نہیں بھئی یہ جوتا نہیں رکھنا۔ بس وہی کرو جو میں نے کہا ہے.....''

وہ اندر آیا تو صلہ ڈریسنگ ٹیبل کا دروازہ کھولے جھکی کچھ ڈھونڈتی ملازمہ سے بات کر رہی تھی۔ وہ متوجہ کرنے کو کھنکارا وہ اسی زاویئے پر ساکن ہوگئی مگر سیدھی ہوئی نہ اسے دیکھا۔

''خیراں..... تم باہر جاؤ۔''

منیب کی آواز میں بے حد ٹھہراؤ تھا۔ خیراں جیسے کسی ایسے ہی حکم کی منتظر تھی۔ فی الفور باہر نکل گئی۔ منیب چند قدم بڑھا کر بالکل اس کے قریب آ گیا۔ صلہ نے دراز بند کر دیا تھا۔

''کہاں جا رہی ہیں آپ.....؟''

منیب کو ہی بولنا پڑا تھا۔ اس کی ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ بری طرح نظر انداز کر رہی تھی۔ دیکھا جاتا تو صلہ کا یہ انداز نیا نہیں تھا۔ مگر اس سے قبل وہ کبھی اتنی اذیت و تکلیف کا شکار نہیں ہوا تھا۔ اس سے قبل وہ اس کی ناراضگی بے نیازی و لاتعلقی کو اپنی بے باکی سے کند کر کے ہمیشہ انجوائے کرتا آیا تھا۔ مگر اب یہ سارے ہتھیار بے کار ہو چکے تھے

''کراچی.....''

صلہ نے ہاتھ میں موجود جیولری باکس بیگ میں رکھتے ہوئے اطمینان سے زپ بند کی۔ اس کے لہجے میں ہنوز بے نیازی تھی۔

''اپنی والدہ کے گھر.....؟ ہمیشہ کیلئے.....؟''

اس کی کیفیت عجیب تھی۔ چہرے پر جتنا بھی اضمحلال بکھرا تھا۔ مگر وہ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہونے کو بھی بے قرار لگتا تھا۔ صلہ نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا۔ وہ اس کی جانب متوجہ تھا۔ آنکھوں کا لہو چھلکنے کو تھا جیسے۔ صلہ نے نگاہ پھیر لی۔

''آپ ہمیشہ کو بھیجنا چاہتے ہیں.....؟''

وہ تڑخ کر بدمزگی سے سوال کرتی منیب کو بہت بے درد بہت ظالم لگی تھی۔

''میں اس درمیانی کیفیت میں نہیں جی سکتا صلہ.....! تمہاری ناراضگی یہ دوری..... زہر قاتل ہے میرے لئے..... تمہیں حاصل کر کے بھی نا پانے کا خیال..... صلہ میں ہر ہر پل مرتا ہوں۔ اگر تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں اگر تم میرے ساتھ خوش نہیں رہ سکتیں تو..... تو میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ تمہارے لئے زندگی کے

سارے راستے کھولتا ہوں۔صرف اس لئے کہ تم.....تم خوش رہو.....''

وہ یقیناً حواسوں میں نہیں تھا۔صلہ ایک دم سکتے میں آ گئی۔ یہ سکتہ ٹوٹا تو اسے منیب کے الفاظ ان کی تباہ کاری یاد رہی بس.....اس کی آنکھوں میں مچلتے آنسو جذباتی ومخدوش ذہنی حالت کی جانب دھیان نہیں جا سکا۔

''طلاق دینا چاہتے ہو مجھے.....؟''

اس نے بپھرے ہوئے انداز میں آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ کر زور سے جھٹکا دیتے غرا کر سوال کیا۔منیب ہل کر رہ گیا اور متحیر بھی۔

''تو تمہیں اپنی غلطی کا بالآخر احساس ہو گیا۔ٹھیک ہے۔کر دو مجھے آزاد۔ساتھ ہی مجھے اس زنجیر سے بھی آزاد کر دو جو اولاد کی صورت میرے قدموں میں آ پڑی ہے۔اس خود سر جذبے کو بھی دل کی سرزمین پر پنجے نہ گاڑھنے دو جو میری کوشش اور خواہش کے بالکل خلاف تمہاری محبت کا احساس بن کر زبردستی دل میں جگہ پاتا جا رہا ہے۔'' وہ غم و غصے کی شدید کیفیت میں زار و قطار رو پڑی تھی۔منیب چودھری کا تو جیسے انکشافات نے بلاسٹ کر دیا تھا۔وہ متحیر غیر یقین تھا یا بالکل غیر حاضر دماغ چکرایا ہوا۔

''صلہ.....''

معاً وہ سنبھلا اور اسے تھامنا چاہتا چاہا۔وہ تڑپ کر سرعت سے پیچھے ہوئی۔پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔آنکھوں میں وحشت کا راج۔

''آپ مرد ہیں۔سارے اختیارات کے مالک و مختار.....آپ نے ثابت بھی کر دیا..... جب دل چاہا انا کی تسکین کی خاطر کسی کو اپنے قابل میں کر لیا۔دل بھر گیا یا ذرا سی آزمائش سہنی پڑی تو اس مصیبت سے جان چھڑانے کا فیصلہ کرنے لگے۔''

وہ ہنوز رو رہی تھی۔منیب کی گھبراہٹ و شرمندگی بتدریج بڑھتی گئی۔

''صلہ میری بات.....''

''مجھے کچھ نہیں سننا..... میں جا رہی ہوں..... جو بھی فیصلہ ہو گا وہیں پہنچا دیجئے گا۔''

ہاتھ سے اسے خود سے دور رہنے کا اشارہ کرتے اس نے جھپٹ کر اپنا بیگ اٹھا لیا تھا۔

''صلہ پلیز.....''

وہ سراسیمہ سا اس کے پیچھے لپکا مگر وہ ایک بھی سنے بغیر دروازہ پار کر گئی تھی۔منیب شرمسار سا خجل سا پیچھے پیچھے تھا۔پورٹیکو میں آن کر اسے معلوم ہوا۔صلہ کی والدہ کا ڈرائیور موجود ہے۔وہ گہرا سانس بھرتا بے بس سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

''پہنچ کر مجھے اطلاع کر دینا۔''

وہ صلہ کے تیوروں سے خائف ڈرائیور سے ہی مخاطب ہو سکا۔مگر نظریں صلہ پہ تھیں۔جو آنسو پونچھ رہی تھی۔

''جی سر.....''

ڈرائیور حیران تو ہوا۔ مگر مودبانہ انداز میں سر ہلا دیا تھا۔ گاڑی جب تک گیٹ سے نہیں نکلی منیب وہیں کھڑا رہا۔ واپس پلٹا تو ذہن کا بوجھ ہلکا تھا۔ دل عجیب سے احساس مسرت سے احساس فخر سے لبریز تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا یہ سب کیسے ہو گیا ہو گیا تو واقعی ہو گیا۔

☆☆☆

میں سویرے کو اٹھنا نہیں چاہتی
اس جدائی میں جینا نہیں چاہتی

علیزے جو اسے ناشتہ دینے آئی تھی۔ اس کی حالت پر ٹھٹھکی۔ نگاہ لیپ ٹاپ کی روشن اسکرین پر ٹھہری اور الفاظ پر پھیلتی چلی گئی۔ اک سرد آہ بے ساختہ لبوں پر آ ٹھہری۔

''یہاں الفاظ ختم ہوتے ہیں۔ کچھ کہنے کو باقی نہیں بچا جیسے..... میں سوچتی ہوں کیا ہم اسی نبی ﷺ کے امتی ہیں۔ جنہوں نے صحابہؓ کے سر پر اڑتی بے قرار فاختہ کو دیکھ کر پوچھا تھا۔ اس ماں کو کس نے پریشان کیا.....؟ جاؤ اس کے بچے اس کے گھونسلے میں رکھ آؤ۔''

وہ زارا کے کاندھے پر ہاتھ رکھے افسردگی سے گویا تھی۔ زارا کچھ نہیں بولی۔ اس کا گلا آنسوؤں سے بوجھل تھا۔

''صبح نماز کے بعد بالخصوص متاثرین اور شہداء کیلئے دعائیں مانگی ہیں۔ اللہ پاک جانے والوں کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ زارا گڑیا زندگی جہد مسلسل کا نام ہے۔ کسی ایک نقطے یا مرکز پر رکنے یا ٹھہرنے کا نہیں۔ کاروبار زندگی چلتا ہے۔ اسے چلنا ہے۔ تمام غم دل میں رکھ کر بہادری سے جینا مشکلات میں مسکرانا انسانیت کی معراج ہے۔ سمجھ رہی ہو.....؟''

وہ اب بھی کچھ نہیں بولی۔ محض سر ہلا دیا تھا۔ مگر وہ ناشتہ نہیں کر سکی۔ علیزے کے بے حد اصرار پر بھی صرف چائے کے چند گھونٹ بھرے۔ ویسے بھی یہ دوپہر کا ٹائم تھا۔ مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔ دیکھا جاتا تو مہمان تھے بھی کیا..... نہ اسد آیا تھا نہ ہی اماں وغیرہ..... ماما کی آس ٹوٹتی جا رہی تھی۔ علیزے بھی محسوس کر رہی تھی۔ مگر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا کہ عمر کا نظریں چرانا اس کی شرمندگی کا گواہ تھا۔ وہ اسے مزید کیا شرمسار کرتی۔ صلہ کو کل فون کر تو دیا تھا۔ مگر وہ بھی وعدہ کرنے کے باوجود نہیں پہنچی اسے صلہ پر ضرور غصہ آ رہا تھا۔ ذرا سی فرصت نکال کر اس نے عجلت میں اس کا نمبر ملایا تھا۔

''السلام علیکم!''

کسی نے پیچھے سے اسے کاندھوں سے جکڑ کر بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ متحیر سی پلٹی تو صلہ کو دیکھ کر ایک لمحے کو ساکت سی رہ گئی۔ یہ وہ صلہ ہی نہیں تھی۔ فریش، حسین، ہشاش بشاش ہنستی مسکراتی ہوئی۔

''ارے..... دھونس دھکمیوں سے بلوا کر اب پہچاننے سے بھی انکاری ہو۔ ایسے استقبال ہوا کرتا ہے دوستوں کا.....؟''

اس کی نظروں سے خائف وہ سابقہ انداز میں بولنے کی سعی کرتے پھیکی ہنسی ہنسی۔ علیزے کی نگاہ اس

کی مانند ہوتی رنگت اور آنکھوں تلے گہرے حلقوں پر جمی تھی۔ چونکی۔

''تم ٹھیک نہیں ہو نا صلہ.....!''

اس کی آواز میں تفکر اور تشویش اترنے لگی۔ صلہ بے اختیار نظریں چرا گئی۔

''کیا ہوا تمہارے ساتھ صلہ.....!''

علیزے نے یکبارگی اس کے دونوں ہاتھ اضطراری کیفیت کے عالم میں اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بے کلی سے سوال کیا تھا۔

''پاگل..... کچھ نہیں ہوا مجھے..... اور یہ وقت تھوڑی ہے ایسی باتوں کا۔''

ماما کو اسی سمت آتے پا کر وہ دھیمی آواز میں گھرک کر بولی تو جیسے علیزے بھی سنبھلی تھی۔

''ناشتہ لاؤں تمہارے لئے..... یقیناً نہیں کیا ہوگا ابھی تک۔''

صلہ ماما سے مل رہی تھی۔ جب علیزے نے اسے مخاطب کیا۔ اس کے لہجے میں نامعلوم سی اداسی اتر آئی تھی۔

''نہیں..... صرف چائے۔ پھر تیار ہوں گی میں۔''

وہ ماما کی بات کا جواب دیتے ہوئے اپنا بیگ کھنگالنے لگی۔ علیزے کو صاف لگا وہ اس سے کترا رہی ہے۔

☆☆☆

''کیوں بند کر دیا موبائل کر لیتیں بات ان سے.....''

علیزے چائے بنا کر لائی تو اسے موبائل کا سوئچ آف کرتے پا کر ٹوکا۔ صلہ نے جواب نہیں دیا۔

''مجھے نیند آ رہی تھی۔ تم چائے بنا لائیں۔''

اس کا انداز صاف کترایا ہوا تھا۔ علیزے نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''عمر بھی مجھے آنے نہیں دے رہے تھے۔ مگر میں تمہاری وجہ سے انہیں منع کر آئی ہوں صلہ.....! بتاؤ کیوں بھاگ رہی ہو مجھ سے.....؟''

اس نے مگ اسے تھمایا اور خود اس کے مقابل بیٹھ گئی۔ صلہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''تم ابھی تک ایڈجسٹ نہیں کر پائیں صلہ.....؟''

وہ نرمی سے سوال کر رہی تھی۔ صلہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

''گھر بنانا کتنا مشکل ہوتا ہے یہ کوئی اس عورت سے پوچھے جو ایک اینٹ رکھتی ہے تو دوسرے ٹھوکر مار کر دو اینٹیں گرا دیتے ہیں۔''

وہ افسردگی و یاسیت سے کہتی گویا اپنی کہانی سنا رہی تھی۔ صلہ نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

''تم..... مجھے غلط سمجھ رہی ہو علیزے.....؟'' وہ شاک کی کیفیت میں پوچھ رہی تھی۔ علیزے نے سرد آہ بھر کے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں۔ میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ تمہیں سمجھوتا کرنا تھا صلہ! اس کے سوا چارہ نہیں۔''

وہ بے بسی سے افسردگی سے سمجھا رہی تھی۔ صلہ کا ضبط بالآخر چھلک گیا۔

''وہ شخص مجھ سے کبھی سنسیئر نہیں تھا شاید..... کھیلنا اور پھر جیتنا اس کا مشغلہ ہے۔ ذرا سی شکست اسے سب ختم کر دینے پر اکساتی ہے۔ اسے مجھ سے محبت بھی نہیں تھی۔ ورنہ مجھے چھوڑنے کی بات نہیں کرتا۔''

وہ پھپھک کر رو رہی تھی۔ اب شاکڈ علیزے ہوئی تھی۔

''واٹ..... واٹ یو مین چھوڑنے کی بات.....؟''

صلہ سسکیاں دباتی آنسو پونچھنے لگی۔

''اس کا خیال ہے۔ میں اس سے محبت نہیں کر سکتی۔ اسے خوش نہیں رکھ سکتی تو اس رشتے کو ختم ہو جانا چاہئے۔''

''ایسا کہا منیب بھائی نے.....؟'' علیزے گنگ ہونے لگی۔

''کوئی اتنا خود غرض سفاک اور بے حس بھی ہو سکتا ہے۔ علیزے.....! اس نے مجھ پر زندگی کا ہر دروازہ ایک ایک کر کے بند کر دیا۔ میری ساری کشتیاں جلا دی۔ اب مجھے چھوڑنے کی بات کرتا ہے۔ اسے اگر اولاد شانزے سے ہی چاہئے تھی تو مجھے اس آزمائش میں کیوں ڈالا۔''

عجیب سی تڑپ تھی اس کے ہر سوال میں علیزے کچھ بولنے کے قابل نہیں رہی۔

''یہ بات کب کہی انہوں نے تم سے.....؟''

وہ سرسراتی آواز میں سوال کر گئی۔

''صبح..... جب میں آ رہی تھی یہاں.....''

''ممکن ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو۔''

علیزے کی بات پر صلہ کے چہرے پر تمسخر پھیلنے لگا۔

''اب کیا کرو گی تم.....؟'' علیزے ازحد پریشان نظر آنے لگی۔

''ظاہر ہے ممی کے گھر جاؤں گی۔ وہ ویسے بھی چاہتی ہیں میں طلاق لے لوں۔''

وہ زخمی انداز میں مسکرائی۔ علیزے کے چہرے پر تکلیف دہ تاثر امڈ آیا۔

''اور بچہ.....؟'' منیب بھائی کو پتا ہے کہ تم.....''

''آتے ہوئے بتا کر آئی ہوں۔''

وہ بے دلی سے جواب دے رہی تھی۔

''کیا پھر بھی انہوں نے فیصلہ نہیں بدلا.....؟'' وہ ششدر نظر آنے لگی۔ صلہ اکتا سی گئی۔

''یار بتایا تو ہے اسے شاید محض میرا غرور توڑنا تھا۔ اسے کوئی اور مقصد نہیں تھا مجھ سے.....''

وہ چڑ کر جھنجھلا کر بولی۔

''صلہ..... اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر وہ تمہیں کال کیوں کر رہے ہوتے.....؟ تمہیں ان سے بات تو کرنی چاہئے۔''

علیزے نے رسان سے سمجھانا چاہا۔ صلہ نے چپ سادھ لی۔ انداز ایسا تھا گویا اس سے اتفاق نہیں

کرتی۔علیزے گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

☆☆☆

ساون بیتو جائے پی ہروا
من مورا گھبرائے
ایسو گئے پردیس پیا تم
چین ہمیں نہیں آوے
مورا سیاں موسے بولے نہ
میں لاکھ جتن کر ہاری
لاکھ جتن کر ہار رہی
مورا سیاں موسے بولے نہ
تو جو نہیں تو ایسے پیا ہم
جیسے سونا آنگنا
نین تہاری راہ نہاری
نیناں کو ترساؤ نہ
مورا سیاں موسے بولے نہ
میں لاکھ جتن کر ہاری
لاکھ جتن کر ر ہار رہی
مورا سیاں موسے بولے نہ
پیار تمہیں کتنا کرتے ہیں
تم یہ سمجھ نہیں پاؤ گے
جب ہم نہ ہوں گے اور اسے پھیرو ا
بولو کیا تب آؤ گے.....؟
موراں سیاں موسے بولے نہ

منیب چودھری کا ٹیکسٹ تھا۔وہ جانے کس جذبے کے تحت پڑھتی رہی۔دو دن سے وہ کال کر رہا تھا اور وہ بات نہیں کر رہی تھی۔مجبور ہو کر منیب نے یہ راستہ نکالا تھا۔اپنے جذبات اس تک پہنچانے کا وہ ملنے بھی آیا تھا۔صلہ سامنے نہیں آئی۔اسے خود معلوم نہیں تھا وہ چاہتی کیا تھی۔

''میرے ساتھ ایسے مت کرو صلہ.....! اتنی کڑی سزا نہ دو۔میرا نہیں تو اپنے ہونے والے بچے کا خیال کر لو۔''

اس کی پھر کال آ گئی تھی۔صلہ نے کال ریسو کی مگر کچھ بولی نہیں۔وہ کتنا مضطرب تھکا ہوا اور مضمحل لگتا

تھا آواز سے ہی۔

''کچھ بولو صلہ.....!!!''

وہ سخت عاجز ہوا۔ صلہ نے اپنی جگہ پہلو بدلا۔

''تمہیں سن رہی ہوں کیا یہ کافی نہیں.....'' اس کے انداز میں ہنوز خفگی تھی۔ منیب بے ساختہ مسکرایا۔ کیا شاہانہ پن تھا۔ اس لڑکی کو جھکانے توڑنے میں وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ شاید یہ ممکن تھا ہی نہیں۔

''بہت کافی ہے۔ اچھا چلو یہ بتا دو..... کیوں خفا ہو.....؟''

اس نے ممنون ہوتے اہم سوال بھی کر دیا۔ صلہ پھر سے تنفر سے بھرنے لگی۔

''تمہیں نہیں پتا.....؟'' وہ تڑخ کر گویا ہوئی۔

''بخدا نہیں..... خفا تو تم ہمیشہ ہی رہی ہو مجھ سے مگر اب زیادہ کیوں ہو گئی ہو..... سمجھ نہیں آئی۔''

اس کے انداز میں عجیب سی بے چارگی در آئی۔

''تم ہوتے کون ہو مجھے طلاق کا کہنے والے..... زبردستی تم نے کی تھی۔ میں تو آخر دم تک تم سے جان چھڑانا چاہتی تھی مگر.....''

اس کی آواز بھرا گئی تو ہونٹ بھینچ لئے۔ منیب بیٹھے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ انداز کی بے قراری کسی طور نہ پر چھپی۔

''میں معذرت خواہ ہوں صلہ.....! مجھے ایسا نہیں کہنا چاہتا تھا۔ مگر مجھے جو صحیح لگا..... مطلب میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم ہمیشہ طلاق کا ہی مطالبہ کرتی جو رہیں مجھ سے.....''

''تو تم نے سوچا یہ بہترین حل ہے۔ کیا تم نے مجھے اس قابل چھوڑا کہ واپسی کا سفر اختیار کروں.....؟''

وہ غم و غصے کی کیفیت میں پھنکارنے لگی۔

''میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔''

''اور میں کہیں نہیں جا رہی۔'' وہ غرائی۔

''چلو دیکھتے ہیں۔ کون جیتتا ہے۔'' وہ جیسے مسکرایا تھا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ صلہ ہونٹ بھینچے وہیں بیٹھی تھی جب آدھے گھنٹے بعد ملازمہ نے اسے منیب کی آمد کی خبر دی۔ وہ کہاں اس کی اتنی جلدی آمد کی توقع رکھتی تھی۔ ششدر سی رہ گئی۔

''انہیں کہہ دو مجھے نہیں ملنا ان سے.....''

بات ابھی اس کے منہ میں تھی کہ وہ دروازے سے اندر چلا آیا۔ سفید کاٹن کا کھڑا کھڑا تا سوٹ سیاہ واسکٹ بڑی بڑی آنکھوں میں موجود سرخ ڈورے..... صلہ اک نظر ہی اسے دیکھ سکی۔

''چلو میرے ساتھ.....''

اس نے صرف کہا نہیں ہاتھ پکڑ کر ساتھ گھسیٹ لیا تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود کوئی احتجاج نہیں کر سکی۔

''دیکھا..... میں ایک بار پھر جیت گیا.....''

اس کی آنکھوں میں جھانک کر وہ فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔ صلہ نے خفگی سے منہ پھیر لیا۔ پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ اسے ہوٹل کے کمرے میں لے آیا تھا۔ صلہ تو کمرے کی آرائش دیکھ کر بھونچکی ہونے لگی تھی۔

ہر طرف پھول ہی پھول تھے۔ ماحول میں سحر انگیزی سی در آئی تھی۔

''اب لڑلو جتنا لڑنا ہے۔ اس کے بعد میری باری آئے گی۔''

وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ پر دھکیلتا ہوا بولا تب وہ چونکی تھی اور اسے آنسو بھری آنکھوں سے گھورنے لگی۔

''ہمیشہ سے غلط تم تھے مگر قصور وار مجھے ٹھہراتے رہے۔ شروع میں اگر تمہیں تمہاری اوقات یاد دلا دی تو غصہ کر کے میرا حشر خراب کرتے رہے۔''

وہ دبکتے کوئلے کی طرح چنگاری اس پر چڑھ دوڑی۔ منیب نے جواباً اسے بے باک شوخ نظروں سے سرتاپا دیکھا۔

''حشر کہاں خراب کیا۔ مزید خوبصورت ہوگئی ہو قسم سے۔''

صلہ اس کے حصار سے تڑپ کر نکلی اور فاصلے پر جا بیٹھی۔

''یہ سب کیا ڈرامہ ہے اب.....؟'' وہ بری طرح سے جھنجھلا رہی تھی۔ کمرے کی آرائش کی جانب اشارہ کیا۔

''اپنی محبوبہ بیوی کے بچے کا باپ بن رہا ہوں۔ کم اعزاز کی بات تو نہیں۔ یہ سلمریشن تو بہت دنوں سے کرنا چاہ رہا تھا مگر تم گڈ نیوز سنا کر پھر ہتھے نہیں لگ سکیں۔ اس تاخیر کا ضرور ملال ہے۔''

وہ مسکراتے ہوئے کرتے کی جیب سے بہت قیمتی رنگ کیس نکال کر اس کی جانب بڑھا چکا تھا۔ صلہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

''آئی وش صلہ.....! ہماری بیٹی ہو..... تمہاری طرح خوبصورت اور بہت زیادہ اکڑ غرور والی۔''

اس کا ہاتھ تھام کر انگوٹھی انگلی میں سجاتے ہوئے وہ بھاری بھرکم آواز میں کہہ رہا تھا۔ صلہ کچھ نہیں بول سکی۔ جانے کیوں اس پل اسے منیب چودھری کی دیوانگی اس کی محبت کا یقین آنے لگا تھا۔

''کچھ کہو گی نہیں.....؟''

وہ بیڈ کے کنارے ٹکی تھی۔ منیب پنجوں کے بل نیچے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ رنگ پہنا کر اس کا ہاتھ بہت نرمی سے لبوں سے چھوتا اسے نرم لو دیتی نظروں سے تکنے لگا۔ اس نے جانا..... اس شخص کو جیت لینے کا فن آتا ہے۔

''آپ نے شانزے کو بھی ماں بننے کی خبر دینے پر ایسے ہی تحفہ دیا تھا منیب.....؟''

وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔ منیب نے فی الفور سر نفی میں ہلایا تو وہ استعجابی سوالیہ نظروں سے اسے تکنے لگی۔

''کیوں.....؟''

''شاید اس لئے کہ میں اتنا خوش نہیں ہوا۔ میرے احساسات تب ایسے نہیں تھے۔ تم تو محبوب بیوی ہو میری یار.....''

''آپ اسے بھی ایسا تحفہ دیں گے منیب..... بی کوز ایک سے زائد شادیاں آسان ہیں کرنا..... مگر انہیں نبھانا آسان نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی روز حشر آپ کو اللہ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔''

وہ رسان سے کہہ رہی تھی۔ منیب کی آنکھیں ایک دم سے چمکنے لگیں۔

''اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے صلہ..... کہ اتنا دور تک سوچنے لگو۔''

وہ خوشگواریت میں گھرتا سوال کر رہا تھا۔ صلہ نے گہرا سانس بھر لیا۔

''محبت ہے۔ آپ سے زیادہ اللہ سے..... جبھی رب کے سامنے معتبر ٹھہرنا چاہتی ہوں۔''

وہ مسکرا دی تھی۔ منیب ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا جیسے۔

☆☆☆

میں سوچتی ہوں اکثر سوچتی رہ جاتی ہوں عزت پانے گھر بنانے کیلئے صبر و استقامت برداشت کیا میں نے.....

''کیا میں معتبر ٹھہر پائی.....؟''

اماں ابھی تک ناراض ہیں

سیما بھابی نے بھائی کے ایکسیڈنٹ میں معذوری کے بعد ان سے طلاق لے لی۔

وہ اک معذور شخص کے ساتھ عمر بھر نہیں رہ سکتی تھیں۔ سیما بھابی کو تو اماں کی بھی ضرورت نہ تھی۔ مگر پھر بھی اماں انہی کے ساتھ رہتی ہیں۔ تمام تر ذلت سہتے ہوئے بھی' عمر ہر ماہ جب چکر لگاتے ہیں تو اماں کے پاس بھی جاتے ہیں۔ چاہے واپسی پر کتنے ہی شکستہ کیوں نہ لوٹیں۔

زارا جس نے ماما کی خاطر کتنے کشٹ کاٹے..... شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ماما نے اس کے ساتھ رہنے کو ترجیح نہیں دی۔ اسد بھائی کے بنا بلائے ان کے گھر چلی گئیں۔ اس بڑھاپے میں جوان بیٹے کا بوجھ ڈھو رہی ہیں۔ اس کی بدمزگی بدمزاجی کو سہتے ہوئے بھی.....

ایک بار میری گود اجڑی تو دوبارہ کوئی امید بر نہیں آ رہی.....

میرا اندر ویران ہوتا جا رہا ہے۔

اس پر تنہائی کا عذاب..... عمر سارا دن آفس میں اور میں گھر اکیلی..... دو افراد کے کام ہی کتنے ہو سکتے ہیں.....؟ پھر وہی فراغت و تنہائی کی وحشت..... ایسے میں ماما کی شفقت اور تھکان کا احساس میرے وجود کو مضمحل کر جاتا ہے۔ جسے ماما کبھی نہیں سمجھ سکتیں۔

مالی لحاظ سے بھی انہیں تنگی کا سامنا ہے۔ مگر انہیں بیٹیوں سے مدد لینا پسند نہیں.....

یہ کتنی عجیب بات ہے۔ والدین ہمیشہ بیٹیوں پر بیٹوں کو فوقیت دیتے ہیں کہ یہ ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنیں گے۔ مگر بیٹے سہارا بننے کی بجائے کسی بھی صورت اپنا بوجھ ان کے ناتواں کاندھوں پر ڈال دیں جتنا

مرضی دکھ دے لیں۔ والدین تمام تکالیف سہہ کے بھی بیٹوں کے در سے نہیں اٹھتے۔ کیا صرف اس لئے کہ دنیا کیا کہے گی.....''

''کیا بیٹیوں پر والدین کا حق نہیں ہوتا.....؟''

کیا بیٹیاں اولاد نہیں ہوتیں.....؟

اگر والدین بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کو بھی اعلیٰ طریقے سے پرورش کر سکتے ہیں۔ ان کے حقوق ادا کر سکتے ہیں تو والدین کے حقوق بھی تو اولاد پر ہوتے ہیں۔ انہیں بھی پورے کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔ اس کا فون گنگنانے لگا۔ اس نے ڈائری بند کر دی۔ تنہائی نے اسے دل کی باتیں ڈائری سے کہنے کا ہنر سکھایا تھا۔ آج کے دور میں کسی کے پاس کہاں اتنا وقت تھا اور وہ بہت خوددار تھی۔

''السلام علیکم کیسے ہیں آپ.....؟''

عمر کی کال تھی۔ وہ پھر سے ہشاش بشاش تھی۔ اندر کی تھکن اندر دبالی۔ عمر اسے کمپنی کی طرف عمرے کے ٹکٹ ملنے کی خوشخبری سنا رہا تھا۔ وہ واقعی خوش ہوگئی۔

''مگر یار..... ٹکٹ تین ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی اماں کو کیسے مناؤں..... میری برسوں کی خواہش تھی یہ اعزاز حاصل کرنے کی.....''

وہ پریشان لگ رہا تھا۔ علیزے نے گہرا سانس بھر لیا۔

''ہم انہیں پھر منانے جائیں گے عمر.....! اللہ نے چاہا تو راضی ہو جائیں گی۔''

اس کی تسلی پر عمر واقعی بہل گیا۔ اس نے فون بند کر دیا۔

اگر زندگی ختم نہیں ہوئی تو جدوجہد کیسے تمام ہو سکتی ہے۔ جب تک جدوجہد جاری ہے تو اس کا مطلب امید روشن ہے۔ یقین مستحکم ہو تو روشنی بن جاتا ہے اور روشنی بالآخر اپنی منزل کا سراغ پالیا کرتی ہے۔

چاہے وہ منزل کسی روٹھے کو منانے کی ہو کہ بالآخر..... فتح حق کی ہی ہوتی ہے۔ یہ تو اللہ کا بھی واضح فرمان ہے۔

حق آ گیا ہے۔ باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے کو ہی ہے۔

(ختم شد)

Pakistanipoint.com
Waqar Azeem